

کوڈ 4556 یونٹ 1 - 18

تاریخہ صحیبت

ایم اے علوم اسلامیہ (تخصّص فی الحدیث)

www.KitaboSunnat.com

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



شعبہ حدیث و سیرت
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

معزز قارئین توجہ فرمائیں

■ کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔

■ مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔

■ دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

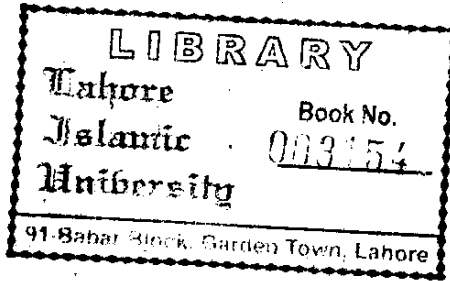
تاریخِ حدیث

برائے ایم اے علوم اسلامیہ
(تخصص فی الحدیث)

www.kitabosunnat.com

کوڈ نمبر ۳۵۵۶

پارٹ ۱-۱۸



تعبہ حدیث و سیرت
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اردو یونیورسٹی اسلام آباد

ج ۲۴۵۰۹ س ۲ - ۲ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اشاعت دوم	2005ء
سن اشاعت	2005ء
تعداد	1000
کمپوزنگ	دارالعلم، آپارہ مارکیٹ، اسلام آباد
طابع	شجاع سنز پرنٹرز، اسلام آباد
ناشر	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
قیمت	130/- روپے

کورس طیم

چیرمین:

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

تحریر:

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

تدوین:

انوار الحق

کورس رابطہ کار

ڈاکٹر علی اصغر چشتی

کورس کے مقاصد

- اس کورس کے مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇨ حدیث کے ابتدائی دور کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
 - ⇨ حدیث کے دوسرے دور میں روایات کے پھیلنے اور اسلامی ریاست کے مختلف اطراف میں حدیث کے مراکز کے قیام پر بحث کر سکیں۔
 - ⇨ حدیث کے تیسرے اطراف میں تدوین حدیث کے لئے علماء حدیث کی کوششوں کے نتیجہ میں جو مجموعے تیار ہوئے ان کا تذکرہ کر سکیں۔
 - ⇨ حدیث کے چوتھے دور میں جن محدثین نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے جدوجہد کی ان کی خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔
 - ⇨ حدیث کے پانچویں اور چھٹے دور میں علماء حدیث نے جن نئی جہات کو متعارف کرایا اور تالیفات کیں ان پر روشنی ڈال سکیں۔
 - ⇨ طبقات رواۃ کی اہمیت اور افادیت پر بحث کر سکیں اور طبقہء صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے اہم رؤۃ کی نشاندہی کر سکیں۔
 - ⇨ تاریخ حدیث کی اہمیت پر تفصیل کے ساتھ بحث کر سکیں۔
 - ⇨ علماء رجال اور فن رجال کی اہم تالیفات کا تذکرہ کر سکیں۔

فہرست

صفحہ	موضوع
5	کورس کے مقاصد
9	کورس کا تعارف
11	یونٹ نمبر ۱ حدیث کا پہلا دور
51	یونٹ نمبر ۲ حدیث کا دوسرا دور
89	یونٹ نمبر ۳ حدیث کا تیسرا دور-۱
117	یونٹ نمبر ۴ حدیث کا تیسرا دور-۲
143	یونٹ نمبر ۵ حدیث کا چوتھا دور
177	یونٹ نمبر ۶ حدیث کا پانچواں دور
199	یونٹ نمبر ۷ طبقات رواۃ حدیث
242	یونٹ نمبر ۸ تاریخ اور تاریخ حدیث کی اہمیت
265	یونٹ نمبر ۹ علمائے رجال

صفحہ	موضوع	یونٹ نمبر
303	برصغیر میں علم حدیث ①	یونٹ نمبر ۱۰
337	برصغیر میں علم حدیث ②	یونٹ نمبر ۱۱
375	برصغیر میں علم حدیث ③	یونٹ نمبر ۱۲
405	برصغیر میں علم حدیث ④	یونٹ نمبر ۱۳
437	تحریک استمراق و مستشرقین ①	یونٹ نمبر ۱۴
463	تحریک استمراق و مستشرقین ②	یونٹ نمبر ۱۵
497	فتنہ انکار حدیث	یونٹ نمبر ۱۶
533	منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ	یونٹ نمبر ۱۷
571	پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ	یونٹ نمبر ۱۸

کورس کا تعارف

ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی الحدیث) کے طلبہ و طالبات کے لیے 'تاریخ حدیث' کا کورس پیش کیا جا رہا ہے، ہمارے ہاں جتنے علوم اور فنون رائج اور متداول ہیں ان میں سے ہر ایک علم و فن کی باقاعدہ اور منضبط تاریخ ہے۔ حدیث جو کہ سند اور متن سے مرکب ہوتی ہے اور سند کئی روایت پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے حدیث کے ذخائر میں روایت حدیث کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان روایت حدیث کی تاریخ پہلی صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ صدی بہ صدی جاری رہتی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں چونکہ سند میں روایت کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور روایت معروف و مشہور ہوتے تھے اس لیے روایت حدیث کے بارے میں قیل و قال کا سلسلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے نشیب و فراز پر یکساں چلنا شروع کر دیا تو ہم نے روایات لینے میں احتیاط شروع کی۔ امام ابن شہاب زہری اور امام ابن سیرین سے بھی اسی نوعیت کے اقوال منقول ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب اسناد میں روایت کی تعداد بڑھنے لگی اور ایک ایک روایت مختلف طرق کے ساتھ پھیلنے لگی تو علماء حدیث نے روایت حدیث کی جانچ پڑتال کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری، اور امام اوزاعی وغیرہ نے روایت حدیث کو بڑی دقت نظر سے دیکھا۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں جب احکام سے متعلق بیشتر روایات پر تحقیق و تدوین کا کام مکمل ہوا تو علماء نے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا۔ اس دور میں امام عبد اللہ بن المبارک، امام یحییٰ بن معین، اور امام علی بن المدینی نے خاص طور پر روایت حدیث کی تاریخ پر تالیفات کیں۔ امام ابن معین کی تاریخ کو اگر اس ضمن میں سنگ میل اور حجر اساس قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تیسری صدی ہجری میں ائمہ حدیث نے جہاں روایات کی تجویب و تدوین پر معرکتہ آراء کام کیا وہاں تاریخ کے روایت پر بھی بہت ہی وقیع، بنیادی اور مفید تالیفات مرتب کیں۔ امام بخاری نے جس طرح اپنی 'صحیح' کی

ترتیب و تہویب میں انتہائی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا اسی طرح 'تاریخ' کو بھی بہت اہتمام کے ساتھ مرتب کیا۔ اس کورس کے یونٹ نمبر ۹ میں 'علماء رجال' کے تحت ان ائمہ حدیث کا ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخِ رواۃ پر تالیفی اور تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔

اس کورس کے ابتدائی نو یونٹ تاریخ حدیث، طبقاتِ رواۃ حدیث، تاریخ حدیث کی اہمیت اور علماء رجال پر مشتمل ہیں۔ جبکہ دوسرے حصہ میں برصغیر میں علم حدیث، تحریکِ استشرق و مستشرقین، فتنہ انکار حدیث اور پاکستان میں علم حدیث کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

ہمارے ہاں عام طور سے حدیث کے طلبہ متون کا براہِ راست مطالعہ کرتے ہیں اور حدیث سے متعلق دیگر علوم و فنون کو نظر انداز کرتے ہیں۔ خاص کر تاریخِ رواۃ حدیث کے مطالعہ کا رواج ہمارے ہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔ جو طلبہ تاریخِ رواۃ حدیث کا مطالعہ کیے بغیر مصادر حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ روایات کی صحت و سقم اور حیثیت کے بارے میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں بڑی دقت محسوس کرتے ہیں۔ تاریخِ رواۃ حدیث کے بارے میں چونکہ زیادہ تر تالیفات عربی زبان میں ہیں۔ اور ہمارے طلبہ عربی کی کتب سے استفادہ نہیں کر پاتے اس لیے وہ اس فن سے عموماً بیگانہ رہتے ہیں۔ اس کورس کی تخطيط، ترتیب، تہویب اور تدوین میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو بھی بنیادی اور اساسی مواد مل سکے اسے آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اس اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے کہ طلبہ اس کے پڑھنے سے اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔

اس عاجز نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کورس کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات اور عام قاری کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ اس کورس میں جو بھی خوبی اور بھلائی ہے وہ اللہ جل شانہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اور اس میں جو بھی خامی اور کمی بیشی ہے وہ میری کم علمی اور بے بضاعتی کا نتیجہ ہے۔

علی اصغر جہسنی

صدر شعبہ حدیث و سیرت



یونٹ نمبر ①

حدیث کا پہلا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

15	یونٹ کا تعارف
16	یونٹ کے مقاصد
17	① حدیث کا پہلا دور
17	1.1 قبل از اسلام کتابت کا رواج
18	1.2 مدینہ میں کتابت کا حال
19	1.3 کتابت حدیث کی ممانت
20	1.4 کتابت حدیث کی ممانعت کی حکمت
21	1.5 کتابت حدیث کی اجازت
23	1.6 صحیفہ صادقہ کا تعارف
24	1.7 خطبہ فتح مکہ کی کتابت
25	1.8 عہد نبویؐ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ
25	1.9 یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ
26	1.10 کفار مکہ سے معاہدہ کی شرائط
28	خود آزمائی ۱
29	② سنت - خلافت راشدہ کے عہد میں
29	2.1 سنت نبویؐ..... عہد صدیق اکبرؓ میں
34	2.2 سنت نبویؐ..... عہد فاروقؓ میں
44	2.3 سنت نبویؐ..... عہد خلافت عثمانیؓ میں
45	2.4 سنت نبویؐ..... عہد خلافت علیؓ میں

پونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس پونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ”حدیث کا پہلا دور“ سے ہے۔ حدیث کے پہلے دور میں دور رسالت اور خلافت راشدہ کے دور کو رکھا گیا ہے۔ عربوں کے ہاں چونکہ کتابت کا رواج بہت کم تھا۔ زیادہ تر دار و مدار حافظہ پر تھا۔ اس لئے ان حضرات کی قوت حافظہ بہت زبردست تھی۔ انسان اپنی جس صلاحیت کو استعمال کرتا ہے اور خوب استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی وہ صلاحیت بڑھتی ہے اور تقویت حاصل کرتی ہے۔ مثلاً جو لوگ پیدل چلتے ہیں اور خوب چلتے ہیں تو ان کی پیدل چلنے کی صلاحیت ان لوگوں کے مقابلہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جو گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اور پیدل نہیں چلتے۔ عرب اپنے شعراء کی شاعری زبانی یاد کرتے تھے اور ہزاروں اشعار انہیں از بر ہوتے تھے۔ انساب کا علم ان کے ہاں بہت معروف تھا۔ وہ اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور نسب کے بارے میں باریک سے باریک گوشے ان کے ذہن میں محفوظ ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا۔ ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو کتابت کے ذریعے محفوظ کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور میں جب آیات قرآنیہ کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔ تو صحابہ کرامؓ نے کتابت حدیث کی طرف توجہ دی۔ حدیث کی روایات جو صحابہ کرامؓ کے سینوں میں تھیں اب رفتہ رفتہ سفینوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئیں۔ عمر فاروقؓ کے دور میں عبداللہ بن مسعودؓ کی وجہ سے کوفہ میں حدیث کا مرکز قائم ہوا۔ ابوالدرداءؓ کی وجہ سے دمشق میں اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے مصر میں مراکز قائم ہوئے۔ اس طرح حدیث کی روایات حجاز سے نکل کر مختلف اطراف و اکناف میں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اس پونٹ میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا ہے۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇨ قبل از اسلام کتابت کے رواج پر گفتگو کر سکیں۔

⇨ کتابت حدیث کی ممانعت اور اس کے جواز پر مختلف پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر بحث کر سکیں۔

⇨ دور رسالت میں مکتوبہ روایات پر ایک جامع مضمون لکھ سکیں۔

⇨ ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں سنت نبویؐ کی حفاظت اور روایت کے اہتمام پر روشنی ڈال سکیں۔

⇨ عمر فاروقؓ کے دور میں سنت نبویؐ سے متعلق روایات کی ترویج و اشاعت کے حوالہ سے تبصرہ کر سکیں۔

⇨ سیدنا عثمان بن عثمانؓ کے دور خلافت میں سنت نبویؐ کے ترویج کا جائزہ لے سکیں۔

⇨ سیدنا علیؓ کے دور خلافت میں حدیث و سنت کی اشاعت کے بارے میں سیدنا علیؓ کی پالیسی کی وضاحت کر سکیں۔

① حدیث کا پہلا دور

1.1 قبل از اسلام کتابت کا رواج

کتابت تہذیب و تمدن اور ثقافت و حضارت کی علامت اور نشان ہے اس لیے دنیا کی تمام متقدم قومیں اس کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ اور بادیہ نشین قومیں اس سے دور رہتی ہیں۔ عرب زیادہ تر خانہ بدوشانہ زندگی گزارتے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس لیے اسلام سے پہلے اس دور کے لوگوں کو امیّین کہا گیا ہے۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کے وہ علاقے جہاں تمدن کی روشنی آگئی تھی جیسے یمن کا خطہ، وہاں کے باشندے لکھنے پڑھنے سے کچھ واقف تھے۔ تاہم یمن میں کتابت عام طور سے مروج نہیں تھی۔ یمن میں خواص کا طبقہ خط کی طرف مائل تھا۔ یہیں سے خط حیرہ اور انبار کے علاقوں میں منتقل ہوا اور خط جزم کے نام سے موسوم ہوا۔ ان علاقوں میں باہمی ارتباط کی وجہ سے یہ خط منتقل ہوا تھا۔ حیرہ سے خط مکہ مکرمہ میں منتقل ہوا اور یہ کام حرب بن امیہ نے انجام دیا جو اکثر و بیشتر سفر میں رہا کرتا تھا۔ اسی کے دور میں مکہ میں خط کی ابتداء ہوئی اور قریش کے کچھ لوگوں نے لکھنا سیکھا۔ لیکن عرب کے وہ قبائل جو خانہ بدوش تھے کتابت سے بالکل نااہل رہے۔ بلکہ وہ لکھنے پڑھنے کو عار اور ذلت سمجھتے تھے اور ان کا تمام تر اعتماد قوتِ حافظہ پر تھا۔ وہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے اور اسی میں بہت زیادہ ملکہ رکھتے تھے، اسی قوتِ حافظہ کی بدولت وہ اپنے شعراء کے ہزاروں اشعار، انساب، مفاخر، آیام اور واقعات کو محفوظ رکھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے تاریخ میں عرب ”احفظ الامم“ کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ مشیختہ ایزدی یہی تھی کہ اسلام سے پہلے عرب میں کتابت کا سلسلہ جاری ہو جائے تاکہ نزولِ قرآن کے بعد اس کی اور سنتِ نبوی ﷺ کی کتابت ہو سکے۔

اسلام جب آیا اس وقت مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند لوگ لکھنا جانتے تھے جن کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، طلحہ، یزید بن ابی سفیانؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابوسفیان بن حربؓ، ابوذر یفہ ابن عتبہ بن ربیعہؓ، حاطب بن عمروؓ، ابوسلمہ عبدالاسد مخزومیؓ اور بعض خواتین بھی لکھنا جانتی تھیں۔

1.2 مدینہ میں کتابت کا حال

مدینہ منورہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو یہاں اوس و خزرج میں کتابت کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہاں بعض یہود نے عربی کتابت سیکھ لی تھی جو پہلے زمانہ میں اہل مدینہ کے بچوں کو کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے اس وقت اوس و خزرج کے مندرجہ ذیل افراد کتابت جانتے تھے: سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن خضیرؓ..... مورخ بلاذری نے مدینہ میں کتابت جاننے والوں کی تعداد گیارہ بتائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد کتابت کی طرف خاص توجہ فرمائی کیونکہ وحی کی حفاظت، شاہان عالم اور اہل آفاق میں رسالت کی دعوت و تبلیغ کے لیے تحریر کی بہت ضرورت تھی۔ اہل مدینہ میں کتابت کی ترویج کے لئے بھی آپؐ نے توجہ مبذول فرمائی۔ بدر کی جنگ میں جتنے مشرکین گرفتار کئے گئے تھے ان میں جتنے افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لیے زرفدیہ کے بدلہ میں آپؐ نے یہ حکم فرمایا کہ ایک ایک قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔ اور مکمل تعلیم کے بعد ان کی رہائی عمل میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور کافی تعداد میں مدینہ کے مسلمان بچوں نے کتابت سیکھ لی۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ابی بن کعبؓ کو کاتب مقرر فرمایا اور ان کی غیر موجودگی میں زید بن ثابتؓ آیات بھی لکھتے تھے اور مراسلات بھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپؐ بھی وحی لکھنے کی خدمت انجام دینے لگے۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی آپ ﷺ کے لیے کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے جیسے خلفائے راشدین ابان بن سعیدؓ، زید بن ارقمؓ اور حظلہ بن ربیعؓ۔

شیخ محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں کہ کاتبان وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی اور صدقات، دیون، معاملات اور مراسلات کے کاتبین اور مختلف زبانوں کے کاتب بھی تھے۔ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ مدینہ کی نو مساجد میں طلبہ قرآن مجید اور تعلیمات اسلام کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے اور معلمین جو اوائل اسلام میں تعلیم دیتے تھے ان میں سعد بن ربیعؓ، خزرجی جو بارہ نقباء میں ایک تھے کے علاوہ بشر بن سعد بن ثعلبہ اور ابان بن سعید

بن العاص تھے۔ یہ سب بغیر اجرت کے تعلیم دیتے تھے۔ ان مساجد کے علاوہ بھی مدارس اور مکاتب تھے جہاں قرآن کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی کتابت کھال کے ٹکڑوں، باریک چکنے پتھروں، درخت اور کھجور کی چوڑی شاخوں اور اونٹ کی چوڑی پسلیوں پر ہوتی تھی۔

1.3 کتابت حدیث کی ممانعت

قرآن کریم کی آیات کی کتابت ابتداءً نزول سے برابر تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن حدیث کی کتابت ہجرت سے پہلے اور پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد ایک عرصہ تک ممنوع کر دی گئی تھی۔ سوائے ان احکام، عہد ناموں اور مراسلات کے جو آپ ﷺ کے حکم سے لکھوائے جاتے تھے جیسے یہود مدینہ کے درمیان عہد نامہ، حدیبیہ میں کفار مکہ سے صلح کا عہد نامہ، قبائلی سرداروں کے نام فرامین، سلاطین عالم کے نام خطوط وغیرہ۔ اس دور میں آپ ﷺ نے حدیث کی کتابت کی عام اجازت صحابہ کو نہیں دی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تكتبوا عني غير القرآن، ومن كتب عني غير القرآن فليمحاه))

”قرآنی آیات کے علاوہ آپ لوگ مجھ سے جو کچھ سنیں وہ قلم بند نہ کریں۔ اگر

کسی نے آیات کے علاوہ کوئی چیز لکھ دی ہو تو اسے چاہیے کہ اسے مٹا دے۔“

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ ﷺ ہمیں حدیث لکھنے کی اجازت دیں

لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے کہ ہم

روایات لکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا لکھ رہے ہو؟..... ہم نے عرض کیا: وہ روایات جو آپ سے سنتے ہیں۔..... آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب۔ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے

گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی لکھیں۔

1.4 کتابت حدیث کی ممانعت کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے اوائل میں کتابت حدیث سے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی حکمت پر علمائے حدیث نے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ یہاں چند نکات پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) قرآن مجید بلحاظ بلاغت اعجاز کے جس اعلیٰ مرتبہ میں ہے اس کا مقابلہ کوئی دوسرا کلام نہیں کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام چونکہ فہم و ادراک میں متفاوت درجہ رکھتے تھے اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ اگر حدیث کی کتابت ہوئی تو اکثر لوگ قرآن اور حدیث کے درمیان فرق نہ کر سکیں گے اور حدیث کو بھی قرآن لکھیں گے۔ جب کہ قرآن کی اشاعت ابھی عام طور سے نہیں ہوئی تھی اور نہ حفاظ قرآن کی تعداد زیادہ ہوئی تھی۔ اس لیے قرآن اور حدیث میں التباس و اشتباہ ہو جائے گا۔ اس التباس کے خطرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اور قرآن کی آیات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ آنے کے لیے حدیث کی کتابت ممنوع قرار دی گئی تھی جیسا کہ اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اس التباس و اشتباہ کے خطرہ میں پڑ گئے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث کی ممانعت اس وقت تک قائم رکھی جب تک قرآن مجید کی اشاعت عام نہ ہو گئی اور اس کے حفاظ بہت کافی تعداد میں پیدا نہ ہو گئے۔ اس دور میں آپ ﷺ نے صرف حدیث کی روایت اور زبانی نقل اور زبانی حفظ حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ ساتھ ہی روایت حدیث میں کذب سے منع فرمایا۔

(۲) ابتداء میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابت عام طور سے اس وقت رائج نہیں ہوئی تھی..... جو اچھے کا تب تھے وہ قرآن مجید کی کتابت میں مشغول تھے۔ اگر حدیث کی کتابت بھی اس وقت جاری ہو جاتی تو کاتبوں کی توجہ بٹ جاتی اور یکسوئی سے قرآن مجید کی کتابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ تک کتابت حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

(۳) صحابہ کرام کی اکثریت ایسی تھی کہ اعلیٰ درجہ کی قوت حافظہ رکھتے تھے۔ ان کے اس قدرتی قوت حافظہ کے ملکہ کو برقرار رکھنے کی خاطر کتابت حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

(۴) اس دور میں چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اس لیے عام طور پر کتابت ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لوگ طول طویل نظمیں زبانی یاد کرتے تھے۔ انسب اور تاریخی روایات لوگوں کو ازبر ہوتی تھیں۔ معلومات کے حصول اور انتقال کا دار و مدار حافظہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے روایات بیان کرنے کی عام اجازت عطا فرمائی تھی البتہ کتابت کی عام اجازت نہیں تھی۔ خواص کو اجازت تھی۔

1.5 کتابت حدیث کی اجازت

جب حفاظ قرآن کی تعداد بڑھ گئی، لکھنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی اور قرآن مجید کا نزول اور اس کی اشاعت بھی بڑی حد تک ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے بغض صحابہؓ کو جنہوں نے کتابت حدیث کی اجازت طلب کی تھی اجازت دے دی۔ کیونکہ قرآن اور حدیث میں اب التباس و اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انصار کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے لیکن یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ مجھ سے پوچھتے تھے تو میں بتا دیتا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی اسی کمزوری کے بارے میں آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی:

((استعن علی حفظک بيمينک))

”اپنے حافظہ کی مدد اپنے دائیں ہاتھ سے کر لیا کرو۔ (یعنی لکھ لیا کرو)“

اس صحابیؓ کو اجازت مل جانے کے بعد دیگر صحابہؓ نے بھی اجازت طلب کرنے کی جسارت کی۔ حضرت رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے بہت ساری باتیں سنتے ہیں کیا ان کو لکھ لینے کی اجازت ہے؟..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو۔ کوئی حرج نہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیدوا العلم بالکتاب..... ”علم کو لکھ لیا کرو۔“

سعید بن بلالؓ کہتے ہیں: جب ہم حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھنا شروع کر دیتے تو آپ اپنے پاس سے چونگہ نکالتے اور فرماتے: یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت انسؓ کو دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ام سلیم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ: ”ہذا ابنی وهو غلام کاتب.....“ ”یہ میرا بیٹا ہے جو کتابت جانتا ہے۔“ حضرت انسؓ آخر وقت تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ خود فرماتے تھے کہ نو سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ بارگاہ نبوت میں اس رسوخ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات آپ ﷺ ان کو یا بنی! کے لفظ سے پکارتے تھے۔ انہی وجوہ سے ان کو کتابت حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

محمد بن سعید کی روایت ہے کہ محمد بن مسلمہ انصاری (۴۲ھ) کی جب وفات ہوئی تو ہمیں ان کی تلوار کی نیام میں ایک تحریر ملی۔ محمد بن مسلمہ خواص صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ان تین اصحابؓ میں ایک تھے جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو جو سخت دشمن رسول تھا، قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بعض غزوات میں اہم ذمہ داری بھی سونپی تھی۔ آپ ”جمل“ اور ”صفین“ کے مواقع پر موجود تھے لیکن ان ہنگاموں سے دور رہے۔ آپ کے پاس جو روایات تحریر کی شکل میں موجود تھیں غالباً اس دور کی ہوں گی جب کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی تھی۔

صحابہ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وہ صحابیؓ ہیں جنہوں نے کتابت حدیث میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تقریباً سات سال پہلے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں ایکراہہ میں مدینہ آئے۔ یہاں آ کر آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جب آپ کی عمر چودہ سال تھی تو آپ اچھی طرح پڑھ لکھ سکتے تھے۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ صحابہ کرام میں آپ کا زہد و تقویٰ اور عبادت بہت مشہور تھی۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ آپ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت حدیث کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی درخواست قبول فرمائی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت حدیث کی اجازت کے لیے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اس ضمن میں اجازت

دی۔ اجازت مل جانے کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا۔ آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ”صادقہ“ رکھا تھا۔

عبداللہ بن عمروؓ اپنی کتابت حدیث کی مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: ”میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے اپنے پاس لکھ لیا کرتا تھا اور نیت تھی کہ اسے زبانی یاد کر لوں۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کے ارشادات لکھتا رہتا ہوں تو انہوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اس لیے ہر قسم کی روایات نہ لکھ لیا کرو۔ میں ان کی باتوں میں آ گیا اور لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قریش کی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنی انگشت مبارک سے زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

”اكتب! فوالذي نفسي بيده ما خرج منه إلا حق“

”تم مجھ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔“

1.6 صحیفہ صادقہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات اور باقاعدہ اجازت کے بعد عبداللہ بن عمروؓ نے کتابت حدیث کا کام جاری رکھا اور جو روایات جمع کیں ان کے مجموعہ کا نام ”الصحیفہ المصادقہ“ رکھا۔ اس کوشش کو عہد نبوی ﷺ میں تدوین حدیث کی ابتدا سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس صحیفہ کو مجاہد بن جبر نے ابن عمروؓ کے پاس دیکھا تھا۔ مجاہد نے اس کو لے کر دیکھنا چاہا تو ابن عمروؓ نے فرمایا: ”مہ با غلام بنی محزوم (اے بنی محزوم کے لڑکے! رک جا)۔“ مجاہد کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ کس قسم کی تحریر ہے؟..... آپؓ نے فرمایا: یہ ”صادقہ“ ہے۔ اس میں وہ احادیث لکھی ہوئی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی ہیں۔ یہ مجموعہ حضرت ابن عمروؓ کو اتنا عزیز تھا کہ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: میری زندگی میں ”صادقہ“ اور ”رہط“ سے زیادہ کوئی چیز مجھے پسندیدہ نہیں۔ حفاظت کی خاطر آپ اس مجموعہ کو صندوق میں رکھتے تھے۔ آپ کا یہ مجموعہ آپ کے خاندان

میں محفوظ رہا۔ آپ کے پرپوتے عمرو بن شعیب اسی سے روایت کرتے تھے۔ مصادر حدیث میں جتنی روایات ”عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده“ کی سند سے وارد ہیں وہ صحیفہ صادقہ سے منقول ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اسی کی بیشتر روایات اخذ کی ہیں۔ حافظ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس صحیفہ میں تقریباً ایک ہزار روایات تھیں۔ صحابہ گرام میں سب سے زیادہ روایات سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوبتر بنتی ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمروؓ ان کے مقابلہ میں زیادہ روایات کے حامل تھے اس لیے کہ وہ لکھتے تھے اور ابو ہریرہؓ نہیں لکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر عبد اللہ بن عمروؓ کی ساری روایات مصادر حدیث میں منتقل نہیں ہو سکیں۔ ورنہ ابو ہریرہؓ کے مقابلہ میں ان کی روایات زیادہ ہوتیں۔ عبد اللہ بن عمروؓ چونکہ عبادت و ریاضت اور خلوت میں زیادہ رہنے لگے تھے اس لیے جو روایات ان کے حافظہ میں تھیں وہ حافظہ میں رہ گئیں۔ البتہ جو مخطوطہ کی شکل میں تھیں وہ منتقل ہو گئیں۔ ۲۱ھ میں جب سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کر لیا تو عبد اللہ بن عمروؓ بھی ان کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔ مصر اگرچہ بہت متدن اور مہذب علاقہ تھا لیکن حجاز میں صحابہؓ کی جتنی تعداد تھی وہ یہاں نہ تھی۔ اس لیے ابو ہریرہؓ کو مرکز میں رہنے سے جو فائدہ ہوا وہ عبد اللہ بن عمروؓ کو مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

1.7 خطبہ فتح مکہ کی کتابت

۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ حدیث و سیرت کے مصادر میں موجود ہے۔ اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہؓ ہیں۔ اس موقع پر سامعین میں ابوشاہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لأبی شاہ۔ اس حدیث کے منجملہ رواۃ میں ولید بن مسلم اور ان کے شیخ امام اوزاعی بھی ہیں۔ ولید نے امام اوزاعی سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اس قول: ”اكتبوا لأبي شاہ“ کا کیا مطلب ہے؟..... امام اوزاعی نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ تھا کہ ابوشاہ نے جو خطبہ سنا ہے

اسے لکھ کر دیا جائے کیونکہ ابوشاہ کا حافظہ اچھا نہ تھا اور خطبہ زبانی یاد رکھنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس حدیث سے واضح طور پر کتابت حدیث کا نہ صرف ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے حکم کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔

1.8 عہد نبوی ﷺ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ

رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس معاہدے، فرامین، خطوط اور ضروری ہدایات واحکام لکھوائے۔ یہاں اس ضمن میں اجمال کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک مشہور دستور نامہ وہ ہے جو آپؐ نے ہجرت کے بعد لکھوایا۔ اس دستور میں مہاجر، انصار اور اہل یثرب کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور کی ابتداء ان کلمات سے کی گئی ہے:

”هذا كتاب محمد النبي رسول الله من المؤمنين والمسلمين من قريش وأهل يثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم أنهم أمة واحدة من دون الناس“

”یہ محمد، اللہ کے نبی اور رسول کا نامہ ہے تمام مؤمنین اور مسلمین کی طرف سے جن کا تعلق قریش اور اہل یثرب سے ہے اور جو ان کے متعلقین ہیں اور ان کے ساتھ رہ کر جہاد میں شریک رہے ہیں کہ وہ سب امة واحدة میں داخل ہیں۔ مخالفین کے مقابلہ میں یہ سب کے سب ایک ساتھ رہیں گے۔“

1.9 یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر درج ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ تاریخ ابن ہشام میں پوری طرح منقول ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے رائج ہے اب بھی اسی طرح رائج رہے گا۔

- (۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- (۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
- (۴) یہود یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
- (۵) کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔
- (۶) مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔
- (۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ البتہ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

1.10 کفار مکہ سے معاہدہ کی شرائط

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ سے آپ ﷺ نے جو صلح کی تھی اس کی شرائط حسب ذیل تھیں:

- (۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- (۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
- (۳) صلح ہو کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا) میں۔
- (۴) مکہ میں جو مسلمان مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- (۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔
- (۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

اب معاہدات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو ہدایات اور فرامین و احکام تحریری شکل میں دیئے مثلاً:

- (۱) رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا اور انہیں ایک تحریری جس میں فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کا ذکر تھا۔

- (۲) رسول اللہ ﷺ نے وائل بن حجر کو جو علاقہ حضر موت میں اپنی قوم کے سردار تھے مکتوب بھیجا جس میں

اسلام کے ارکان، نماز و روزہ اور زکوٰۃ کا نصاب، حد زنا اور تحریم خمر کا ذکر تھا اور یہ بھی مذکور تھا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔

(۳) ابن ابی لیلیٰ نے عبداللہ بن حکم سے روایت کی ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک مکتوب پڑھا گیا اس میں مردار جانور کی کھال اور پٹھوں سے متعلق احکام تھے۔

(۴) ابن حنفیہ محمد بن علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ مکتوب لو اور عثمانؓ کے پاس لے جاؤ اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو صدقہ سے متعلق ہے۔

(۵) حضرت ابو بکرؓ نے انس بن مالکؓ کے پاس وہ مکتوب ارسال کیا جس میں ان صدقات کا بیان تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ اور ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مکتوب پر رسول اللہ ﷺ نے مہ گئی تھی۔

(۶) ضحاک بن سفیان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت تھی جس میں شوہر کی دیت (خون بہا) کا حکم تھا۔

(۷) حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئی وہ تحریر تھی جس میں سبزیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔

(۸) مدینہ منورہ کے حرم ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تحریر حضرت رافع بن خدیج کے پاس تھی۔

(۹) رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور حکام کو جو خطوط بھجوائے۔ ان کے مضامین سیرت اور حدیث کے مصادر میں منقول ہیں۔

خود آزمائی ①

- ۱- قبل اسلام کتابت کے رواج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ وضاحت کریں۔
- ۲- رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے صحابہ کرامؓ کو کیوں منع کیا تھا اس ممانعت پر بحث کریں۔
- ۳- کتابت حدیث کے جواز کے بارے میں علماء حدیث نے جو دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کا مختصر جائزہ لیجئے۔
- ۴- ”صحیفہ صادقہ“ سے کیا مراد ہے اس کا تعارف کیجئے۔
- ۵- عہد نبویؐ میں مکتوبہ روایات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک جامع تحریر نوٹ کیجئے۔
- ۶- یہود مدینہ اور کفار مکہ کیساتھ آپ ﷺ کے دور میں جو معاہدات ہوئے ان معاہدات کی شرائط بیان کیجئے۔

② سنت..... خلافت راشدہ کے عہد میں

2.1 سنت نبوی ﷺ..... عہد صدیق اکبرؓ میں

دور رسالت میں اللہ جل شانہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تشریح اسلامی کا کام ہوتا رہا۔ وحی الہی کا نزول جاری تھا جس کی مسلسل تبلیغ پورے انہماک سے رسول اللہ ﷺ لوگوں میں فرماتے اور اس کے مقاصد کو بیان فرماتے اور سارے عالم کے اہل ادیان کو دعوت حق دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امت کے تمام امور، قضایا، فتاویٰ، مالی، سیاسی اور عسکری تنظیم میں مرجع اعلیٰ تھے اور تمام صحابہؓ کے روبرو دینی اور دنیاوی تمام امور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور وحی منقطع ہو گئی اور امت کے پاس دو ہی چیزیں رہ گئیں: ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا:

((تروکت فیکم امرین، لن تضلوا ما تمسکتم بہما، کتاب اللہ

وستی))

”میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تمہارا تعلق ان کے ساتھ رہے گا تم سیدھی راہ پر رہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔“

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسہ عام میں تمام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کئے گئے تو آپ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اطراف ملک کے حالات پر گہری نظر ڈالی۔ آپؐ نے دیکھا کہ مخالفین اسلام کی وہ طاقتیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں روپوش ہو گئی تھیں آپ ﷺ کی وفات کی خبر سنتے ہی دفعتاً نمودار ہو گئیں۔ ایک طرف مسیلہ کذاب تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکر جرار تیار کر رہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نے زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کے مالی نظام کا ڈھانچہ درہم برہم ہونے والا تھا اور اقتصادی نظام کی برہمی سے تمام دینی اور دنیاوی کام

رک جاتے۔ تیسری طرف روم کی سلطنت کی طرف سے مسلمانوں کو دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ان متعدد خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آمادہ ہو گئے۔ پہلے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو طلب کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اسلامی لشکر کا سردار بنا کر علم دیا تھا۔ اور وہ اہل روم کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والے تھے کہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور چند روز کی علالت کے بعد اپنے پروردگار سے جا ملے۔ جس کی وجہ سے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی ہو گئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ کو دوبارہ سالار لشکر بنایا اور علم عطا کیا اور فرمایا: ”جس جھنڈے کو رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے اس کے کھولنے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔“ دوسری طرف خالد بن ولیدؓ کو جھنڈا دیا تاکہ وہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے باغیوں اور مسلمہ کذاب اور اس کی قوم سے جہاد کریں۔ مانعین زکاۃ کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا: خلیفہ رسول اللہ! مانعین زکوٰۃ کی بات مان لیجئے اور ان سے جنگ نہ کیجئے کیونکہ وہ سب دائرہ اسلام میں نو وارد ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوها

عصموا مني دمانهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله))

مقصود یہ کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق لڑنا اور ان کو جان سے مارنا جائز نہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ بھی اسی رائے کے قائل تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ حق المال ہے جس کے انکار پر جنگ ضروری ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ جو جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نماز اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کرتا ہوں۔ اگر مانعین زکوٰۃ ایک عقاب (اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی) سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا ان سے جہاد کروں گا تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ خیر الحاکمین ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے سینوں کو کھول دیا اور سب ابوبکر صدیقؓ کے قول سے متفق ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم سب نے جنگ کی اور ہم لوگوں کی یہی رائے ہو گئی کہ یہی راستی اور سچائی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ اور اسامہ بن

زیدؓ کی سرکردگی میں دو اسلامی لشکر روانہ کئے تھے۔ یہ دونوں مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر والوں نے مسیلہؓ کذاب کو قتل کیا اور اس کی فوج پر اگندہ ہو کر ملیا میٹ ہو گئی۔ مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنی مہم میں کامیابی ہوئی۔

مسیلہؓ کذاب کے مقابلہ میں جو جنگ لڑی گئی۔ وہ چونکہ مدعی نبوت کے خلاف تھی اس لیے صحابہ کرام نے بہت جوش و جذبہ کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ اور ایسے صحابہ جو کبار اور حفاظ تھے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ناموس کی خاطر شریک ہوئے۔ جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ لیکن اس میں حفاظ صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ جنگ چونکہ یمامہ کے مقام پر لڑی گئی اس لیے اس کو ”جنگ یمامہ“ کہتے ہیں۔ ان حفاظ کی شہادت کی خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمانوں کو بے حد قلق اور رنج ہوا۔ حضرت عمرؓ بھی متاثر ہوئے اور فوراً صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ جہاد کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا لیکن اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کی حفاظت مشکل ہو جائے گی کیونکہ ابھی تک قرآن کی آیات مختلف قطعات پر لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد قرآن کریم کی آیات کو لکھوا کر مدون کیا جائے۔ صدیق اکبرؓ نے نہایت غور و فکر اور سوال و جواب کے بعد حضرت عمرؓ کی تجویز کو پسند کیا اور زید بن ثابتؓ کو طلب کیا جو پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاحب وحی رہ چکے تھے اور ان کی نگرانی میں قرآنی آیات کو لکھوا کر مدون کر دیا۔ یہ نسخہ ابو بکر صدیقؓ کی امانت میں رکھا گیا۔

قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ سنت رسول ﷺ کا تھا اس کی تدوین کی طرف بھی صدیق اکبرؓ توجہ دینا چاہتے تھے لیکن آپؓ کی عمر نے وفا نہیں کی۔ دو سال تین ماہ تک آپؓ نے خلافت کے امور کو انجام دیا۔ صدیق اکبرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ دیکھا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت اور فہم میں متفاوت ہیں۔ اس لیے کہ سارے صحابہ فقیہ نہ تھے۔ ان صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا اور آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا لیکن روایات کی تطبیق اور استنباط کے ضمن میں اس وقت کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا۔ صحابہؓ زیادہ تر حدیث کے راوی تھے وہ احادیث کو انہی الفاظ میں بیان کرتے تھے جن الفاظ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ ان کو اس سے مطلب نہ تھا کہ کوئی حدیث ناخ ہے اور کوئی منسوخ ہے۔ عزیمت والی

حدیث کون سی ہے اور رخصت والی حدیث کون سی ہے اس بنا پر ایک صحابی کسی مسئلہ کی رخصت والی حدیث بیان کرتے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے تھے تو دوسرے صحابی اس کے خلاف اس مسئلہ میں عزیمت پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی ایک شخص کو سفر کی حالت میں سر میں چوٹ لگی تھی جس سے سر زخمی ہو گیا تھا اسی حالت میں اسے غسل کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اس نے اپنے ساتھی صحابہؓ سے پوچھا تو انہوں نے تیمم کے بجائے اسے غسل کرنے کی ہدایت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غسل کرنے کے بعد اس کی تکلیف بڑھ گئی اور وہ انتقال کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے رخصت پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ تیمم کر لیتا تو کافی تھا۔

رسول اللہ ﷺ جو احکام دیتے تھے ان میں بعض احکام وقتی ہوتے تھے پھر وہ وقت گزر جانے اور حالات کے مناسب ہونے پر ان کو منسوخ فرما دیتے یا کراہت کو اجازت میں بدل دیتے تھے جیسا کہ ایک سال آپ ﷺ نے قربانی کے اضافی گوشت کو تین دنوں سے زیادہ بطور ذخیرہ رکھنے سے منع فرمایا۔ دوسرے سال لوگوں نے جب اس ہدایت پر عمل کرنے کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے قربانی کے دن مساکین کی کثرت کو دیکھ کر تمہیں گوشت بچانے سے روکا تھا۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ تم قربانی کا گوشت کھاؤ، خیرات کرو اور بچاؤ۔

روایات میں اختلاف کو دیکھ کر ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ کرام کو حدیث کی روایت کرنے میں احتیاط کا مشورہ دیا۔ آپؓ نے خیال کیا کہ روایت کے نتیجہ میں اگر صحابہؓ کرام ان رائج و مرجوح کی اختلافی مسائل میں پڑ گئے تو وہ فتنے جو چاروں طرف منہ کھولے کھڑے تھے تقویت حاصل کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ نے صحابہؓ کرام کو روایت حدیث میں انتہائی احتیاط اور سوچ و بچار کی ہدایت کی۔ ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے:

صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں روایت کرتے وقت آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ کے بعد لوگوں میں

اختلاف اور شدید ہو جائے گا اس لیے آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہ بیان کریں آپ سے کوئی پوچھے تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھو۔ ایسی صورت حال میں جبکہ قرآن مجید کی آیات کی تدوین کا کام شروع بھی نہ ہوا تھا اور طاقتور دشمنوں کے حملہ سروس پر منزلار ہے تھے روایت حدیث کو وقتی طور پر روکنا صدیق اکبرؓ کے لیے ضروری ہو چکا تھا کیونکہ احادیث کی روایت سے باہم اختلافات ہونے لگے تھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صدیق اکبرؓ حدیث یا اس کی کتابت کے مخالف تھے جس کی اجازت عہد نبوی ﷺ کے آخری ایام میں ہو چکی تھی۔ اگر صدیق اکبرؓ کتابت حدیث کے جواز کے قائل نہ ہوتے تو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو حدیثیں نہ لکھتے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حاکم کی روایت نقل کی ہے۔

امام حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کتابت حدیث کے جواز کے قائل تھے جب ہی تو انہوں نے پانچ سو حدیثیں دوسرے صحابہؓ سے نقل کر کے یا لکھوا کر کے اپنے پاس رکھی تھیں۔ اور ایک عرصہ تک یہ روایات ان کے پاس محفوظ رہیں۔ بعد میں انہوں نے اس مجموعہ کو نذر آتش کر دیا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ ان روایات کے زوادیٰ تو معتمد اور ثقہ و عادل تھے لیکن روایات کو نقل کرنے میں وہ اہتمام نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ہرگز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ ابو بکر صدیقؓ حدیث اور کتابت حدیث کے مخالف تھے۔ پانچ سو روایات کا جمع کرنا سنت کی حجت کی بنا پر تھا اور پھر ان کی نقل میں شک ہو جانے کے باعث نذر آتش کرنا دوسری علت کی بنا پر تھا۔ حدیث یا کتابت حدیث کی مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور سنت نبوی ﷺ پر جس قدر جان نثار اور شیفۃ ابو بکر صدیقؓ تھے اس کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ آپؐ کو قضا یا، فتاویٰ اور مقدمات کے متعلق قرآن مجید میں اگر حکم نہ ملتا تو صحابہؓ ہر گرام سے حدیث دریافت کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ سابقین اولین میں سے تھے بلکہ ایمان لانے والے مردوں میں پہلے شخص تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں رہے تھے۔ ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بہ نظر احتیاط حدیث کی روایت

بہت کم کرتے تھے اور ایک لفظ وحرف کے فرق کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی ان سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو بیالیس (۱۴۲) کے لگ بھگ ہے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا: حدثنی ابو بکر، وصدق ابو بکر۔

ایک موقع پر ابو بکر صدیقؓ نے حضرت براءؓ کے والد عازب کو ہجرت کے پورے واقعات سنائے۔ انبیاء کی میراث سے متعلق روایت آپ نے بطور استدلال پیش کی۔ اس روایت کی تصدیق ان ممتاز صحابہؓ نے کی جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ مقصد یہ کہ صدیق اکبرؓ نے انتظاماً صحابہ گرام کو حدیث کی روایت میں احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ اگر آپؓ کی خلافت کی مدت طویل ہو جاتی تو جس طرح آپ نے قرآن مجید کی آیات لکھوا کر ان کی باقاعدہ تدوین کی اسی طرح قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی ﷺ کو صحابہ گرام کے سینوں سے اور مکتوبہ اجزاء سے جمع کرا کر تدوین حدیث کی خدمت بھی انجام دے دیتے۔ اور روایات کے اختلافات کو تطبیق دے کر مٹا دیتے لیکن اللہ جل شانہ کی یہی مشیت تھی کہ تدوین حدیث کی خدمت دیگر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کا طبقہ اپنی مسلسل کوشش اور جدوجہد سے انجام دے تاکہ حدیث کی طلب میں نشاطی حرکت تیز تر ہو اور اسی حرکت و طلب اور جستجو سے حدیث کے بہت سے دوسرے علوم متعلقہ بھی پیدا ہوں جس سے امت مسلمہ کی آنے والی نسلیں زیادہ سہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔

2.2 سنت نبوی ﷺ..... عہد فاروق میں

ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد عمر فاروقؓ کا عہد خلافت آیا۔ آپ نے بھی اپنے عہد خلافت میں قرآن مجید کی تعلیم، ترویج اور اشاعت میں انتہائی کوشش کی۔ ساتھ ہی روایات کے جمع کرنے اور کتابت کر کے تدوین حدیث کا خیال آیا۔ اس بارے میں جب صحابہ گرام سے مشورہ کیا تو اکثریت کی طرف سے مثبت جواب ملا۔ لیکن آپ نے صورت حالات کا جائزہ لینے کے بعد تدوین حدیث کے ارادہ کو بدل دیا۔ حضرت عروہ بن الزبیرؓ اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

”حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنن لکھوانے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں صحابہؓ

ے مشورہ کیا۔ سبھوں نے مشورہ دیا کہ سنن لکھے جائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب انہیں شرح صدر ہوا تو فرمایا: میں سنن کی کتابت کرانا چاہتا تھا کہ ایک قوم یاد آگئی جو تم سے پہلے تھی۔ جس نے بہت کتابیں لکھیں اور ان کتابوں پر جھک گئی اور اللہ جل شانہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ بخدا! میں کتاب اللہ میں کبھی کوئی چیز ملانا نہیں چاہتا ہوں۔“ (جامع بیان العلم: ج ۱، ص ۲۴)

حضرت عمرؓ نے سنن کی عدم کتابت کا فیصلہ غلت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ کامل غور و فکر اور ایک ماہ تک استخارہ کرنے کے بعد فرمایا۔ آپ کا مقصد بھی وہی تھا جو خلیفہ اول کا تھا کہ پہلے کتاب اللہ کی پوری اشاعت ہو جائے اور حفاظ قرآن بکثرت پیدا ہو جائیں۔ اس کے بعد سنت کی تدوین عمل میں آئے۔ یہ ایک وقت دواہم کام جاری نہیں رہ سکتے ہیں۔ سنت کے محافظین حفاظ حدیث کی کافی تعداد موجود ہے۔ انہوں نے اپنے سینوں میں محفوظ طریقہ سے سنن کو رکھا ہے اور مسلسل مذاکرہ کی وجہ سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ مناسب وقت میں اس کی تدوین بھی عمل میں آ جائے گی۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ حدیث کی روایت میں اعتدال آ جائے۔ اگر کثرت حدیث کی روایت اس زمانے میں کی جائے جبکہ تدوین حدیث عمل میں نہیں آئی ہے تو مخالفین اسلام اور منافقین کو موضوع حدیث بیان کرنے کا موقع مل جائے گا اس خیال سے حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کی کثرت کو روکا اور اس پر سختی سے عمل کیا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

”عمر فاروقؓ زیادہ روایت کرنے والوں کو سختی سے روکتے تھے اور ایسے لوگوں کے ساتھ بھی سختی برتتے تھے جو کسی حکم میں کوئی خبر بغیر شاہد (گواہ) کے لاتے تھے۔“ (تاویل مختلف الحدیث: ص ۴۸، ۴۹)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کثرت روایت پر سختی کا عمل عمر فاروقؓ کی تنہا ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ دیگر جلیل القدر صحابہؓ کا بھی اس زمانے میں یہی خیال تھا۔ ابن قتیبہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”اکثر جلیل القدر صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے خاص الخاص حضرات جیسے ابوبکر صدیقؓ، زبیرؓ، ابو عبیدہؓ، عباسؓ بن عبد المطلب رسول اللہ ﷺ سے بہت کم روایت کرتے تھے، بلکہ بعض تو تقریباً روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ جیسے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔“ (تاویل مختلف الحدیث: ص ۴۸)

حضرت عمرؓ نے قرظہ بن کعبؓ کو وفد کی صورت میں کوفہ روانہ کرتے وقت وصیت کی تھی کہ روایت کم کرنا۔ قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے:

”ہمیں عمر بن الخطابؓ نے کوفہ روانہ کیا اور مقام جرار تک جو مدینہ کے قریب ہے ہمارے ہمراہ رہے۔ یہاں آ کر آپؐ نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ یہاں تک آیا؟..... ہم نے جواب دیا: چونکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے اور ہمارا تعلق انصار سے ہے۔ تو آپؐ نے ان دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں آپؐ کے ساتھ یہاں تک اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپؐ لوگوں سے ایک اہم بات کرنی ہے۔ آپؐ میری اس بات کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ پھر فرمایا: آپؐ لوگ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس کے دل میں قرآن کے ساتھ اتنا تعلق اور عقیدت ہے کہ تلاوت کرتے وقت ان کے دل اس طریقہ سے حرکت کرتے ہیں جس طرح حرارت کی وجہ سے دیگی متحرک ہوتی ہے۔ وہ لوگ جب آپؐ کو دیکھیں گے تو آپؐ کی طرف آگے بڑھیں گے اور کہیں گے کہ یہ صحابہؓ ہیں۔ وہ آپؐ سے سننا چاہیں گے۔ میری وصیت ہے کہ ان کے سامنے احادیث کم سے کم

بیان کریں۔ اس معاملہ میں آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ص ۹)

حضرت عمرؓ نے جب ابو موسیٰ اشعری سے یہ حدیث سنی:

((اذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیبر جمع))

”جب تم میں سے کوئی کسی کو تین بار سلام کرے اور گھر کے اندر سے جواب نہ ملے تو اسے واپس چلا جانا چاہئے۔“

تو فرمایا: ابو موسیٰ! اس حدیث پر تم گواہ پیش کرو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ اور جب دوسرے صحابہ نے ابو موسیٰ کی روایت کردہ حدیث کی تصدیق کی۔ تو عمر فاروقؓ نے اسے قبول کیا۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابی بن کعب نے عمر فاروقؓ کی موجودگی میں حدیث بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب سے اس کی تصدیق کے لیے گواہ طلب کیا۔ جب انصار میں سے بعض حضرات نے اس کی تصدیق کی تو عمر فاروقؓ نے ابی بن کعب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

((اما انی لم اتهمک ولكن احببت ان أثبت))

”میں آپ کو نا قابل اعتماد نہیں سمجھتا لیکن میری خواہش تھی کہ اس حدیث کی مزید تائید ہو۔“ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۷)

ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا: کیا آپ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اسی طرح روایات بیان کرتے تھے؟..... ابو ہریرہؓ نے جواب دیا: اگر میں حضرت عمرؓ کے دور میں اسی طرح کثرت سے روایات بیان کرتا تو وہ مجھے سختی سے منع فرماتے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۱۲۱)

جو لوگ حدیث و سنت کی تشریحی حیثیت کے قائل نہیں وہ حضرت عمرؓ کی کثرت روایت کے ضمن میں سختی کو بنیاد بنا کر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صرف قرآن مجید کو اسلامی تشریح کا مصدر قرار دیتے تھے اور حدیث سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین جلیل القدر صحابہؓ کو کثرت روایت کی بناء

پر قید میں ڈالا تھا۔ ثبوت کے لیے یہ حضرات حافظ ذہبی کی نقل کردہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

”إن عمر حبس ثلاثة، ابن مسعود وأبا الدرداء وأبا مسعود الأنصاري فقال: قد أكثرتم الحديث عن رسول الله ﷺ.“

حدیث کے مخالفین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حدیث قرظہ کو بھی پیش کرتے ہیں جو شعی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے۔ ان حضرات کے اس فرضی الزام کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں تین صحابہؓ کے متعلق ”جس“ کا لفظ آیا ہے۔ یہاں جس کے معنی قید کرنے کے نہیں ہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے امام رامہرمزی نے اپنے شیخ ابو عبد اللہ ابن البری کی یہ روایت نقل کی ہے:

((أن عمر بن الخطاب حبس بعض أصحاب النبي ﷺ، فيهم ابن مسعود وأبو الدرداء، فقال: قد أكثرتم الحديث عن رسول الله ﷺ. قال أبو عبد الله ابن البري، يعني منعهم من الحديث ولم يكن لعمر حبس)). (المحدث الفاضل: ص ۱۳۳)

”عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ کو ”جس“ میں کر دیا تھا جن میں ابن مسعودؓ اور ابو الدرداءؓ بھی تھے۔ اور فرمایا کہ تم نے روایت حدیث میں بہت کثرت کر دی ہے۔“ ابو عبد اللہ ابن البری کہتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نے ان اصحاب کو حدیث کی روایت کرنے سے صرف منع کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ روایت مذکورہ میں ”جس“ کا جو لفظ آیا ہے وہ ”قید“ کے معنی میں نہیں بلکہ منع کے معنی میں ہے۔“

حافظ ابن البری کی یہ تعبیر بہت عمدہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی ممانعت کثرت حدیث میں اس لیے ہوتی تھی کہ سامعین حدیث میں زیادہ غور و فکر نہ کر سکیں گے، اور راویان حدیث کثرت روایت کے باعث ضبط، تثبت اور اتقان کے اصول کو ملحوظ نہ رکھیں گے جس کی وجہ سے حدیث میں کمی بیشی کا اندیشہ رہے گا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک

حدیث کی روایت مذموم نہ تھی کیونکہ خود ان سے بکثرت حدیث کی روایت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ اور چند صحابہؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی ہیں۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں وہ قید نہ ہوں اور تین جلیل القدر صحابہؓ قید کر دیئے جائیں۔ ابو ہریرہؓ نے پانچ ہزار تین سو چوبتر (۵۳۷۴)، ابن مسعودؓ نے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸)، ابوالدرداءؓ نے ایک سو اسی (۱۷۹) اور ابو مسعودؓ نے ایک سو دو (۱۰۲) احادیث روایت کی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عمر فاروقؓ مکشورین صحابہؓ کی جانچ لیا کرتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا تھا کہ زیادہ روایت کرنے والے صحابیؓ کا حافظہ قوی ہے اور وہ حدیث پورے ضبط کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے حدیث کی روایت کی عام اجازت دیتے تھے جو اجازت نامہ اور سند کی حیثیت ہوتی تھی۔ حافظ ذہبیؒ، ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں:

”ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس میری کثرتِ روایت کی خبر پہنچی۔ انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: کیا تم ہمارے ساتھ اس دن تھے جس دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر میں تھے۔ میں نے کہا: جی ہاں! میں موجود تھا۔ میں حضرت عمرؓ کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ آپؓ نے مجھے مخاطب کیا اور پوچھا: میں نے تم سے یہ سوال کیوں کیا؟..... میں نے کہا: جس دن ہم ساتھ تھے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کی ہو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حضرت عمرؓ نے میری زبان سے یہ حدیث سنی اور فرمایا: جاؤ اور حدیث کی روایت کرو۔“ (سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۴۳۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو جو حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں محض ان کے حفظ، ثبوت اور اتقان کے امتحان کے لیے طلب کیا تھا جب وہ حضرت عمرؓ کے امتحان

میں پورے اترے تو انہیں حدیث کی روایت کی عام اجازت دے دی گئی۔ اسی طرح تین جلیل القدر صحابہ کو حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان اور جانچ کے لیے کچھ دنوں تک حدیث کی روایت سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس مفہوم کی تائید خطیب بغدادی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

((بعث عمر بن الخطاب إلى عبد الله بن مسعود وإلى أبي الدرداء، وإلى أبي مسعود الأنصاري، فقال: ما هذا الحديث الذين تكثرون عن رسول الله ﷺ؟ فحبسهم بالمدينة حتى استشهد لفظهم سواء)). (شرف أصحاب الحديث: ص ۹۷)

”عمر فاروقؓ نے عبد اللہ بن مسعود، ابوالدرداءؓ اور ابو مسعود انصاریؓ کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: یہ کیا حدیث ہے جس کی روایت آپ لوگ کثرت سے کر رہے ہیں؟..... حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو مدینہ میں روایت کرنے سے منع کر دیا تھا تا آنکہ حضرت عمرؓ کو شہادت مل گئی کہ ان سب کی روایت میں الفاظ و کلمات برابر اور یکساں ہیں۔“

خطیب بغدادی کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ ”جس“ کے معنی صرف قید کرنے ہی کے نہیں بلکہ منع کرنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب ان تینوں کی روایت میں الفاظ متفق اور یکساں نظر آئے اور روایت میں اختلاف نہیں پایا تو ان تینوں کے لیے روایت کی ممانعت باقی نہ رہی۔ حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ کے متعلق بھی جس کا لفظ استعمال کیا تھا جو ابن سعد کی روایت میں ہے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب معاذ بن جبلؓ ملک شام جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے چلے جانے سے مدینہ میں فقہ اور فتویٰ دینے میں خلل ہوگا اس لیے حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول سے ان کو روکنے کے لیے کہا۔ اس روایت کی عبارت یوں ہے:

((لقد كنت كلمت ابا بكر رحمه الله أن يحبسهم لحاجة الناس إليه، فأبى علي فقال: رجل أراد الجهاد يريد الشهادة فلا أحبسهم))

”حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے ابوبکرؓ سے لوگوں کی ضرورت کو مد نظر رکھ کر معاذ بن جبل کو روکنے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ جہاد اور شہادت چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں نہیں روکنا چاہتا۔“

اس عبارت میں دو جگہ ”جس“ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی قید میں ڈالنے کے نہیں ہیں بلکہ روکنے کے ہیں۔ اسی طرح تینوں صحابہؓ کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کے متعلق بھی راوی نے جس کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں بھی معنی روکنے ہی کے ہیں نہ کہ جیل میں ڈالے جانے کے۔

حضرت عمرؓ ان تینوں صحابہؓ کی قدر و منزلت کو جانتے تھے، ان کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے۔ ان کے علمی رتبے سے آگاہ تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تو کوفہ والوں کے نام خط میں ابن مسعودؓ کا اس طرح تعارف کرایا۔

”کُتِبَ إِلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ: إِنِّي وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، أَثَرْتُكُمْ بِهِ عَلَى نَفْسِي فَخُذُوا مِنْهُ“ (سير أعلام النبلاء: ج ۱، ص ۳۵۱)

”اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ابن مسعودؓ کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے تمہارے پاس بھیجنے کے لیے ترجیح دی ہے۔ تم ان سے بھرپور استفادہ کرو۔“

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کنیف ملی، علماً، أثرت به أهل القادسية

”ابن مسعودؓ وہ ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے انہیں اہل قادیسیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا ہے۔“

ابودالدرداءؓ بھی اپنی اعلیٰ شخصیت اور علمی خصوصیت کی بنا پر بلاؤشام میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ کیا ایسی بلند تر ہستیوں کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے انہیں کثرت روایت کی بنا پر جیل

میں ڈال دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں ایسا خیال کرنا انتہائی نامناسب ہے جبکہ عمر فاروقؓ خود حدیث کی اشاعت میں بھی اسی طرح کوشاں تھے جس طرح وہ قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت میں تھے۔ وہ اپنے تمام فیصلوں میں خلیفہ اول کے طریق کار اور منہج پر عمل کرتے تھے۔ پہلے وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے اس سے ہدایت حاصل کرتے تھے اگر کسی مسئلہ میں قرآن میں حکم نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور صحابہ کرام سے بھی سنت کے احکام حاصل کرتے تھے۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ جل شانہ کا نام لے کر میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے متعلق سنا ہے؟..... جمل بن مالک نے سنا تو کھڑے ہو کر کہا: میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو خیمہ کی لکڑی سے مارا جس سے اس کا مردہ جنین ساقط ہو گیا۔ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غرۃ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں یہ حدیث نہ سنتا تو دوسرا فیصلہ کر دیتا۔

شام میں جب طاعون کی وبا پھیلی تھی حضرت عمرؓ نے مقام سرع پر مرکز تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ آخر میں عبدالرحمن بن عوف نے جب حدیث پیش کی تو اس کے مطابق فوج کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے موزوں پر مسح کی حدیث سن کر قبول فرمایا اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو ہدایت کی:

”إِذَا حَدَّثَ سَعْدٌ بِشَيْءٍ فَلَا تَرُدُّ عَلَيْهِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ

يَمْسَحُ عَلَى الْخَفَيْنِ“

”جب تم سے سعد کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کریں تو اسے رد نہ کرو۔ بے

شک رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا ہے۔“

اس طرح کی بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن یونٹ میں زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس لیے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ ان سینکڑوں مثالوں سے جو مصادر میں موجود ہیں واضح طور پر ثابت ہوتا

ہے کہ حضرت عمرؓ سنت نبوی ﷺ کے کس قدر دلدادہ تھے اور ان کا عمل سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہوتا تھا اور آپ سنت نبوی ﷺ کو صحیح طور سے رائج کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور جب ان کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی مفتوحہ ممالک میں بھی اشاعت کافی ہو گئی جس کی تصدیق امام ابن حزم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: جس وقت حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو مصر سے عراق تک اور عراق سے شام تک اور شام سے یمن تک قرآن مجید کے جو نسخے پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ قرآن کا وہ نسخہ جو عہد صدیقی میں مرتب کرا کے محفوظ کر لیا گیا تھا اور اس کی نقلیں اسلامی مراکز میں نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ حفاظ قرآن سے سن کر عہد فاروقی میں کتاب اللہ کی اشاعت ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب قرآن کی اشاعت پر اطمینان ہو گیا اور حدیث اور قرآن میں التباس کا خوف بھی نہ رہا تو حدیث کی روایت اور کتابت میں حضرت عمرؓ کا جوش و خروش تھا اس میں اعتدال پیدا ہو گیا اور سنت نبوی ﷺ کی روایت اور ترویج میں کوشش فرمانے لگے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: خیر الہدیٰ ہدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے ایک موقع پر صحابہ گرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

”سیأتی قوم یجادلونکم بشبہات القرآن، فخذوہم بالسنن، فإن

أصحاب السنن أعلم بكتاب الله“

”تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں شبہات ڈال کر تم سے

جھگڑیں گے۔ انہیں سنن کے ذریعہ رام کیا کرو۔ اصحاب سنن کتاب اللہ کا زیادہ

علم رکھتے ہیں۔“

حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

”تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلموا القرآن“

”فرائض اور سنت کو اسی طرح سیکھو جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو۔“

حضرت عمرؓ نے جب حدیث کی روایت اور کتابت کے ضمن میں تشدد میں کمی کر دی تو خود بھی انہوں نے

حدیث لکھ کر دوسروں کے پاس ارسال کی۔

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے: ہم عتبہ بن فرقہ کے پاس تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اکرم ﷺ کی کچھ حدیثیں لکھ کر بھیجیں ان احادیث میں ایک حدیث یہ تھی:

لا یلبس الحریر فی الدنیا إلا من لیس له فی الآخرة من شیء إلا
هكذا وقال بأصبعیه للسبابة والوسطی. (مسند امام أحمد بن
محمد بن حنبل)

اس سے حضرت عمرؓ کا منشا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روایت اور کتابت حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان کی نیت قرآن مجید کی عام اشاعت اور سنت کی روایت اور کتابت میں کامل احتیاط پر مبنی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی طرز عمل کو اختیار کیا تھا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا۔

2.3 سنت عہد خلافت عثمانی میں

حضرت عثمان خلیفہ ثالث کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ جب آپ کو اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں سے یہ اطلاع دی گئی کہ قرآن کریم کی قرأت میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور نزاع نے سخت صورت اختیار کر لی ہے تو اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ صحیفہ قرآن منگوا لیا جو ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں مدون و مرتب کیا گیا تھا اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں اس کی سات کاپیاں کرائی گئیں اور نقول کا ایک ایک نسخہ اسلامی مملکت اسلامی کے مرکزی مقام کو روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ اس صحیفہ کے مطابق عمل کیا جائے جس سے لوگوں کے اختلافات ختم ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی کثرت روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے طریقے پر چلنے کی کوشش کی۔ محمود بن لبید کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: ”کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث روایت کرے جسے میں نے عہد ابو بکرؓ اور عہد عمرؓ میں نہ سنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں مجھے پہ امر مانع نہیں ہے کہ میں آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں زیادہ حافظ حدیث نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔“

لیکن اس خیال سے کہ حدیث کا ذخیرہ صحابہ گرام کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ذخیرہ فنا ہو جائے گا آپؐ نے حدیث کی روایت اور کتابت میں نرمی اختیار کی۔ آپ کے نرم طریقہ اختیار کرنے سے صحابہ گرام حدیث کی روایت زیادہ کرنے لگے۔ دوسری طرف منافقین کو بھی من گھڑت روایات پھیلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ حمیر کا یہودی عبداللہ ابن سبا مسلمانوں کے بھیس میں کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ کی اسلامی فوجی چھاؤنیوں میں کثرت سے آنے جانے لگا۔ جہاں قبائل عرب کے بدوی فوج میں داخل تھے اور رسول اللہ ﷺ کے شرف دیدار سے محروم تھے اس لیے وہ حدیث نبوی ﷺ سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی سے حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے منبر پر جو خطبہ دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علم میں دوسرے صحابہؓ سے واقفیت میں کم نہ تھے۔ مگر بہ نظر احتیاط وہ بہت کم روایت کرتے تھے تاہم دوسرے صحابہؓ ان کے پاس آتے اور حدیث نبوی ﷺ سناتے اور حضرت عثمانؓ سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اجازت لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے قریب بیٹھے ہوئے حضرت کعبؓ سے پوچھا: کعب! عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مال چھوڑا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟..... کعبؓ نے کہا: اگر وہ اس مال میں اللہ جل شانہ کا حق (زکوٰۃ) ادا کرتے تھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوذر غفاریؓ نے اپنی لاٹھی حضرت کعبؓ کی طرف بڑھائی اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ”میں اس بات کو پسند نہیں رکھتا کہ اس پہار کے برابر سونا میرے پاس ہو جائے اور میں اسے خرچ کر دوں اور وہ مقبول بھی ہو جائے اور میں اس سونے میں سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں“۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا: میں آپ کو اے عثمان! اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟..... حضرت ابوذرؓ نے تین دفعہ پوچھا تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے۔

2.4 عہد خلافت علیؓ

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو جو خصوصیت اور قربت رسول اللہ ﷺ سے تھی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں

تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت حق کے اعلان پر کم سن افراد میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے لبیک کہا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی ابتدائے نبوت سے آپ کی وفات تک برابر ساتھ رہے اور ہر معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے۔

حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے محبوب ترین فرد تھے۔ اس لیے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع بہت زیادہ ملا اور آپ ﷺ سے حضرت علیؑ نے احادیث کی سماعت بہت زیادہ فرمائی جن کو آپ نے محفوظ رکھا۔ جب آپ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے تو حضرت معاویہؓ سے شدید اختلاف کی وجہ سے اسلامی مملکت کا ایک بڑا علاقہ مصر اور شام کا آپ کی حدودِ خلافت سے کٹ گیا تھا، تاہم اسلامی مملکت کے بڑے حصہ پر آپ کی خلافت قائم ہو گئی جہاں آپؑ نے نہایت عدل و انصاف سے نظم قائم رکھا اور خانہ جنگیوں کے باوجود عادلانہ احکام میں فرق نہ آنے دیا۔ قرآن کریم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی ﷺ کی ترویج کی طرف بھی توجہ فرمائی کیونکہ آپ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ حدیث کی تدوین ہنوز نہیں ہوئی ہے اور یہ ذخیرہ حدیث زیادہ تر صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات پا جانے کے بعد یہ خزانہ مٹ جائے گا اس لیے آپ نے بجائے سختی کے حدیث کی روایت اور کتابت کی حوصلہ افزائی فرمائی تاکہ صحابہ کے ذریعہ حدیث کی تعلیم کی رفتار تیز ہو اور خود بھی علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی۔ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے:

”ایک دن (کوفہ) میں حضرت علیؑ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران آپؑ نے فرمایا: ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے؟..... حارث اعمور ایک درہم دے کر کچھ کاغذ خرید لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم (احادیث) لکھایا۔“

حضرت علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے پاس حضرت علیؑ کی حدیثوں کا مجموعہ تھا۔ عبداللہ بن عامر کے ترجمہ میں علماء رجال نے لکھا ہے:

”کل شیء روى عبد الأعلى عن ابن الحنفية، إنما هو كتاب أخذه ولم يسمعه“

”عبد الأعلى جو کچھ روایت محمد بن حنفیہ سے کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی اور عبد الأعلى نے براہ راست محمد بن الحنفیہ سے ان روایات کو نہیں سنا تھا۔“

یہ ظاہر اس روایت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابن الحنفیہ کے پاس احادیث کا جو مجموعہ تھا اسے خود حضرت علیؓ نے لکھا تھا اور یا اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو لکھوا دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے رویہ کی وجہ سے جہاں صحابہ گرام کو روایت اور کتابت حدیث کا پورا پورا موقع ملا وہاں ان لوگوں نے جو بہ ظاہر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور حقیقتاً مسلمانوں کے دشمن تھے اس موقع سے غلط فائدہ اٹھایا اور من گھڑت روایات خوب زور و شور سے پھیلانے لگے۔ ان لوگوں نے روایات کو کبار اور محترم صحابہ گرام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے ان حالات کے پیش نظر اپنے ایک خطبہ میں لوگوں مخاطب کیا اور فرمایا:

”میں ہر اس شخص سے پر زور مطالبہ کرتا ہوں جس کے پاس کوئی مخطوطہ ہو کہ وہ واپس جا کر اسے مٹا دے۔ لوگ اسی لیے تباہ و برباد ہوتے تھے کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کے اقوال کی پیروی کی اور اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ دیا۔“
(النہ قبل التذوین: ص ۳۱۳)

بعد میں احتیاط کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی سے حدیث نبوی ﷺ سنتے تو اس سے قسم لینے کے بعد اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے۔ آپؐ کا اپنا بیان ہے:

”میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ جتنا نفع اس سے دینا چاہتا تھا، دیتا تھا۔ اور جب کوئی دوسرا شخص حدیث نبوی ﷺ مجھ سے بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا جب وہ قسم کھاتا تو میں اس حدیث کی

تصدیق کرتا تھا۔“

منافقین اور دشمنانِ اسلام نے موضوع احادیث کا جو طوفان اٹھایا تھا اس کے مٹانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو کوششیں شروع کی تھیں وہ یقیناً بار آور ہوئیں۔ مگر انہی لوگوں نے ۴۰ھ میں آپؐ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ تاریخِ اسلام کا بڑا سخت المیہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ لیکن آپ کے بعد دوسرے صحابہؓ اور ان کے تربیت یافتہ تلامذہ جو درجہ ہر اسلامی شہر میں تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر علم و فضل کے جلیل القدر مناصب پر فائز تھے وہ سب کے سب آگے بڑھے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی ترویج و اشاعت میں منہمک ہو گئے اور وضائیں کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور ایک ایک موضوع روایت کو جرح و تعدیل کے اصول کی چھلنی سے چھان کر پھینک دیا۔

خود آزمائی ②

- ۱- سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں حدیث سنت کی اشاعت اور ترویج میں جو عوامل کار فرما رہے ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔
- ۲- عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حدیث و سنت کی ترویج کے حوالہ سے جو کام ہوا۔ اس پر اپنے الفاظ میں تبصرہ کیجئے۔
- ۳- عمر فاروقؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو روایت حدیث کی وجہ سے قید کیا تھا۔ اس بارے میں آپ کا کیا موقف ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کیجئے۔
- ۴- سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں حدیث و سنت سے متعلق روایات کو مزید پھیلنے کا موقع ملا۔ اس دور کے بارے میں ایک جامع مضمون قلم بند کیجئے۔
- ۵- سیدنا علیؓ کے دور خلافت میں روایت حدیث کے لحاظ سے اعتدال اور نرمی کی پالیسی اختیار کی گئی اس ضمن میں اپنی معلومات کو آسان اور سلیس زبان میں تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تنقید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العیش
- (۳) الجرح والتعديل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الأصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للإمام البخاری
- (۷) الکامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغالبۃ فی معرفۃ الصحابة لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنة ومکاتبها فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنة قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السياسية فی العهد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد ابو زہرہ
- (۲۰) ضخی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ②

حدیث کا دوسرا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

55	یونٹ کا تعارف
56	یونٹ کے مقاصد
57	① حدیث کا دوسرا دور
58	1.1 اسلامی فتوحات کی وسعت
59	1.2 حضرت ابوالدرداءؓ کی درس گاہ
61	1.3 مدینہ منورہ
62	1.4 صفہ اور اصحاب صفہ
63	1.5 مکہ مکرمہ
63	1.6 کوفہ
64	1.7 بصرہ
64	1.8 شام
66	1.9 مصر
67	1.10 اخذ حدیث کے لئے سفر
69	② عہد صحابہ میں کتابت حدیث
69	2.1 کتابت حدیث کی ترغیب
71	2.2 دور صحابہ کے مخطوطات
74	③ تدوین حدیث اور تابعین
74	3.1 تابعین اور صحابہ کی ہم آہنگی
75	3.2 کتابت حدیث سے اجتناب

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے دوسرے دور سے ہے۔ کسی بھی علم اور فن کے اصول اور مآخذ و مراجع تک رسائی کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شرح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ کیلئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھرپور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں ازبر ہونی چاہیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇨ حدیث کی ترویج و اشاعت میں اسلامی فتوحات کی وسعت کے پہلو پر بحث کر سکیں۔
- ⇨ دمشق، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں علم حدیث کی اشاعت کیلئے جو حلقے قائم ہوئے ان پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇨ کوفہ، بصرہ، شام اور مصر میں جن صحابہ کی وجہ سے حدیث کی روایات پھیلیں۔ ان کا جائزہ لے سکیں۔
- ⇨ عہد صحابہ میں حدیث کے جو مجموعے تیار ہوئے ان مجموعوں کی نشاندہی کر سکیں۔
- ⇨ کتابت حدیث کے جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے تابعین اور صحابہ کرام کی پالیسی واضح کر سکیں۔
- ⇨ تدوین حدیث کے لئے عمر بن عبدالعزیز کی خدمات پر ایک جامع مضمون قلم بند کر سکیں۔

① حدیث کا دوسرا دور

خلفائے راشدین روایت حدیث میں نہایت سختی سے ”تثبت“ پر عمل کرتے تھے۔ تثبت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس طرح حدیث سنی ہے بعینہ انہی الفاظ اور حرکات و سکنات کی پابندی کے ساتھ اس کی روایت کی جائے۔ تثبت کے لیے حفظ، ضبط اور اتقان لازمی اجزا ہیں۔ امام زہری کی روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے ایک شخص کے سامنے حدیث بیان کی اس شخص نے اس حدیث کو سمجھنے کے لیے کوئی سوال کیا۔ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

”هو كما حدثك، أى أرض تقلنى اذا أنا قلت ما لم أعلم.

(تذكرة الحفاظ ج ۱ - ص ۱۵۳)

”حدیث جس طرح میں نے بیان کی ہے اسی طرح ہے۔ اگر میں ایسی بات کروں جو میرے علم میں نہیں تو کوئی زمین میرا بوجھ برداشت کرے گی۔“

حضرت عمرؓ بھی تثبت پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ایک رہنما اصول وضع کیا تھا اسی اصول پر دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ وہ اصول یہ ہے:

”من سمع حديثا فحدث به كما سمع فقد سلم“

”جس نے کوئی حدیث سنی اور جیسی سنی ویسی ادا کی تو وہ محفوظ رہا۔“

حضرت عثمانؓ بھی شیخین کے اصول پر عمل کرتے تھے اور تثبت کی ہدایت فرماتے تھے۔ اگرچہ آپؓ صحابہ گو روایت کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے حدیث نبوی ﷺ کی اشاعت میں کافی حصہ لیا اور آپؓ نے لوگوں کو حدیث حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ ساتھ ہی تثبت کی بھی ہدایت فرماتے تھے تاکہ حدیث کی اشاعت صحیح طریقے سے ہو۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:

”اذا حدثكم عن رسول الله ﷺ حديثا فلأن آخر من السماء“

”أحب اليّ من أن أكذب عليه“۔ (مسند الامام أحمد: ج ۲- ص ۳۵)

”میں آسمان سے گر کر چور چور ہونے کو ترجیح دیتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کروں۔“

خلفائے راشدین کے بعد دیگر صحابہؓ اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین اور تبع تابعین نے بھی تثبت کے التزام کو قائم اور حدیث و سنت کی صیانت اور حفاظت اسی طرح کی جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کی۔ ذیل میں اس پہلو سے متعلق بنیادی معلومات پیش کی جا رہی ہیں۔

1.1 اسلامی فتوحات کی وسعت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا سلسلہ روز بروز بڑھنے لگا اور اللہ جل شانہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

”اللہ جل شانہ کا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو ایمان پر قائم رہیں گے اور عمل صالح کرتے رہیں گے کہ وہ انہیں اس زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح کہ اس نے ان اہل ایمان کو (خلافت) عطا کی تھی جو ان سے پہلے گزرے ہیں، وہ انہیں اپنے پسندیدہ دین پر چلنے کی توفیق اور صلاحیت عطا کرے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔“

چنانچہ پورا ملک شام (اردن، فلسطین، لبنان اور سوریہ) اور پورے کا پورا عراق ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ ۲۱ھ میں فارس اسلامی ریاست میں شامل ہوا، ۵۶ھ میں مسلمان سمرقند پہنچ گئے۔ اور ۹۳ھ میں اندلس مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ ان فتوحات کے نتیجے میں مفتوح ممالک کے باشندے بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور

ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت پیش آئی۔ خلفائے وقت نے ان کی تعلیم و تربیت اور کتاب و سنت کی اشاعت کے پیش نظر علماء اور فقہاء کو ان مفتوح ممالک میں بھیجا۔ ان حضرات نے مختلف علاقوں میں جا کر اپنے اپنے حلقے قائم کئے اور تعلیم و تدریس کے ذریعہ اصلاح و ارشاد کا کام کیا۔

صحابہ کرام جہاں جاتے وہاں کے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور صفات کے بارے میں دریافت کرتے۔ عقیدت و ارادت اور فرط جذبات کی وجہ سے ان کی مجلس میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے اس طرح متعدد علاقوں میں صحابہ گرام کی وجہ سے جو حلقے اور مرکز قائم ہوئے بعد میں کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں ان مراکز نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ عام طور سے ان حضرات کی درس گاہیں مسجدوں میں قائم ہوتی تھیں۔ عموماً دس دس طلبہ کا ایک حلقہ بنایا جاتا تھا اور ہر حلقہ میں ایک عریف (Class Senior) مقرر کیا جاتا تھا۔ تمام حلقوں کی نگرانی ہر حلقہ کا عریف کرتا تھا اور تمام عریفوں کی نگرانی ”صحابی“ خود کرتے تھے جو محراب میں کھڑے رہتے تھے۔ ذیل میں اس نظام تعلیم کے حوالہ سے حضرت ابو الدرداءؓ کی درس گاہ کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

1.2 حضرت ابو الدرداءؓ کی درس گاہ

”ان ابا الدرداء الذي توفي سنة ٣٢هـ، كان إذا صلى الغداة في جامع دمشق اجتمع الناس للقراءة عليه. فكان يجعلهم عشرة عشرة، وعلى كل عشرة عريفا، ويقف هو في المحراب يرمقهم بصره، فاذا غلط أحدهم رجع إلي عريفهم، وإذا غلط عريفهم رجع إلي أبي الدرداء فسأله عن ذلك“. (تهذيب التاريخ الكبير لابن عساكر الدمشقي: ج ١ - ص ٦٩)

”ابو الدرداءؓ (۳۲ھ) جب جامع دمشق میں فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو لوگ ان سے پڑھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو الدرداءؓ نے دس

دس طلبہ کی جماعت بندی کی تھی اور ہر ایک جماعت میں ایک عریف انہیں طلبہ میں سے مقرر کرتے تھے۔ اور خود مسجد کے محراب میں کھڑے ہو کر سب کی نگرانی کرتے تھے۔“

جب کوئی طالب علم غلطی کرتا تو اپنے عریف سے پوچھتا اور جب عریف کو اشکال ہوتا تو وہ ابوالدرداء کی طرف رجوع کرتا۔

ایک دفعہ حضرت ابوالدرداءؓ نے طلبہ کا شمار کر دیا تو سولہ سو سے زیادہ طلبہ کی تعداد ظاہر ہوئی جس کی شہادت ذیل کی روایت سے ملتی ہے:

”روی مسلم بن مشکم: قال لی أبو الدرداء: أعدد من یقرأ عندی القرآن فعددتهم بأمره ألفا وستمائة نيفاء، وكان لكل عشرة مقرئ، وأبو الدرداء علیهم قائما، اذا احکم الرجل منهم تحول إلى أبي الدرداء.“

”مسلم بن مشکم کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالدرداءؓ نے کہا: جتنے طلبہ میرے ہاں قرآن پڑھ رہے ہیں ان کی گنتی کر لو۔ میں نے طلبہ کا شمار کیا تو سولہ سو سے کچھ زیادہ تھے اور ہر دس طلبہ پر ایک قاری (معلم) ہوتا تھا اور ابوالدرداءؓ ان سب کے نگران تھے جب ان طلبہ میں سے کوئی پختہ کار ہو جاتا تو آخری تعلیم کے لیے ابوالدرداءؓ کے قریب جاتا۔“

حضرت ابوالدرداءؓ کی طرح دوسرے صحابہؓ بھی مختلف شہروں میں درسگاہیں تھیں جن میں قرآن اور سنت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان صحابہؓ سے تعلیم حاصل کر کے ہر مفتوحہ ملک اور شہر میں ان کے شاگردوں کا ایک مستند طبقہ پیدا ہوا جو حدیث و سنت کے بڑے حامی اور محافظ بنے اس طبقہ کو اصطلاح میں ”تابعین“ کہتے ہیں۔ صحابہؓ کی درسگاہوں کے لیے آج کل کی طرح بڑی بڑی عمارتیں نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ مساجد میں اللہ تعالیٰ

کی عبادت بھی اپنے اوقات میں کی جاتی تھی اور یہیں قرآن و حدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جس کی وجہ سے تعمیر پر اضافی اخراجات نہیں ہوتے تھے۔ صحابہ کرام اپنے دل و دماغ کو قرآن و سنت کے علوم سے معمور رکھتے تھے اور انہی سرچشموں سے طلبہ کو سیراب کرتے تھے۔ یہ علمی مراکز جو مختلف شہروں میں قائم ہو گئے اب ہم اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کریں گے۔

3.1 مدینہ منورہ

مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ اور بیشتر صحابہ کا مقام ہجرت تھا۔ آپ ﷺ کی زیادہ تر احادیث کو اسی شہر میں پھیلنے کا موقع ملا۔ استخراج اور استنباط کا کام بھی زیادہ تر یہیں ہوا۔ مہاجر صحابہ مدینہ منورہ میں رہنے کو پسند کرتے تھے اور کوئی یہاں سے دوسرے علاقوں میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی ریاست کا مرکز اور خلفائے راشدین کے عہد میں ”دار الخلافہ“ بنا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام یہاں کے قیام کو ترجیح دیتے تھے تاکہ یہاں کی برکات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں۔ مگر جب ریاست کو انہیں مدینہ سے باہر بھیجنے کی ضرورت پیش آتی یا تعلیمی و معاشی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ مدینہ سے باہر جاتے۔ مدینہ منورہ کے ساتھ صحابہ کرام کی عقیدت و ارادت کے بارے میں ابن سعد طبقات میں محمد بن عمر سے روایت کرتے ہیں:

”لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ رَجَعَ إِلَى مَكَّةَ“

”ہم اہل بدر کے مہاجرین میں سے کسی کو نہیں جانتے ہیں جو مکہ واپس گئے

ہوں۔“

مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بدری مہاجر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ واپس نہیں گیا۔ مدینہ میں جن صحابہ کو قرآن، حدیث اور استنباط کے مجال میں عبور تھا ان کی تعداد کافی تھی جن میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نمایاں تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کتاب اور سنت کے احکام سے فہم اور اصابت رائے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ زید بن ثابتؓ کی رائے سے برابر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت

عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے عہد میں زید بن ثابتؓ قضا، فتویٰ، قرأت اور فرائض کے منصب پر صدر کی حیثیت سے تھے یہاں تک کہ ۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

ان جلیل القدر صحابہؓ کی تعلیم و تربیت سے ان کے شاگردوں کا مدینہ منورہ میں تابعین کا ایک ممتاز گروہ تیار ہوا جن میں چند مشہور تابعین کے نام یہ ہیں:

سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عبد اللہ ابن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، نافع مولیٰ ابن عمر۔ یہ حضرات کتاب و سنت کے ماہر اور عالم تھے، حدیث نبویؐ اور فتویٰ کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ عہد نبویؐ میں سب سے بڑی درس گاہ مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ تھی۔ جہاں شب و روز کے اکثر اوقات میں قرآن کریم اور حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

1.4 صفہ اور اصحاب صفہ

تعلیم و تربیت کے لحاظ سے صفہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ چند حضرات نے اپنی زندگی صرف عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرنے کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور آیات و روایات کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رات کو اسی چبوترے (صفہ) میں قیام کرتے تھے اور باہم مل کر یہاں آیات و روایات کا مذاکرہ کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو ۷ھ میں یمن میں اسلام لائے اور وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے۔ راتوں کو یہ حضرات عبادت کرتے ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا اسی کے پاس بیٹھ کر پڑھتے تھے اس بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے کہیں بھی جانا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے غزوہ بدر معونہ میں انہی میں سے ستر (۷۰) افراد اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا۔ ان اصحاب صفہ کی تعداد گنتی بڑھتی رہتی تھی اور مجموعی تعداد میں چار سو تک پہنچی تھی۔ شیخ احمد بن محمد البصری (م ۳۰۴ھ) نے اصحاب صفہ کے موضوع پر ایک مستقل تالیف فرمائی ہے۔ (ماخوذ از سیرت النبی ﷺ مولانا شبلی نعمانی)

1.5 مکہ مکرمہ

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ ہی میں قیام کرنے کی ہدایت کی تاکہ وہ یہاں کے لوگوں کو حلال و حرام اور کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ علم و فضل اور حسن سلوک کے لحاظ سے مشہور تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے تھے اور صحابہ کرام میں فقہ و اجتہاد کے پہلو سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے۔ آپ نے جو حلقہ قائم کیا بعد میں عبداللہ بن عباسؓ نے اسے برقرار رکھا اور اس کے فروغ اور ترویج کے لیے کام کیا۔ ابن عباسؓ کے علاوہ مکہ میں صحابہ کرام کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن السائب مخزومی، جو صحابہ کے قاری تھے۔ عتاب بن اسید، خالد بن اسید، حکم بن ابی العاص اور عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ۔ ابن عباس کے حلقہ سے جن تابعین نے استفادہ کیا اور جنہیں علم و فضل کے لحاظ سے شہرت حاصل ہوئی ان میں مجاہد، مکرّمہ اور عطاء بن ابی رباح کے نام قابل ذکر ہیں۔

1.6 کوفہ

اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں جب کوفہ کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا تو یہ جیش اسلامی کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ اس شہر کی اہمیت کی بناء پر کافی تعداد میں صحابہ کرام یہاں پہنچے اور مستقل سکونت یہاں اختیار کی۔ جن صحابہؓ نے آ کر کوفہ میں مستقل قیام کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

علی ابن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، خباب بن الارتؓ، سلمانؓ فارسی، حذیفہ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو الطفیلؓ، اور ابو جحیفہؓ۔

کوفہ میں کتاب و سنت کی تعلیم اور اشاعت کی سیادت عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل تھی۔ آپ علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ کوفہ میں آپ کو طویل عرصہ تک قیام کرنے کا موقع ملا۔ یہاں آپ نے تعلیم

وتریبت کے لیے ایک مستقل حلقہ قائم کیا۔ آپ سے جن حضرات نے استفادہ کیا اور علم و عمل کی دنیا میں شہرت پائی ان میں سے مسروق بن الاعدع، ہمدانی، عبیدہ بن عمرو سلمانی، سعد بن یزید نخعی، اور شریح بن الحارث کنذی قابل ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ نے شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا۔ حجاج کے زمانہ تک آپ اسی منصب پر فائز رہے۔ اس حلقہ کے دیگر مشاہیر میں ابراہیم بن یزید نخعی فقیہ العراق، سعید بن جبیر اور عامر بن شراحیل حدیث اور فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ علماء رجال نے انہیں حفاظ میں شمار کیا ہے۔ (اعلام الموقعین: ج ۱- ص ۲۰)

1.7 بصرہ

بصرہ میں کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس کے لیے جو مرکز قائم ہوا اس کی بنیاد حضرت انس بن مالک کی وجہ سے قائم ہوئی۔ اس شہر میں جو صحابہ تشریف لائے اور جن کی وجہ سے کتاب و سنت کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا ان میں عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں یہاں بطور والی رہے۔ ان کے علاوہ عقبہ بن غزوہ، عمران بن حصینؓ، ابو ہریرہؓ، معقل بن یسارؓ، ابوبکرؓ، عبدالرحمن بن میسرہؓ، عبداللہ بن الشحیرؓ، اور جاریہ بن قدامتہؓ نے بھی یہاں قیام کیا اور اہل بصرہ کو اپنی معلومات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔

بصرہ کے جن تابعین کو علم و فضل کے مجال میں شہرت اور مقام و مرتبہ حاصل ہوا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابو الشعثاء جابر بن زید، ققادہ بن دعامہ سدوسی، مطرف بن عبداللہ بن الشحیرؓ اور ابو ہریرہ بن ابی موسیٰ۔

1.8 شام

مسلمانوں نے جب ملک شام کو فتح کیا تو یہاں کے باشندے بہت بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ خلفائے اسلام نے ان علاقوں کی طرف خاص توجہ کی اور یہاں کے عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے

فضلاء اور فقہاء صحابہ گوروانہ کیا۔ جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ حضرت معاذؓ صحابہ کرامؓ کی صف میں اہل درجہ کے فقیہ شمار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی آپ کا انتخاب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کتاب و سنت کی تعلیم اور اشاعت کے لیے ملک شام بھیجا تھا۔ ابن سعد طبقات میں ابو مسلم خولانی سے روایت کرتے ہیں:

”دخلت مسجد حمص، فاذا فيه نحو من ثلاثين كهلا من اصحاب النسي عليه السلام، واذا فيهم شاب كحل العينين، بريق الشنايا، ساكت لا يتكلم، فاذا امتري القوم في شيء اقبلوا عليه، فسألوه، فقلت لجليس لي: من هذا؟..... قال: معاذ بن جبل“.

”ابو مسلم خولانی کہتے ہیں: میں شہر حمص (شام) کی مسجد میں داخل ہوا، وہاں تقریباً تیس ادھیڑ عمر کے صحابہ شریف رکھتے تھے جن میں سے ایک صحابی جوان نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں سرگیں اور دانت خوبصورتی کی وجہ سے چمک رہے تھے۔ یہ جوان اور حسین صحابی بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا: یہ کون ہے؟..... اس نے بتایا: یہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔“

ملک شام کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری جن صحابہؓ نے سنبھالی ان میں ایک مشہور اور نمایاں نام حضرت عبادہ بن صامتؓ کا ہے۔ آپ قرآن کے بہت اچھے قاری اور فقہ و استنباط کے ماہر تھے۔ آپ کے علاوہ ابوالدرداء انصاریؓ نے کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت عمرؓ نے ابوالدرداء کو معاذ بن جبلؓ کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان حضرات کے لیے یزید بن ابوسفیان نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو خط لکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ اہل شام کی تعلیم کے لیے معاذ بن جبلؓ، عبادہ اور ابوالدرداء کو بھیج دیا جائے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ملک شام میں علمی، فکری اور فقہی

سرگرمیوں کو بعد میں جو عروج حاصل ہوا اس کی بنیاد میں ان تینوں حضرات کی کوشش و کوش کا بہت بڑی حد تک عمل و خل نظر آتا ہے۔

شام کی طرف حضرت عمرؓ نے تعلیم و تدریس کے لیے حضرت عبدالرحمن بن غنم کو بھی بھیج دیا تھا۔ عبدالرحمن حضرت معاذ کے تلمیذ خاص تھے اور ان سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ شریصل بن حسنہ اور فضل بن عباسؓ نے بھی کتاب و سنت کی تعلیم اور اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ شام کے مختلف مراکز سے جو تابعین مستفید ہوئے اور بعد میں جنہوں نے علم کی ترویج میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

ابو ادریس خولانی، قبیصہ بن ذویب، کھول بن ابو مسلم دمشقی، اور جابر بن عیوہ۔

مصر

مصر کا علاقہ جب فتح ہوا تو یہاں کے باشندے بھی بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے یہاں آ گئی۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے والد فاتح مصر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن عمرو کو چونکہ کتابت حدیث کی اجازت حاصل تھی اس لیے آپ کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو چونکہ لکھتے تھے اس لیے ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کی اپنے والد کے انتقال کے بعد بھی یہیں کے ہو رہے۔ عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ مصر میں جن صحابہؓ نے قیام فرمایا ان کے نام یہ ہیں:

عقبتہ بن عامر الجعفی، خالد بن حذافہ، عبید اللہ بن سعید بن ابی ہریرہ، حمید بن جریج، عبداللہ بن الحارث بن جابر، ابو نصرہ غفاری، ابوسعید الخیرؓ اور معاذ بن انس الجعفی۔

مصر میں صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں تابعین کی جو جماعت تیار ہوئی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ابوالخیر مرشد بن عبداللہ البیزنی، انہوں نے ابویوب انصاری، ابونصرہ غفاری اور عقبہ بن عامر الجہنی سے روایات اخذ کیں۔

یزید بن ابی حبیب، انہوں نے مصر کے بیشتر صحابہ سے روایت کی ہے لیکن ان کی وہ روایات جو مؤلفات میں پھیل گئی ہیں زیادہ تر تابعین سے ہیں۔ آپ بنیادی طور پر ”بربر“ قبیلے سے تھے لیکن نشوونما مصر میں پائی تھی۔

1.10 اخذ حدیث کے لیے سفر

بشر بن عبداللہ حضرمی کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کے لیے شہروں شہروں سواری پر سوار ہو کر سفر کیا کرتا تھا تا کہ وہ حدیث جن جن رواۃ کے پاس ہے ان سے براہ راست سن سکوں۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

ابوالعالیہ کہتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے حدیث براہ راست سننے کے لیے سفر کرتے تھے ان کی خدمت میں پہنچ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبر)

سعید بن المسیب کہتے ہیں: میں صرف ایک ایک حدیث کی خاطر کئی کئی دن اور رات سفر کرتا رہا ہوں۔ (معرفۃ علوم الحدیث للامام الحاکم)

امام شعبی نے ایک مرتبہ یہ حدیث ((ایما رجل کانت عنده ولیدة فعلمها فأحسن تعلیمها، وأدبها فأحسن تادیبها، واعتقها فتزوجها فله اجران.....)) اپنے شاگردوں کو سنائی اور پھر کہا: ”اس حدیث کو بغیر کسی عوض کے حاصل کر لو۔ یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے حصول کے لیے طلبہ مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے۔“ امام شعبی کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں حدیث کے رواۃ مسافرتیں طے کر کے حدیث کے حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ جاتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین کا مشہور قول ہے۔ آپ نے فرمایا: ”چار لوگوں سے بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک محلہ کا چوکیدار، دوسرا قاضی کا منادی (آواز دینے والا)، تیسرا محدث کا بیٹا، اور چوتھا وہ شخص جو اپنے شہر میں بیٹھ کر حدیث لکھتا ہے اور اس کی طلب و جستجو میں سفر نہیں کرتا۔“ (معرفۃ علوم الحدیث)

سنت کی حفاظت کے لیے مختلف ممالک اور شہروں کا کٹھن سفر ہمارے اسلاف کا بہت بڑا علمی جہاد تھا۔ انہوں نے اپنی بلند ہمتی، ایثار نفسی اور جفاکشی سے حدیث کے سننے اور جمع کرنے کی خدمات انجام دے کر وہ اعلیٰ مثال قائم کی ہے جس کی شمع کی روشنی میں متاخرین علماء کا مزین ہوئے اور تدوین حدیث کے لیے منتشر قیمتی سرمایہ کو جمع کر دیا۔ ہمارے اسلاف نے روایات کے سننے اور جمع کرنے کے لیے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کیا۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ بعض شہروں میں صحابہؓ کی کثرت کی وجہ سے حدیث کا ذخیرہ زیادہ تھا۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ اور شام، اس لیے دوسرے علاقوں کے علماء اور زواۃ حدیث ان شہروں کا رخ کرتے تھے۔ اور یہاں کے معاملات، عبادات، قضایا اور احکام میں ان شہروں کے علماء سے استفادہ کرتے تھے۔

خود آزمائی ①

- ۱- دور صحابہ میں اسلامی فتوحات کی وسعت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت کا کام بہت تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ اس بارے وضاحت کیجئے۔
- ۲- دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ نے جو درگاہ قائم کی تھی اس درگاہ کی بنیادی خصوصیت پر بحث کیجئے۔
- ۳- مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت کا کیا انتظام تھا۔ وضاحت کیجئے۔
- ۵- مکہ مکرمہ اور کوفہ میں حدیث کی اشاعت میں جن حضرات نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کا تذکرہ کیجئے۔
- ۶- بصرہ، شام اور مصر کے مراکز حدیث پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔ علماء حدیث اخذ حدیث کیلئے دور دراز کا سفر کیوں کرتے تھے۔ اس بارے میں بنیادی اسباب کا جائزہ لیجئے۔

② عہد صحابہؓ میں کتابت حدیث

2.1 کتابت حدیث کی ترغیب:

(۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے انہیں فرائض صدقات لکھ کر دیئے تھے اور یہ فرائض صدقہ رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: ان ابا بکر کتب لہم ان ہذہ فرائض الصدقة التي فرض رسول الله ”ابوبکر صدیقؓ نے ان کو لکھ کر دیا کہ یہ وہ فرائض صدقہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے۔“

(۲) عمرو بن سفیان کہتے ہیں کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: قِيدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ (تقید العلم: ص ۸۸) ”علم (حدیث) کو قلم بند کر لیا کرو“۔ یہ روایت بھی منقول ہے کہ: وجد ابن عمر في قائم سيف أبيه صحيفة (الكفاية: ص ۳۵۴) ”ابن عمر نے اپنے والد کی تلوار کے نیام میں ایک صحیفہ پایا تھا“۔

(۳) حضرت علیؓ طلب علم اور کتابت علم کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا: من يشتري مني علما بدرهم ”کون ہے جو مجھ سے ایک درہم کی عوض علم خرید لے“..... مطلب یہ کہ ایک درہم کا کاغذ خرید کر اس میں روایات ضبط کر لے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: تزاودوا واكثروا مذاكرة الحديث، فان لم تفعلوا يندرس الحديث ”باہم ملتے رہو اور روایات کا مذاکرہ کرتے رہو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ روایات ذہنوں سے اتر جائیں گی۔“

مسند امام احمد میں طارق ابن شہاب کی روایت ہے:

”رأيت عليا على منبر يخطب سيفه من حديد سمعته يقول:

والله ما عندنا كتاب نقرأه عليكم الا كتاب الله تعالى وهذه

صحيفة أعطانيها رسول الله ﷺ فيها فرائض الصدقة“

”میں نے منبر پر حضرت علیؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ان کی کمر میں تلوار تھی جس کا قبضہ لوہے کا بنا ہوا تھا اس وقت وہ فرما رہے تھے: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا ایسی کتاب نہیں ہے جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں۔ یہ وہ صحیفہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اس میں صدقہ کے احکام درج ہیں۔“

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے: ما كنا نكتب في عهد رسول الله ﷺ إلا الاستخارة والشهادة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱- ص ۱۱۵) ”ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں استخارہ اور قنار کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھتے تھے۔“

(۵) حضرت حسن بن علیؓ اپنے بیٹوں اور بھتیجیوں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے:

تَعْلَمُوا تَعْلَمُوا، فَإِنَّكُمْ صَغَارُ قَوْمِ الْيَوْمِ، تَكُونُونَ كِبَارَهُمْ غَدًا، فَمَنْ لَمْ يَحْفَظْ مِنْكُمْ فَلْيَكُتِبْ (الكفاية - ص ۲۲۹)

”تم پڑھو اور خوب دل لگا کر پڑھو آج تم قوم کے چھوٹے لوگوں میں سے ہو کل قوم کے بڑوں میں شمار ہو گے۔ تم میں جو زبانی یاد نہیں کر سکتا اسے چاہئے کہ اپنے پاس لکھ لیا کرے۔“

(۶) حضرت عائشہؓ نے اپنے بھتیجے عروۃ بن الزبیر سے کہا:

يَا بَنِيَّ اِبْلَغْنِي اَنْتِ كِتَابَ الْحَدِيثِ، ثُمَّ تَعَوَّدْ فَنَكْتِبْهُ، فَقَالَ لَهَا اَسْمَعُهُ مِنْكَ عَلَيَّ شَيْءٍ ثُمَّ اَعُوذُ فَاَسْمَعُهُ عَلَيَّ غَيْرُهُ، فَقَالَتْ: هَلْ تَسْمَعُ فِي الْمَعْنَى خِلَافًا؟ قَالَ: لَا. قَالَتْ: لَا بِأَسْ بِذَلِكَ.

(الكفاية - ص ۲۰۵)

”بیٹو! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مجھ سے حدیث لکھتے ہو۔ پھر دوبارہ اسی حدیث

کو لکھتے ہو۔ عروہ نے جواب دیا: آپ سے حدیث سنتا ہوں۔ پھر دوبارہ اسی حدیث کو دوسری سند سے سنتا ہوں تو لکھ لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کیا تم کو دونوں روایتوں کے مفہوم میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ عروہ نے جواب دیا: نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: پھر کوئی مضائقہ نہیں۔“

(۷) حضرت ابو ہریرہؓ نے بشیر بن نہیک کو ان سے حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کی اجازت دی اور ایک روایت میں بشیر کہتے ہیں:

أتيت أبا هريرة بكتابي الذي كتبته، قرأته عليه، فقلت: هذه سمعته منك؟ قال: نعم. (طبقات ابن سعد - ج ۲، ص ۱۶۲)

”میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس روایات کا وہ مجموعہ لے کر آیا جو میں نے آپ سے سن کر لکھ لیا تھا۔ میں نے اس کی روایات پڑھ کر آپؓ کو سنائیں اور ان سے پوچھا: یہی وہ روایات ہیں جو میں نے آپ سے سنی تھیں! آپؓ نے فرمایا: ہاں۔“

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس کئی منخطوط تھے۔ فضیل بن حسن بن عمر بن امیہ ضمری اپنے والد حسن بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے پاس ایک حدیث بیان کی۔ ابو ہریرہؓ کے ذہن سے وہ حدیث اتر گئی تھی۔ میں نے کہا: یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا: اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھے بہت سے منخطوط دکھائے جن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات درج تھے۔ ایک منخطوط میں وہ حدیث مل گئی جو ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا: میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ حدیث اگر آپ نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس درج ہوگی۔

2.2 دور صحابہ کے منخطوطات

حضرت ابن عباسؓ نے کتاب وسنت کی تعلیم کے لیے باقاعدہ حلقہ قائم کیا تھا۔ آپ اپنے شاگردوں کو

پڑھاتے اور لکھواتے بھی تھے ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس تختیاں ہوتی تھیں جن پر وہ لکھواتے بھی تھے۔ آپ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے: قیدوا العلم بالکتاب..... ”علم (روایات) کو لکھ لیا کرو۔“

ابن عباسؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کریب بن ابی مسلم کا بیان طبقات ابن سعد میں مولیٰ بن عقبہ سے مروی ہے:

وضع عندنا کریب بن ابی مسلم مولیٰ عبد اللہ بن عباس حمل
بعیر من کتب ابن عباس (طبقات ابن سعد: ج ۵، ص ۲۱۶)
”ہمارے پاس عبد اللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب بن ابی مسلم نے ابن
عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک بار شتر تھیں۔ یعنی ایک اونٹ جس قدر
بوجھ اٹھا سکتا ہے۔“

حضرت انسؓ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے:

یا بنی قیدوا العلم بالکتاب
”علم (حدیث) کو قلم بند کر لیا کرو۔“

حضرت انسؓ اپنے شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے جب شاگردوں کی تعداد بڑھ جاتی تو آپ کتابوں کا
مجموعہ لاکر سامنے ڈال دیتے اور کہتے تھے:

هذه احادیث سمعتها وکتبتها عن رسول الله ﷺ وعرضتها
عليه. (تقیید العلم: ص ۹۵، ۹۶)

”یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھی تھیں اور آپ
کے سامنے پیش کی تھیں۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ صغیر
کے علاوہ ہے جس کا ذکر امام مسلم نے کتاب الحج میں کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۴۱)

صحیفہ جابر کا ذکر ابن سعد نے صحابہ کے ترجمے میں کیا ہے۔ مجاہد اسی صحیفہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔
قنادہ بن دعامہ سدوسی (م ۱۱۸ھ) اس صحیفہ کے متعلق کہتے ہیں کہ جابر بن عبد اللہ کا صحیفہ مجھے سورۃ البقرۃ سے
زیادہ زبانی یاد ہے۔ (طبقات ابن سعد: ج ۵- ص ۴۳۳)

ایک روایت میں ہے کہ قنادہ سلیمان الیشکری سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور سلیمان الیشکری
کے پاس جابر بن عبد اللہ کی کتاب تھی اس لیے احتمال ہے کہ سلیمان نے صحیفہ جابر کو نقل کر لیا ہو کیونکہ وہ جابر بن
عبد اللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ سلیمان الیشکری جابر بن عبد اللہ کی صحبت میں
رہے ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبد اللہ کا حلقہ درس تھا۔ جس میں آپ شاگردوں کو حدیث
لکھواتے تھے۔ ان سے کافی تعداد میں لوگوں نے حدیث لکھی ہے۔ مثلاً وھب بن منہب، ابوالزبیر، ابوسفیان، اور
شعیبی نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے ان کی زیادہ تر روایات صحیفہ سے منقول ہیں۔ شعیبی کہتے ہیں کہ: میں
نے جابر بن عبد اللہ کا پورا صحیفہ ان ہی سے سن لیا ہے۔ (المحدث الفاصل: ص ۹۱)

حضرت سمرۃ بن جندب (م ۶۰ھ) نے ایک مخطوط تیار کیا تھا جس میں بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں ان
احادیث کی روایت ان کے بیٹے سلیمان نے کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ج ۴- ص ۱۹۸)

ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ وہی رسالہ ہو جسے سرہ نے اپنے بیٹے کے پاس بھیجا تھا جس کے متعلق محمد بن سیرین
لکھتے ہیں کہ سرہ نے اپنے بیٹے کو جو رسالہ بھیجا تھا اس میں بہت ساری روایات تھیں۔

یہ تمام آثار جو ایک دوسرے کی مؤید ہیں ثابت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے خود
انہوں نے اپنے لیے احادیث لکھیں اور ان کے شاگردوں نے بھی ان کے سامنے احادیث لکھیں اور دوسروں کو
کتابت حدیث اور حفظ حدیث کی ہدایت کرتے رہے جیسا کہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، حسن بن علیؓ اور انس بن
مالکؓ سے ثابت ہے۔

③ تدوین حدیث اور تابعین

3.1 تابعین اور صحابہ کی ہم آہنگی:

تمام تابعین نے صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا ان سے برابر ملتے جلتے رہے۔ ان کی صحبت کو نعمت سمجھا۔ ان سے ہر چیز معلوم کی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کا ذخیرہ انہی سے اور انہی کے طریقے سے حاصل کیا۔ اور یہ بھی انہی سے معلوم کیا کہ حدیث کی کتابت کی ممانعت کب تھی۔ اور اس کی اجازت کب دے دی گئی۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری اقتدا کی جس طرح تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں۔

تابعین نے کتاب و سنت کی تعلیم صحابہ کرامؓ سے حاصل کی اور اس کے مطالب و معانی بھی انہی سے اخذ کئے اس لیے یہ فطری بات تھی کہ تدوین حدیث کے متعلق تابعین کا رویہ بھی وہی ہو جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ اس لیے جن اسباب و عوامل کی بناء پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کو کتابت حدیث میں تردد اور ہچکچاہٹ تھی بعینہ وہی عوامل کتابت حدیث میں تابعین کے پیش نظر تھے۔ اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ اور تابعین کا موقف ایک تھا۔ جب تک کتابت حدیث کی کراہت کے اسباب موجود تھے تابعین کتابت حدیث سے اجتناب کرتے رہے اور جب وہ اسباب زائل ہو گئے تو کتابت حدیث کے جواز بلکہ استحباب اور پھر وجوب پر اجماع ہو گیا اور تدوین حدیث پر اصرار کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک تابعی سے کتابت حدیث کے متعلق دو مختلف خبریں ملتی ہیں۔ ایک خبر میں ممانعت پائی جاتی ہے اور دوسری میں جواز کی خبر ہوتی ہے۔ اور تابعین کے مختلف طبقے کبار، واسط اور صغار سے کتابت حدیث کی مخالفت میں بھی اور اس کی اجازت میں بھی روایات ملتی ہیں۔ کبار تابعین میں عبیدہ بن عمرو السلمي المرادی (م-۲۷ھ)، ابراہیم بن یزید التیمی (م-۹۲ھ) جابر بن یزید (م-۹۳ھ) اور ابراہیم نخعی (م-۹۳ھ) کتابت حدیث کے قائل نہ تھے۔ یہ سب کے سب حدیث کو حفظ کے ذریعہ محفوظ اور ضبط کرتے تھے اور اپنی قوت حافظہ سے روایت کرتے تھے۔ عبیدہ بن عمرو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان سے حدیث لکھے یا ان کے سامنے لکھی ہوئی حدیث پڑھے۔ ابراہیم نخعی بھی اس کو نامناسب سمجھتے تھے کہ حدیثیں کاپیوں میں لکھی

اجائیں۔ اور وہ آیات کے مشابہ بن جائیں۔ (سنن الدارمی: ج ۱- ص ۱۲۱) آپ کہا کرتے تھے: ما کتبت شیئا (تقیید العلم: ص ۶۰)..... ”میں نے کچھ نہیں لکھا“۔

یہاں تک کہ انہوں نے اپنے شاگرد حماد بن ابی سلیمان کو اطراف حدیث کی کتابت سے بھی روک دیا۔ بعد میں ابراہیم نخعی نے اطراف حدیث کی کتابت کی مخالفت ترک کر دی۔ ابن عون کہتے ہیں: میں نے حماد کو ابراہیم نخعی کی مجلس میں حدیث لکھتے ہوئے دیکھا۔ ابراہیم نے حماد سے کہا: کیا میں نے تمہیں کتابت حدیث سے منع نہیں کیا ہے؟ حماد نے جواب دیا: یہ اطراف ہیں۔

عالم شرعی (م ۱۰۳ھ) کا مشہور قول ہے۔ آپ کہتے تھے:

”ما کتبت سؤداء فی بیضاء ولا سمعت من رجل حدیثا فاردت

أن یعدا لہ لہی“

”میں نے روشنائی سفید کاغذ پر کبھی استعمال نہیں کی اور نہ میں نے کسی شخص سے

حدیث سن کر یہ خواہش کی ہے کہ وہ دوبارہ مجھے سنادے۔ مطلب یہ کہ ایک بار

حدیث سن کر یاد ہو جاتی ہے۔“

3.2 کتابت حدیث سے اجتناب:

تابعین نے کتابت حدیث سے اجتناب اس وقت شروع کیا جب انہوں نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق

جو شخص آراء ظاہر کی جاتی ہیں اور تشریح و تعبیر کے ضمن میں اقوال پیش کئے جاتے ہیں طلبہ ان آراء و اقوال کو بھی

حدیث کے ساتھ لکھتے جاتے تھے اور ان سے دوسرے طلبہ اپنے ہاں نقل کرتے تھے۔ اس طرح کے طریقہ عمل سے

حدیث اور رائے میں التباس اور تشابہ کے پیدا ہو جانے کا اسی قسم کا اندیشہ تھا جس طرح صحابہ کرام کے دور میں

قرآنی آیات اور روایات کو ایک جگہ لکھنے میں التباس کا خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ تابعین میں سب کے سب

صرف محدث ہی نہ تھے بلکہ ان میں اکثر حضرات محدث ہونے کے علاوہ فقہ کا درجہ بھی رکھتے تھے اس لیے وہ

حدیث کے الفاظ و کلمات اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی رائے اور اجتہاد بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے

اجتہاد کو لکھتے اور لکھواتے بھی تھے۔ سعید بن المسیب، جو اپنے دور کے کبار فقہاء میں شمار ہوتے تھے ان کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ ابن المسیب نے جواب میں حدیث لکھوا دی۔ پھر اسی شخص نے ابن المسیب سے اس مسئلہ میں ذاتی رائے معلوم کی۔ جب انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد پیش کی تو اس شخص نے وہ بھی اپنے پاس نوٹ کر لی۔ اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے ابن المسیب سے پوچھا: کیا آپ نے اس شخص کو حدیث کے ساتھ اپنی رائے لکھنے کی اجازت دی ہے؟..... ابن المسیب نے جواب دیا: نہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص سے وہ کاغذ لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (جامع بیان العلم: ص ۱۴۴)

جابر بن زید سے کہا گیا کہ آپ کے شاگرد آپ کی رائے بھی لکھتے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کیا اور کہا: آپ لوگ احادیث کے ساتھ میری رائے بھی لکھتے ہیں۔ حالانکہ میری رائے میری رائے ہے۔ ممکن ہے کل میں اس سے رجوع کر لوں۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۳۱)۔

3.3 تابعین کتابت کے قائل تھے

اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین عمومی لحاظ سے کتابت حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حدیث کے ساتھ آراء و اقوال کو شامل کرنے سے گریز کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تابعین کتابت حدیث کے قائل تھے اور اپنے شاگردوں کو حدیث کی کتابت کی ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرام کے حلقوں میں جا کر ان کی روایات بڑے اہتمام اور انہماک کے ساتھ لکھتے رہتے تھے۔ سعید بن جبیر (م-۹۵ھ) ابن عباسؓ سے حدیث لکھتے تھے۔ جب سارا کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھ لیتے تھے اور پھر کاغذ پر نقل کر لیتے تھے۔ (تقیید العلم: ص ۱۰۲)

سعید بن جبیر کہتے ہیں: میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے پاس آتا جاتا تھا اور ان دونوں سے حدیث لکھتا تھا اور کبھی اونٹ کے پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا اور جب اونٹ پر سے اترتا تو کاغذ پر نقل کر لیتا تھا۔ (تقیید العلم: ص ۱۰۳)

سعید بن المسیب کی خدمت میں عبدالرحمن بن حرمہ نے جب اپنی قوتِ حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو انہوں نے کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی۔ (جامع بیان العلم: ج ۱- ص ۲۳)

رفتہ رفتہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ اتنا وسیع ہو گیا کہ لکھی ہوئی قلمی کتابیں بکثرت ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئیں۔ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) نے ایک موقع پر کہا: ”ہمارے پاس اتنی کتابیں جمع ہو گئی ہیں کہ اب ہمیں ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔“ (جامع بیان العلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) بھی حدیث لکھا کرتے تھے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں: ایک دن عمر بن عبدالعزیز ظہر کی نماز کے لیے باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ پھر عصر کی نماز کے لیے باہر آئے تو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ میں نے پوچھا: امیر المؤمنین! یہ کیا کاغذ ہے؟..... آپ نے جواب دیا: عمن بن عبد اللہ نے مجھ سے حدیث بیان کی مجھے پسند آئی میں نے اسے لکھ لیا ہے۔ (السنن للامام الدارمی)

ان تمام روایات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز میں کتابتِ حدیث کا رواج عام ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے مخطوطات بلا و اسلامیہ میں بکثرت پھیل گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجاہد بن جبر (م ۱۰۳ھ) نے اپنے شاگردوں کو اجازت دی کہ وہ ان کے مکان کے بالا خانہ پر جا کر وہاں سے ان کی کتابیں اتار لائیں اور ان سے نقل کر لیں۔ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے عامل کو لکھا کہ وہ رجا بن حیوۃ (م ۱۱۲ھ) سے حدیث دریافت کریں۔ اس موقع پر رجا نے کہا:

كنت قد نسيت لولا أنه كان عندی مكتوبا (سنن الدارمی: ج ۱،

ص ۲۹)

”میں یہ حدیث بھول گیا ہوتا اگر یہ میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی۔“

عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) حدیث خود لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی ان کی مجلس میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ آپ اپنے طلبہ کو پڑھنے اور لکھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے۔ ابو حکیم احمدانی کہتے ہیں: میں عطاء بن ابی رباح کے پاس ہوتا اور دوسرے طلبہ بھی ہوتے تھے۔ آپ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے: بچو! آؤ اور

لکھو۔ تم میں جو اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہم اس کے لیے لکھ کر دیں گے۔ اور جس کے پاس کاغذ نہ ہو ہم اسے کاغذ بھی دیں گے۔ (سنن الدارمی: ج ۱ ص ۱۲۹)

اسی طرح علمی ذوق لوگوں میں بڑھتا گیا۔ حدیث کی کتابیں بھی زیادہ ہونے لگیں۔ علماء کے پاس لکھی ہوئی روایات علمی حلقوں میں پڑھی جانے لگیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ولید بن السائب کہتے ہیں: میں نے کھول، نافع اور عطاء سے طلبہ کو لکھی ہوئی احادیث پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (الکفایہ: ص ۱۶۳)

عبداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو دیکھا، وہ ابوداؤد عبدالرحمن بن ہریرہ (م ۱۱۷ھ) سے لکھی ہوئی احادیث جو ابو ہریرہؓ کی مرویات تھیں پڑھ رہے تھے۔ شاگرد نے پوچھا: اے ابوداؤد! کیا یہ آپ کی بیان کردہ روایات ہیں؟ (اعرج نے کہا: ہاں)۔ (طبقات ابن سعد: ج ۵ ص ۲۰۹)

نافع (م ۱۱۲ھ) اپنے طلبہ کو حدیث لکھواتے تھے اور ان کے شاگردان کے سامنے لکھتے تھے۔ قتادہ بن دعامة سدوسی (م ۱۱۸ھ) سے کسی نے حدیث کی کتابت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا:

ما يمنعک ان تکتب وأخبرک اللطیف الخیر، أنه یکتب قال: علمها عند ربی فی کتاب ولا یضل ولا ینسی۔ (تقیید العلم)

”تمہیں لکھنے سے کون روکتا ہے؟ خدا نے لطیف و خیر نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ لکھتا ہے اس کا ارشاد ہے: علمها عند ربی فی کتاب“

خالد بن معدان الکلابی النخعی (م ۱۰۴ھ) نے اپنی روایات کو کتابی صورت میں محفوظ رکھا تھا۔ ابو کلابہ عبداللہ بن زید (م ۱۰۴ھ) نے وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابیں ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) کو دے دی جائیں جو ان کے شاگرد تھے۔ جب یہ کتابیں ایوب سختیانی کے پاس پہنچیں تو ایک اونٹ کا بار (بو جھ) تھیں۔ اس کا کرایہ ایوب نے دین درہم ادا کیا۔ (طبقات ابن سعد: ج ۵ ص ۲۱۶)

عروۃ بن الزبیرؓ نے فرمایا: میں نے حدیث لکھی پھر اسے مٹا دیا۔ پھر مجھے یہ بات محسوس ہوئی کہ میں مال

اور اولاد کو فدا کر دیتا مگر حدیث کو نہ مٹاتا۔ یوم حرہ کے موقع پر آپ کی جو کتابیں جلادی گئیں ان کے بارے میں آپ بہت پریشان رہتے تھے اور فرماتے تھے: ”کاش میرے اہل و عیال کے بدلے میری کتابیں میرے پاس ہوتیں۔“ (جامع بیان العلم: ج ۱، ص ۲۱)

امام محمد باقر بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ) کے پاس کتابیں تھیں۔ ان سے ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق نے بعض کتابوں کی سماعت کی تھی اور بعض کتابوں کو ان سے بالاتزام پڑھا تھا۔ (تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۱۰۴)

مکمل دمشق کے پاس کئی مخطوطات تھے۔ (فہرست ابن الندیم: ص ۳۱۸)

حکم بن عتبہ کے پاس بھی روایات کے مکتوبہ مجموعے تھے۔ (مقدمۃ جرح و تعدیل: ص ۱۳۰)

بکیر بن عبداللہ الأشج (م ۱۱۲ھ) جو مدینہ کے عالم کہلاتے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی روایات کے ذخائر تھے جو ان کے بیٹے مخرمہ بن بکیر کو ملے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ص ۱۹۰)

قیس بن سعد کی (م ۱۱۲ھ) کے پاس کتابیں تھیں جو حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ) کے پاس منتقل ہو گئیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ج ۵، ص ۱۴۱)

امام زہری کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جن کی نقل ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کو کرا دی تھی جب ولید قتل ہوا تو یہ سب کتابیں ولید کی الماریوں سے ایک چھکڑے پر لاد کر دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں۔ (کشف الظنون: ص ۲۰)

3.4 صحیفہ صحیحہ (صحیفہ ہمام بن منبہ)

ہمام بن منبہ (م ۱۳۱ھ) کبار تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ حضرت ابو ہریرہؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ان سے بکثرت احادیث سن کر لکھ لی تھیں۔ ان احادیث کا املاء حضرت ابو ہریرہؓ نے کرایا۔

اور ایک یا چند صحیفوں میں جمع کرایا تھا۔ اس مجموعہ کا نام آپ نے ”الصحيفة الصحيحة“ رکھا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے صحیفہ ہمام کے دو مخطوطے حاصل کر کے اسے شائع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس صحیفہ کا ایک مخطوطہ دمشق سے اور دوسرا برلن (جرمنی) سے ملا۔ ان دونوں مخطوطوں میں بالکل مطابقت تھی۔ اس طرح ہمام بن منبہ کی کتاب صحیفہ صحیحہ کا کامل نسخہ من وعن ہم تک پہنچ گیا۔ ہمام بن منبہ نے اپنا یہ صحیفہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات سے پہلے ان سے سن کر لکھا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۹ھ میں واقع ہوئی۔ لامحالہ یہ صحیفہ جو علمی و دینی وثیقہ ہے پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں لکھا گیا۔ پھر ہمام سے معمر بن راشد یمنی اور معمر بن راشد سے امام عبدالرزاق الصنعانی نے اخذ کیا۔ اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ صحیفہ نقل ہوتا رہا۔ اس صحیفہ میں ایک سواڑ میں روایات ہیں۔ یہ ساری روایات امام احمد بن حنبل کی مسند میں ”مسند ابو ہریرہؓ“ کے تحت اسی ترتیب کے ساتھ منقول ہیں جس ترتیب کے ساتھ اس صحیفہ میں آئی ہیں۔

④ تدوین حدیث اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

4.1 تدوین حدیث کی ضرورت

پہلی صدی ہجری کے اواخر تک صحابہ گرام اور تابعین کی کوشش و کوشش سے حدیث کے مکتوبہ اجزاء کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ مگر یہ ذخیرہ منتشر اور مختلف اہل علم کے حلقوں تک محدود تھا۔ ان سب منتشر مکتوبہ اجزاء کو اکٹھا کرنے اور ان کو باقاعدہ طور پر سرکاری اخراجات سے شائع کرنے کا خیال سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کو ہوا۔ ۹۹ھ میں آپ کو خلافت کی ذمہ داری دے دی گئی۔ آپ خود حدیث و فقہ کے ماہر تھے۔ علمی فضا میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ علمائے حدیث کے حلقوں میں شریک ہوتے تھے اور نہایت متدین اور معتدل مزاج تھے۔ آپ نے حدیث نبوی ﷺ کی صورت حال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ تقریباً تمام صحابہ اور کبار تابعین وفات پا چکے ہیں اور اہل ہوا و بدعت نیز سیاسی جماعتوں اور فرقوں نے اپنے منشاء اور مقصد کو پورا کرنے کے لیے احادیث کثرت سے وضع کر لی ہیں اور کر رہے ہیں۔ اور عرب و عجم کے اختلاط اور باہمی ازدواج سے جو نئی نسل نمودار ہوئی ہے وہ حفظ و ضبط حدیث میں خالص عربوں کے حفظ و ضبط کے مقابلہ میں کمزور واقع ہوئی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے حدیث نبوی ﷺ کی تدوین کا مصمم ارادہ کیا۔ آپ کے دور میں جو اکابر تابعین تھے وہ حدیث کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو علماء نے آپ کی تائید کی اور آپ کو ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ اس دور میں وضع حدیث کے فتنے کا تذکرہ کرنے کے لیے علماء انفرادی طور پر مساعی میں مصروف تھے۔ جب حکومت کی طرف سے اس ضمن میں آواز بلند ہوئی تو علماء کے حوصلے بڑھ گئے۔ ابن شہاب زہری کے بھائی کا بیان ہے کہ میں نے ابن شہاب زہری کو یوں کہتے ہوئے سنا: اگر مشرق (عراق) کی طرف سے ایسی حدیثیں نہ آتیں جن کے ہم سب منکر ہیں تو میں حدیث نہ لکھتا اور نہ اس کی کتابت کی اجازت دیتا۔ (تقیید العلم: ص ۱۰۸)

4.2 عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث:

امام زہری کی یہ رائے اس دور کے بیشتر علماء کی رائے کے موافق تھی کیونکہ ان علماء کو جس قدر حدیث کے

ضائع ہونے کا خیال تھا اسی قدر حدیث کو ”کذب“ اور ”وضح“ سے بچانے کا بھی خیال تھا۔ ان دو بڑے عوامل نے علماء امت کو خدمت حدیث اور کتب حدیث پر آمادہ کر دیا اور ان ہی عوامل نے عمر بن عبدالعزیز کو سرکاری طور پر حدیث کے جمع کرنے، لکھوانے اور اس کی اشاعت پر مستعد اور تیار کر دیا۔ آپ نے اپنی مملکت کے تمام علاقوں کے عاملوں کے نام حکمنامہ بھیجا۔ ابونعیم تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں:

”ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی اهل الآفاق: انظروا الی حدیث

رسول اللہ ﷺ فاجمعوه“۔ (تقیید العلم: ص ۱۰۸)

”عمر بن عبدالعزیز نے تمام ولایت کے نام خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایات کو تلاش کرو اور انہیں جمع کرو“۔

آپ نے اہل مدینہ کو لکھا:

”انظروا حدیث رسول اللہ ﷺ، فاكتبوه، فانی خفت دروس

العلم وذهاب أهله“ (فتح الباری: ص ۲۰۴)

”رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو دیکھو اور اس کو لکھو۔ مجھے علم (حدیث) کے جاننے والوں کے چلے جانے اور اس علم کے مٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔“

حاکم مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم (م ۱۱۲ھ) کے نام پر حکم نامہ بھیجا:

”أكتب إلي بما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله ﷺ،

وبحديث عمرة، فانی خشيت دروس العلم وذهابه“۔ (سنن

الدارمی: ج ۱، ص ۱۲۶)

آپ کے پاس جو صحیح اور ثابت روایات ہیں انہیں لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔

عمرة بنت عبدالرحمن کے پاس جو ذخائر تھے وہ بھی میرے پاس بھیج دو۔ مجھے اس

علم (حدیث) کے ضائع ہونے اور اس کے حاملین کے دنیا سے اٹھ جانے کے

باعث ایک خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حاکم مدینہ کو یہ بھی لکھا تھا:

”أَنْ يَكْتُبَ لِي الْعِلْمَ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَالْقَاسِمِ بْنِ

مُحَمَّدٍ فَكْتُبْ إِلَيْهِ“۔ (مقدمة الجرح والتعديل: ص ۱۲۶)

”عمر بن عبدالعزیز کے لیے عمرہ بنت عبدالرحمن (م ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن

ابی بکر (م ۷۰ھ) کی روایات لکھ کر بھیج دو۔ حاکم مدینہ نے ان دونوں کی

احادیث خلیفہ کے لیے لکھوا کر بھیج دیں۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے خط میں یوں لکھا:

”أَنْي خَفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ، وَذَهَابَ الْعُلَمَاءَ، وَلَا تَقْبَلُ إِلَّا حَدِيثَ

النَّبِيِّ ﷺ، وَلِيَفْشُوا الْعِلْمَ، وَلِيَجْلِسُوا حَتَّى يَعْلَمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ

الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سَرًّا“۔ (فتح الباری: ج ۱، ص ۲۰۴)

”مجھے علم (حدیث) کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ تم

وہی روایت قبول کرنا جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو لوگوں کو چاہئے کہ علم

(حدیث) کی اشاعت کریں اور اس کے لیے حلقے قائم کریں تاکہ حدیث کو نہ

جاننے والا اس کو جان لے۔ علم اس وقت مٹتا ہے جب وہ پوشیدہ اور مخفی رہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) اور دوسرے علماء کو سنن کے جمع کرنے کا حکم

دیا۔ اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے پورے ممالک محروسہ میں ذمہ دار افراد کو سنت کی تعلیم اور اس کے احیاء اور

اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لیے حکم نامے بھیجے۔ عکرمہ بن عمار کہتے ہیں:

”أَمَّا بَعْدُ: فَأَمُرُوا أَهْلَ الْعِلْمِ أَنْ يَنْشُرُوا فِي مَسَاجِدِهِمْ فَإِنَّ السَّنَةَ

كَانَتْ قَدْ أُمِيتَتْ“۔ (المحدث الفاضل: ص ۵۳)

اہل علم کو بتاؤ کہ وہ اپنی اپنی مسجدوں میں علم (حدیث) کی اشاعت کریں کیونکہ

سنت پر عمل روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔“

عمر بن عبدالعزیز حدیث کی اشاعت کے لیے علماء کی مجالس میں شریک ہوتے اور احادیث کے مناقشے میں حصہ لیتے تھے۔ ابوالزناد عبداللہ بن زکوان القرشی کہتے ہیں:

رأيت عمر بن عبدالعزیز جمع الفقهاء، فجمعوا له أشياء من السنن، فإذا جاء الشيء الذي ليس العمل عليه قال: هذه زيادة، ليس العمل عليها. (قبول الأخبار: ص ۳۰)

”میں نے عمر بن عبدالعزیز کو دیکھا انہوں نے فقہاء کو جمع کیا جنہوں نے سنن سے متعلق کچھ روایات فراہم کی تھیں۔ اس میں اگر کوئی روایت ایسی ہوتی جس پر عمل نہیں ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے۔ یہ روایت اضافی ہے اس پر عمل نہیں ہے۔“

حضرت عمر بن العزیز نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں تمام اکابر تابعین، علماء اور فقہاء سے تعاون حاصل کیا۔ اس بارے میں آپ نے جن اہم شخصیات کی معلومات، تجربات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

4.3 ابوبکر بن حزم

آپ مدینہ منورہ کے حاکم، قاضی اور موسم حج کے سربراہ تھے۔ اپنے دور کے علماء میں علم و فضل کے لحاظ سے بہت مقبول اور معروف تھے۔ امام مالک بن انس کہتے ہیں: ”میں نے ابوبکر بن حزم جیسا شخص نہیں دیکھا ہے۔ آپ مروت اور کردار کے پیکر ہیں۔ مدینہ منورہ میں ”قضا“ کا علم رکھنے والا ابوبکر بن حزم جیسا کوئی نہیں ہے۔“ (تہذیب التہذیب: ج ۱۲، ص ۳۹)

ابوبکر بن حزم کے دادا عمرو بن حزم جلیل القدر صحابی اور بحرین کے حاکم تھے۔ انہیں رسول اکرم ﷺ نے ”کتاب الصدقة“ لکھوا کر دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو حدیث جمع کرنے کے لیے لکھا اور یہ ہدایت کی کہ عمرہ بنت عبدالرحمن کے پاس حدیث کی جو روایات تھیں وہ بھی لکھ کر ارسال کر دیں۔

4.4 عمرۃ بنت عبد الرحمن

عمرۃ بنت عبد الرحمن ابوبکر بن حزم کی خالہ تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ طبقہ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے پاس روایات کا معقول ذخیرہ تھا۔ اس لیے عمر بن عبد العزیز نے بطور خاص حاکم مدینہ کو آپ کی روایات ارسال کرنے کی ہدایت کی تھی۔

4.5 قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق (م۔ ۱۰۷ھ)

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے۔ بچپن میں یتیم ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے یتیم بچے کو اپنے آغوش میں لیا اور خوب تربیت کی۔ آپ اپنے دور کے مشہور و معروف فقیہ تھے۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: ”حضرت عائشہؓ کا علم تین لوگوں کے پاس رہا۔ قاسم بن محمد، عروۃ بن الزبیر اور عمرۃ بنت عبد الرحمن (کے پاس)۔“

14.6 ابن شہاب زہری

آپ کا پورا نام ابوبکر محمد بن مسلم ہے۔ اپنے دور کے ”اعلام“ میں سے تھے۔ طالب علم ہوتے ہوئے ”سنن“ اور ”قضايا“ لکھ لیا کرتے تھے۔ ابوالزناد کہتے ہیں: ”ہم صرف حلال اور حرام کے مسائل لکھا کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔ جب امام زہری کی ضرورت پیش آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ أعلم الناس (سب سے بڑے عالم) ہیں۔“

امام زہری کے متعلق امام مالک فرماتے ہیں:

”كان الزهري إذا دخل المدينة، لم يحدث بها أحد من العلماء حتى يخرج منها، وأدركت بالمدينة مشايخ أبناء سبعين وثمانين لا يؤخذ عنهم، ويقدم ابن شهاب وهو دونهم في السن فيزدحم عليه، وكان يقول: بقي ابن شهاب وماله في الدنيا نظير. (مقدمة كتاب الجرح والتعديل: ص ۲۰)

”زہری جب مدینہ میں آتے تھے تو کوئی شیخ وہاں اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرتا جب تک زہری وہاں سے چلے نہ جاتے۔ میں نے مدینہ منورہ میں ستر اور اسی برس کی عمر والے مشائخ کو اس حال میں دیکھا کہ طلبہ ان کی طرف دھیان نہیں دیتے بلکہ ابن شہاب زہری کی مجلس میں جاتے تھے۔ حالانکہ زہری عمر کے لحاظ سے کم تھے۔ زہری کے پاس طلبہ کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ امام مالک کہتے ہیں: اب ابن شہاب ہی رہ گئے ہیں دنیا میں اب ان جیسی شخصیت کوئی نہیں ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کی اہم خدمت کے لیے امام ابن شہاب زہری کو مامور کیا۔ امام زہری اس ضمن میں کہتے ہیں:

”أمرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفترًا دفترًا فبعث إلى أرض له عليها سلطان دفترًا“۔ (جامع بيان العلم: ص ۷۶)
 ”عمر بن عبدالعزیز نے سنن کو جمع کرنے کے لیے ہمیں ذمہ داری دی۔ ہم نے سنن کو کاپیوں میں لکھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی ریاست میں جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک کاپی بھیج دی۔“

اسی بناء پر کہا جاتا ہے:

”أول من دَوَّن العلم ابن شهاب“۔ (جامع: ص ۲۶)

ابن شہاب زہری خود کہتے تھے:

لم يدوّن هذا العلم أحد قبل تدويني۔ (تدريب: ص ۴۰)

”اس علم (حدیث) کو میری تدوین سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا۔“

ابن شہاب زہری کی تدوین دراصل سرکاری طور پر تدوین حدیث کی ابتدائی خدمت تھی ورنہ اس سے

پہلے انفرادی طور پر دور رسالت اور عہد صحابہ و تابعین میں حدیث کے حفظ کرنے، پڑھنے پڑھانے اور حدیث کو قلم بند کرنے اور روایت کے ذریعہ نشر و اشاعت کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

آپ اس بارے میں اب تک ضروری مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں بعد کے ادوار میں جو خدمات علماء نے انجام دیں۔ ان کا مطالعہ آئندہ یونٹوں میں آپ کریں گے۔ ان شاء اللہ!

خود آزمائی ②

- ۱۔ صحابہ کرام اپنے شاگردوں کو حدیث لکھنے کی ترغیب کیوں دیتے تھے۔ اس ضمن میں متعلقہ روایات جمع کر دیں۔
- ۲۔ دور صحابہ کے اہم مخطوطات کا تذکرہ کیجئے اور بتائیے کہ یہ مخطوطات کس طرح وجود میں آئیں۔
- ۳۔ تابعین اور صحابہ کی پالیسی کتابت حدیث کے لحاظ سے کیوں ایک جیسی رہی۔ ان کی اس پالیسی کے اسباب و عوامل کی نشاندہی کیجئے۔
- ۴۔ تابعین کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کتابت حدیث کے قائل تھے۔ اس بارے میں آپ کا کیا موقف ہے۔ وضاحت کیجئے۔
- ۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کی طرف کیوں توجہ دی۔ بنیادی اسباب بیان کیجئے۔
- ۶۔ ابو بکر بن حزم، عمرۃ بنت عبدالرحمن، قاسم بن محمد اور ابن شہاب زہری کا مختصر تعارف کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
- (۳) الجرح والتعدیل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الاصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للامام البخاری
- (۷) الکامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنۃ ومکاتبہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد ابو زہرۃ
- (۲۰) ضحی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ ③

حدیث کا تیسرا دور ①

تحریر ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

93	یونٹ کا تعارف
94	یونٹ کے مقاصد
95	① حدیث کا تیسرا دور
96	1.1 مسانید کی ابتدا
97	1.2 مسند کی پہلی کتاب
98	1.3 دوسری صدی ہجری کی تالیفات
101	1.4 دوسری صدی ہجری کے کبار محدثین
103	② دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال کے اثرات
107	2.1 وضع حدیث کے ثبوت کے قرآن
108	2.2 طبقات رواۃ حدیث
109	2.3 اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر اثر
110	2.4 اہل کلام اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل
112	2.5 تیسری صدی ہجری اور صحاح ستہ
113	2.6 صحاح ستہ کی تدوین

003154

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے تیسرے دور سے ہے۔ کسی بھی علم اور فن کے اصول و مصادر اور مآخذ و مراجع تک رسائی کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں، لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کیلئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھرپور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں از بر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث کے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇨ دوسری صدی ہجری میں حدیث کے ارتقائی مراحل پر بحث کر سکیں۔
 - ⇨ مسانید کے آغاز کے اسباب و عوامل بتاتے ہوئے ابتدائی مسانید کی نشاندہی کر سکیں۔
 - ⇨ دوسری صدی ہجری میں حدیث کے موضوع پر جو تالیفات ہوئیں۔ ان کی وضاحت کر سکیں۔
 - ⇨ دوسری صدی ہجری کے کبار محدثین کے ناموں کی فہرست تیار کر سکیں۔
 - ⇨ دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال کی تبدیلی کی وجہ سے حدیث کی اشاعت پر جو اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ لے سکیں۔
 - ⇨ طبقاتِ رواۃ پر روشنی ڈال سکیں اور اس فن کی اہمیت بتا سکیں۔
 - ⇨ اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلافات کو مد نظر رکھ کر اس موضوع کا تجزیہ کر سکیں۔

① حدیث کا تیسرا دور

دوسری صدی ہجری کے پہلے سال عمر بن عبدالعزیز نے دو سال پانچ ماہ خلیفۃ المسلمین رہنے کے بعد وفات پائی۔ اس مختصر سی مدت میں آپ نے امام زہری کے تعاون سے سرکاری طور پر تدوین حدیث کی ابتداء کی اور حدیث کا کافی ذخیرہ مرتب کیا۔ آپ نے روایات کو کاپیوں میں لکھوا کر انہیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔ امام زہری کی تدوین کا منصوبہ پوری طرح مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے کہ حدیث کا تمام ذخیرہ امام زہری کے پاس نہیں تھا۔ تابعین اور اکابر محدثین کی اچھی خاصی تعداد دور دراز کے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی ان تک رسائی اور روایات کے حصول کے لیے کئی برس درکار تھے۔ اگر عمر بن عبدالعزیز چند سال مزید حیات رہتے تو یقیناً وہ تدوین حدیث کے ضمن میں اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے اور یہ کام آپ کے دور خلافت میں مکمل ہو جاتا۔ لیکن آپ کے انتقال کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تدوین حدیث کی ابتداء کی وجہ سے کتابت حدیث کی تحریک علماء حدیث میں تیز ہو گئی۔ پہلے علمائے حدیث مختلف احادیث تدوین و تبویب کے بغیر صحیفوں اور بیاضوں میں جمع کرتے تھے۔ اب انہوں نے روایات کو ابواب کے تحت جمع کرنا شروع کیا ان کی کتب ”سنن“ اور متعلقات سنن پر مشتمل ہوتی تھیں۔ جن کا نام بعض نے ”ابواب“، بعض نے ”مصنف“ اور بعض نے ”جامع“ وغیرہ رکھا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے کس نے ترتیب و تبویب کے ساتھ کتاب لکھی۔ اس ضمن میں بلاد اسلامیہ کے مختلف مقامات سے تعلق رکھنے والے علماء حدیث کے نام ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے:

(۱) مکہ میں امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی (م ۱۵۰ھ)

(۲) مدینہ منورہ میں امام مالک بن انس (۹۳-۱۲۹ھ)

(۳) مدینہ منورہ میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)

- (۴) مدینہ منورہ میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذعب (۸۰-۱۵۸ھ)
- (۵) بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (۲-۱۵۶ھ)
- (۶) بصرہ میں ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ)
- (۷) بصرہ میں حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ)
- (۸) کوفہ میں امام سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ)
- (۹) یمن میں امام معمر بن راشد (۹۵-۱۵۳ھ)
- (۱۰) شام میں امام عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ)
- (۱۱) خراسان میں امام عبداللہ بن مبارک (۱۱۸-۱۸۱ھ)
- (۱۲) واسطہ میں ہشیم بن بشیر (۱۰۴-۱۸۳ھ)
- (۱۳) مصر میں عبداللہ بن وہب (۱۲۵-۱۹۷ھ)

پھر انہی علماء کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے ہم عصر علماء نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ اس دور کی اکثر کتابیں ”مؤلف“ اور جامع کہلاتی ہیں۔ البتہ جلیل القدر تابعی عامر بن شریل شعی (م ۱۰۳ھ) کی کتاب ”ابواب“ کے نام سے مرتب ہوئی۔ ان تمام مصنفات اور مجموعوں میں حدیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور تابعین کے فتاویٰ اور قضایا بھی جمع کروائے جاتے تھے۔ اور علماء کے اقوال بھی درج کئے جاتے تھے۔

1.1 مسانید کی ابتدا

دوسری صدی ہجری کے وسط میں بعض علمائے حدیث نے احادیث کو جداگانہ طور پر خاص ”مؤلف“ میں جمع کرنے کی بنیاد ڈالی اور ”مسانید“ کے نام سے کتابیں مرتب کرنا شروع کیں۔ مسانید میں انہوں نے اس بات کا التزام کیا کہ صرف احادیث کو درج کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام اور تابعین کے فتاویٰ، قضایا اور اقوال کو نقل کرنا چھوڑ دیا۔ مسانید میں علماء حدیث نے حدیث کے لکھنے کا اس طرح اہتمام کیا کہ ایک صحابی سے جس قدر احادیث مختلف مضامین کی ہیں اسی کی روایت سے لکھیں۔ پھر دوسرے صحابی سے اس کی تمام روایات تحریر کیں۔

ان مسانید میں کسی نے حروفِ تہجی کے لحاظ سے صحابیؓ کے نام کے پہلے حرف کا اعتبار کر کے ترتیب وار صحابہؓ کی مسند روایات کو جمع کیا۔ اور کسی نے صحابہؓ کے اسلام لانے کے زمانے کا خیال کر کے اول اور پھر اول صحابی کی مسانید کو جمع کیا۔ خواہ مختلف موضوع اور مضمون کی حدیثیں ایک صحابیؓ کی مسند میں جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ ان مسانید سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ تمام حدیثیں احاطہ تحریر میں آ گئیں لیکن مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ ایک ہی مضمون مثلاً صلاۃ کی حدیثیں مختلف صحابہؓ کی مرویات میں جدا جدا پھیل گئیں جن سے استفادہ علماء حدیث ہی کر سکتے ہیں۔ عام مطالعہ کرنے والوں کو ایک ہی مضمون کی حدیثیں تلاش کرنے میں پوری کتاب پڑھنی پڑتی ہے۔ بہر حال مسانید کی تالیف بھی احادیثِ نبویؐ کی حفاظت و صیانت میں بہت مدد اور معاون ثابت ہوئی ہے۔ نیز ان مسانید میں ہر حدیث کے متعدد طرق کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعہ سے اس علم کے ماہرین صحیح حدیث کو ضعیف سے اور قوی کو معلول سے معلوم کر لیتے ہیں۔

1.2 مسند کی پہلی کتاب

سب سے پہلے جس نے ”مسند“ کے نام سے کتاب تالیف کی وہ ابو داؤد سلیمان بن جارود طرابلسی (۱۳۲-۲۰۴ھ) ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے معاصرین نے جو تبع تابعین اور آخذین کے طبقہ سے تھے مسند لکھنے میں امام طرابلسی کی پیروی کی۔ اس ضمن میں چند اہم کتب کے نام درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مسند اسد بن موسیٰ اموی المعروف بأسد السنۃ (م ۲۱۲ھ)

(۲) مسند عبید اللہ بن موسیٰ العبسی (م ۲۱۳ھ)

(۳) مسند مسد بن مسرہ بصری (م ۲۲۸ھ)

(۴) مسند نعیم بن حماد خزاعی بصری (م ۲۲۸ھ)

(۵) مسند امام احمد بن محمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ)

(۶) مسند اخلق بن راہویہ (۱۶۱-۲۳۸ھ)

(۷) مسند عثمان بن ابی شیبہ (۱۵۶-۲۳۹ھ)

1.3 دوسری صدی ہجری کی تالیفات:

دوسری صدی ہجری کے وسط تک تدوین حدیث کا کام زور و شور سے جاری ہو گیا تھا۔ اس دور میں تقریباً ہر شیخ کے پاس اپنی کتاب ہوتی تھی جس میں مختلف موضوعات پر روایات درج ہوتی تھیں۔ جو حضرات خود تالیف کا کام نہیں کر سکتے تھے وہ دوسروں کی تالیف کردہ کتابیں اپنے پاس رکھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اس دور کی جن کتابوں کا تذکرہ مصادر میں ملتا ہے یہاں مختصر اُن کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

- (۱) یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔ (المحدث الفاضل: ص ۹۴)
- (۲) زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ): آپ کے پاس تفسیری روایات پر مشتمل ایک صحیفہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۱۲۴)
- (۳) موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ): آپ کے پاس نافع مولیٰ ابن عمرؓ کی روایات کتابی شکل میں موجود تھیں۔ (الکفایۃ: ص ۲۶۶)
- (۴) اشعث بن عبد الملک الحرانی (م ۱۴۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو سلیمان البصری نے حاصل کیا تھا اور انہوں نے اس کی روایت کی۔ (المحدث الفاضل: ص ۱۳۶ھ)
- (۵) عقیل بن خالد بن عقیل (م ۱۴۲ھ): آپ امام زہری کے شاگرد ہیں۔ امام زہری سے آپ نے خوب استفادہ کیا اور روایات لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ص ۲۶۶)
- (۶) یحییٰ بن سعید انصاری (م ۱۴۳ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو حماد بن زید کو ملا۔ اور انہی کی روایت سے متداول ہوا۔ (مقدمۃ الجرح والتعديل: ص ۱۷۸)
- (۷) عوف بن ابی جمیلۃ العبدي (م ۱۴۶ھ): آپ نے اطراف حدیث پر کام کیا۔ آپ نے امام حسن بصری کی روایات قلم بند کیں۔ اطراف پر آپ نے جو کام کیا تھا وہ یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) کے پاس محفوظ رہا۔ (تہذیب التہذیب: ج ۸، ص ۱۶۷/مقدمۃ الجرح والتعديل: ص ۲۳۶)

- (۸) امام جعفر صادق بن محمد باقر (۸۰-۱۴۸ھ): آپ کے پاس رسائل، روایات کے مجموعے اور نسخے تھے۔
(تہذیب: ج ۲، ص ۱۰۴)
- (۹) یونس بن یزید بن ابی النجاد (۱۵۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔ اس مجموعہ کے بارے میں
عبداللہ بن المبارک کا کہنا ہے کہ اس کی روایات صحیح اور قابل استدلال تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱،
ص ۴۵۰)
- (۱۰) عبدالرحمن بن عبداللہ بن عتبہ مسعودی (۱۶۰ھ): آپ کے پاس روایات کے کئی مجموعے تھے۔ یہ
مجموعے شعبہ کے پاس رہے۔ (مقدمۃ الجرح والتعديل: ص ۱۴۵)
- (۱۱) زائدة بن قدامة (۱۶۱ھ): آپ کے پاس حدیث کی کئی کتابیں تھیں۔ یہ کتابیں آپ نے تصدیق
کے لیے امام سفیان ثوری کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ روایات کی صحت و سقم کی پہچان میں آپ شعبہ
بن الحجاج کے ہمسر کہلاتے تھے۔
- (۱۲) سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ): آپ اپنے دور کے بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ آپ کی ”جامع“
اولین مجموعہ ہائے حدیث میں شمار ہوتی ہے۔ بعد کے محدثین نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان
کی روایت کی۔ (فہرست ابن الندیم: ص ۳۱۵)
- (۱۳) ابراہیم بن طہمان (۱۶۲ھ): آپ کے پاس صحیح روایات پر مشتمل کتابیں تھیں۔ جن کی تصدیق عبداللہ
بن المبارک نے کی تھی۔ (مقدمۃ الجرح والتعديل: ص ۲۶۰)
- (۱۴) شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ): آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ”الغرائب“ رکھا تھا۔ بعد کے
علمائے حدیث نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان کی روایت کی۔ (الرسالة المستطرفة: ص ۸۵)
- (۱۵) عبدالعزیز بن عبداللہ الماشون (۱۶۴ھ): آپ کے پاس اپنی تالیف کردہ کتابیں تھیں۔ جن کی
روایت ابن وہب نے کی ہے۔ (الرسالة المستطرفة: ص ۸۵)

- (۱۶) عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس (م ۱۶۹ھ): آپ امام مالک کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ نے روایات کو کتابی شکل دی تھی۔ ان روایات کو آپ کے بیٹے اسمعیل بن عبد اللہ نے روایت کیا۔ (تہذیب: ج ۵، ص ۲۸۰)
- (۱۷) سلیمان بن بلال (م ۲۳۲ھ): آپ کے پاس کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا۔ آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ یہ کتابیں عبد العزیز بن ابی حازم کو دے دی جائیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۲۴۲)
- (۱۸) علی بن لھیعہ (م ۱۲۴ھ): آپ دیار مصر کے مشہور محدث ہیں۔ آپ کے پاس احادیث کا مجموعہ تھا۔ جو ”صحیفہ“ کے نام سے متداول تھا۔ علماء حدیث اس سے باقاعدہ اپنے حلقوں میں استفادہ کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۲۲۰)

- (۱۹) لیث بن سعد (۹۴-۱۷۵ھ): آپ دیار مصر کے معروف و مشہور محدث ہیں۔ روایات کے کئی مجموعے آپ نے تالیف کئے تھے۔ ان مجموعوں کا درس آپ اپنے تلامذہ کو التزام کے ساتھ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۳۹)

- (۲۰) علی بن عبد اللہ المدینی (۱۶۱-۲۳۳ھ): آپ دوسری صدی ہجری کے معروف و مشہور ناقد، رجال کے ماہر اور حدیث کے حافظ ہیں۔ امام بخاریؒ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔ اور تالیفات کیں۔ آپ کی کتابیں، رجال، غریب الحدیث، شاذ و علل حدیث پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تالیفات کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ جن میں پینتیس (۳۵) سے زیادہ کتب کا ذکر محمد بن صالح ہاشمی نے کیا ہے اور امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں متعدد کتابوں کے نام لیے ہیں۔ ہر کتاب کئی اجزاء اور بعض کتابیں تیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع: ص ۱۹۴ھ)

علی بن المدینی کا قول ہے:

”نظرت فإذا الأسناد يدور على ستة، فأهل المدينة ابن شهاب،

وأهل مكة عمرو بن دينار، وأهل البصرة قتادة بن دعامه ويحيى

بن ابی کثیر، ولأهل الكوفة ابو إسحاق عمرو بن عبد الله السبيعي، وسليمان بن مهران الأعمش، قال ابن المديني: ثم صار على هؤلاء الستة إلى أصحاب الاصناف.

”میں نے روایات کی اسناد کا تجزیہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام اسناد کی بنیاد چھ شیوخ پر ہے۔ علمائے مدینہ کی اسناد ابن شہاب زہری تک پہنچتی ہیں۔ اہل مکہ کی سند عمرو بن دینار سے چلتی ہے۔ اہل بصرہ کی بنیاد قتادہ بن دعامہ اور یحییٰ بن ابی کثیر ہیں۔ اہل کوفہ کی سند ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی اور سلیمان بن مهران الأعمش تک جاتی ہے۔ ابن المديني کہتے ہیں کہ انہی چھ شیوخ کا علم بعد کے علماء نے حاصل کیا اور مختلف اصناف و انواع سے تعلق رکھنے والے علماء نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس کی ترتیب و تدوین پر کام کیا۔“

1.4 دوسری ہجری کے کبار محدثین:

دوسری صدی ہجری میں وہ محدثین جو حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث کے علم میں بھی بہت زیادہ بصیرت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

- امام مالک بن انس (م ۱۲۹ھ)
- امام اوزاعی (م ۱۵۶ھ)
- امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)
- امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۳ھ)
- امام عبد الرحمن بن مہدی (م ۱۲۸ھ)
- یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۸۹ھ)
- امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)

- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۲ھ)
- شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ)
- امام محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۲ھ)
- امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۲ھ)
- معمر بن راشد یمنی (م ۱۵۳ھ)
- ہشام الدستوائی (م ۱۵۴ھ)
- حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ)
- لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)
- عبد اللہ بن المبارک (۱۸۱ھ)
- ہشیم بن بشیر (م ۱۸۸ھ)
- ابواسحاق فزاری (م ۱۸۵ھ)
- معانی ابن عمران موصلی (م ۱۸۵ھ)
- بشیر بن فضال (م ۲۰۴ھ)
- ابو عاصم النبیل (م ۲۱۲ھ)

خود آزمائی ①

- ۱- دوسری صدی ہجری میں حدیث کے ارتقائی مراحل سے کیا مراد ہے۔ بیان کیجئے۔
- ۲- ”مسانید“ کی تدوین کا آغاز کس دور میں ہوا۔ اس بارے میں اہم اسباب و عوامل کا تذکرہ کیجئے۔
- ۳- مسند کی پہلی کتاب کونسی ہے۔ ابتدائی دور میں جو مسانید مرتب ہوئیں۔ ان کی ایک فہرست تیار کیجئے۔
- ۴- دوسری صدی ہجری میں حدیث پر جو اہم تالیفات سامنے آئیں۔ ان تالیفات کی اہمیت پر بحث کیجئے۔
- ۵- دوسری ہجری کے کبار محدثین کون کون سے ہیں ان محدثین کی خدمات پر اپنے الفاظ میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

② دوسری صدی ہجری میں حدیث پر سیاسی احوال و ظروف کے اثرات

۱۳۲ھ میں خلافت بنو امیہ کا زوال ہوا۔ اور عباسی حکومت قائم ہوئی۔ سیاسی انقلاب کا یہ دور بہت اہم تھا جس میں ایک عرب خاندان سے دوسرے عرب خاندان میں خلافت منتقل ہوئی۔ یہ انتقال حکومت اچانک نہیں ہوا بلکہ ایک عرصہ سے انقلابی عوامل کارفرما تھے۔ پہلے سے نہایت مخفی طور پر انقلاب حکومت کی تحریک چلائی گئی تھی جو کبھی ظاہر ہو جاتی اور کبھی روپوش ہو جاتی یہ انقلابی تحریک دوسری صدی ہجری کے اوائل میں پوری منصوبہ بندی کے ساتھ شروع ہو چکی گئی۔ جس کے نتیجہ میں بالآخر بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابو العباس سفاح جو آل عباس کا رہنما تھا خلیفہ بنایا گیا اور عباسی حکومت قائم ہو گئی اور دار الخلافہ دمشق سے بغداد منتقل کر دیا گیا۔ سیاسی مخالفین کے قتل کے ساتھ ساتھ اموی خاندان کے تمام اہم افراد چن چن کر مارے گئے۔ اس موقع پر عبدالرحمن اول کسی طرح بچ گیا جو جان بچا کر بھاگا اور چھپ کر مہینوں کا سفر طے کر کے افریقہ کے راستہ سے اندلس (سپین) جا پہنچا۔ وہاں رہ کر آپ نے وہاں کے عمال اور اہل مناصب سے رابطے کئے اور ان کے تعاون سے اندلس میں ایک مستقل اموی حکومت قائم کر دی۔ اس انقلاب اور سیاسی حالات کے پیش نظر لوگوں نے روایات گھڑنا شروع کیا۔ جو لوگ بنو عباس سے خوش نہ تھے انہوں نے ان کی مذمت میں روایات وضع کیں۔ مثلاً عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر عباس کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

هذا عمی ابو الخلفاء الأربعین أجدود قریش کفا أجملها من ولده
السفاح والمنصور والمهدی. یا عمی! بی فتح الله هذا الأمر
وسیختمه برجل من ولدک“

”یہ میرے چچا چالیس خلفاء کے باپ ہیں جو سب کے سب قریش ہیں کفو کے
لحاظ سے بہتر اور حسین ہیں۔ ان کی اولاد میں سفاح، منصور اور مہدی ہوں

گے۔ اے چچا! میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس مملکت کو فتح کیا اور آپ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ اس کو ختم کر دے گا۔“

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ جب خراسان کے قریبی علاقے مفتوح ہو گئے تو عمر بن الخطابؓ رونے لگے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا: آپ کیوں رورہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کامیابی آپ کو عطا کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں کیوں نہ روؤں۔ بخدا مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ ہمارے اور ان خراسانیوں کے درمیان میں آگ کا دریا حائل ہو جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

”إذا أقبلت رايات ولد العباس من عقاب خراسان جاء وا بنفي

الإسلام، فمن صار تحت لواءهم لم تنله شفاعتي يوم القيامة“

”جب اولاد عباس کے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئیں تو خراسانی اسلام

کو مٹانے آئیں گے جو ان کے جھنڈے کے نیچے ہوگا اسے قیامت کے دن

میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔“ (یہ حدیث موضوع ہے)

جب اہل عجم کے تعاون سے عباسی حکومت قائم ہوئی تو عرب اور عجم میں باہم منافرت پیدا ہو گئی۔ اہل عرب عجمی زبان سے نفرت کرنے لگے۔ اس وقت اہل عجم نے عجمی زبان کی تعریف میں روایات گھڑنا شروع کر دیں۔ مثلاً:

”إن كلام الذين حول العرش بالفارسية، وإن الله إذا أوحى أمراً

فيه لين أوحاه بالفارسية، وإذا أوحى أمراً فيه شدة أوحاه

بالعربية“۔ (تنزيهه الشريعة المرفوعة: ج ۱، ص ۱۳۶)

”عرش کے ارد گرد جو فرشتے ہیں ان کی زبان فارسی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی

آسان بات کی وحی کرتا ہے تو فارسی میں کرتا ہے۔ اور جب کسی سخت بات کی

وحی کرتا ہے تو عربی زبان میں کرتا ہے۔“

اہل عرب نے اس کے جواب میں فارسی زبان کی تنقیص سے متعلق روایت وضع کی:

”أبغض الكلام إلى الله الفارسية، وكلام أهل النار البخارية،
وكلام أهل الجنة العربية“۔ (ایضاً)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ زبان فارسی ہے۔ دوزخیوں
کی زبان بخاری ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔“

وضع حدیث کا یہ سلسلہ محض سیاسی جماعتوں اور زبان تک نہیں رہا بلکہ رفتہ رفتہ علماء کے مناقب اور مثالب
میں بھی روایات وضع کی گئیں۔ امام ابوحنیفہ کا نسب تعلق عجم سے تھا اس لیے عجمیوں نے ان کی تعریف میں روایت
وضع کی۔ امام شافعی کا نسب تعلق عرب سے تھا ان کی مذمت کے لیے روایت گھڑ لی۔ مثلاً:

”يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس أضّر على أمتي
من إبليس، ويكون في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج
أمتي“۔ (تنزيه الشريعة المرفوعة: ج ۱، ص ۱۳۷)

”میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو محمد بن ادریس کے نام سے موسوم ہوگا
وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا اور میری امت میں ایک شخص
پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔“

”سيأتي من بعدى رجل يقال له النعمان بن ثابت، ويكنى أبا
حنيفة، ليحيين دين الله وسنتي على يديه. (تنزيه الشريعة
المرفوعة: ج ۱، ص ۱۳۲)

”میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت
ابوحنیفہ ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔“

اس قسم کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں روایات وضع کی گئیں۔ جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ دوسری

صدی کے اس حصہ میں وضع حدیث کا فتنہ ایسا پھیلا اور گھمبیر ہو گیا کہ علمائے حدیث کو اس کے خلاف پوری توانائی کے ساتھ اٹھنا پڑا۔ اور اپنی اجتماعی قوت سے پورے جوش و جذبہ اور زور شور کے ساتھ واضعین حدیث کا مقابلہ کرنا پڑا۔ علماء حدیث نے روات حدیث کے احوال اور ان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے اصول مرتب کئے جس کے نتیجہ میں ”اسماء الرجال“ نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ علم رجال کے ذریعہ علماء حدیث نے روات پر بہت وقیع کام کیا اور اس طرح ”صحیح“ اور ”سقیم“ روات کی نشاندہی پوری وضاحت کی ساتھ سامنے آئی۔

علمائے حدیث نے واضعین حدیث کے خلاف اپنی تحریک کو پورے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا اور کسی دور میں بھی اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں رہے۔ محدثین ہر موقع پر روایات گھڑنے والوں کی سرزنش کرتے اور ان کی موضوع روایات کی تشہیر کرتے رہے۔

شعبہ بن الحجاج حدیثیں گھڑنے والوں کے بہت سخت خلاف تھے وہ ان کے پاس جاتے انہیں سمجھاتے اور کہتے: خبردار! روایات گھڑنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں گرفتار کروادوں گا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں: اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح حدیث کا رواج ہی نہ ہوتا۔ مشہور محدث عبدالرحمن بن مہدی نے عیسیٰ بن میمون (واضع حدیث) کو سخت دھمکی دی تو اس نے توبہ کی اور کہا: آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ امام سفیان ثوری بھی وضاعین کے مقابلہ میں بہت تشدد سے کام لیتے تھے اور ان کے عیوب کو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ امام سفیان ثوری کے دور میں کسی کو حدیث گھڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ امام قتیبہ بن سعید کہتے ہیں: اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو تقویٰ اور خوف خدا ختم ہو گیا ہوتا۔

امام مسلم سند متصل کے ساتھ حمزہ الزیات سے روایت کرتے ہیں کہ مرہ ہمدانی نے حارث اعور کذاب سے کچھ روایات سنیں۔ حمزہ نے حارث اعور سے کہا: دروازہ پر میرا انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے اور تلوار سونت لی۔ حارث سمجھ گیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

ابن ابی بکر بن ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ جعفر بن زبیر اور عمران بن حدیر ایک ہی مسجد میں نماز

پڑھتے تھے۔ جعفر کے پاس لوگوں کا جہوم رہتا تھا اور عمران کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک دن شعبہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے۔ افسوس! لوگوں کے حال پر۔ جو شخص جھوٹا ہے اس کے پاس بھیڑ ہے۔ اور جو سچا ہے وہ اکیلے بیٹھا ہے۔ شعبہ نے جعفر بن زبیر کی حیثیت پوری طرح طشت از بام کی۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے جعفر سے استفادہ کرنا چھوڑ دیا اور عمران کے حلقے میں شامل ہوئے۔

2.1 وضع حدیث کے ثبوت کے قرائن

(۱) راوی ایسے شیخ سے روایت کرتا ہو جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس شہر میں وہ کبھی نہ گیا ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس کی وفات کے بعد راوی کی پیدائش ہوئی ہو۔ یا شیخ کی اس وقت وفات ہوئی جبکہ راوی بچہ ہو اور شیخ سے نہ ملا ہو۔ امام شعبہ بن الحجاج سے کسی نے پوچھا: آپ عثمان بن ابوالیقطان (عثمان بن عیسر) سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ شعبہ نے جواب دیا: ایسے شخص سے کیسے روایت کر سکتا ہوں جس کے پاس میں بیٹھا تھا میں نے اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا اس نے اپنا سن پیدائش بتایا۔ پھر جب روایت کرنے لگا تو ایسے شیخ سے روایت کی جو اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کا سن پیدائش، وفات، رحلات اور خاص کر ان شہروں کے نام جہاں انہوں نے قیام کیا اور استفادہ کیا ان سب باتوں کا جاننا محدثین ضروری سمجھتے تھے۔ اور یہ سب معلومات رکھتے تھے۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں: جب کسی شیخ کی حیثیت واضح نہ ہو تو تاریخ سے اس کا محاسبہ کرو۔ یعنی اس کی عمر معلوم کرو اور جن شیوخ سے اس نے استفادہ کیا ہے ان کا تاریخی دور دیکھو۔ حسان بن زید کہتے ہیں: تاریخ کے ذریعہ ہم نے جھوٹے رواۃ حدیث کی پہچان میں بڑی مدد حاصل کی ہے۔ ہم شیخ سے پوچھتے ہیں اس کی عمر کیا ہے؟..... کس سن میں اس کی پیدائش ہوئی ہے؟..... اس کے بعد اس کے اساتذہ اور اسفار کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی عمر، سفر اور شیوخ کی کڑیوں کو ملا کر معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے یا سچا!!!

(۲) راوی جو وضع اور کذب میں مشہور ہو کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہو اس کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے

اس قسم کی روایت نہ کی ہو تو ایسی روایت کو علماء حدیث صراحتاً ناقابل قبول کہتے ہیں۔ اور اس کی روایت نہیں کرتے۔

نوٹ: متین حدیث میں وضع کے عوامل و قرائن کے لیے کورس نمبر ۱، یونٹ نمبر ۱۳
”اصول درایۃ“ کا مطالعہ کیجئے۔

2.2 طبقاتِ رِوَاۃ حدیث

علماء حدیث نے صحت کے لحاظ سے رِوَاۃ حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم میں شیوخ سے براہِ راست استفادہ اور ان کے ساتھ تعلق کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی (م ۵۸۴ھ) نے امام زہری کے تلامذہ کے طبقات کی مثال دے کر سمجھایا ہے۔ اس مثال سے دوسرے شیوخ کے تلامذہ کے طبقات کے مراتب معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ امام حازمی ائمہ خمسہ کی شروط کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ کے رِوَاۃ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو اپنے بعد والے طبقہ پر فوقیت اور خصوصیت حاصل ہے۔ وہ پانچ طبقے یہ ہیں:

۱- پہلا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رِوَاۃ آتے ہیں جو ثقہ و عادل ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ اور ضابط تھے۔ امام زہریؒ کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ یہاں تک کہ سفر و حضر میں بھی ان کے ساتھ رفاقت کی۔ جیسے امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، یونس ایلی، عقیل ایلی اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہم۔

۲- دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رِوَاۃ آتے ہیں جو حافظ، ضابط اور عادل تھے لیکن امام زہریؒ کی صحبت میں کم مدت تک رہے۔ اس لیے وہ امام زہری سے زیادہ استفادہ نہ کر سکے۔ جیسے امام اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد اور عبد الرحمن بن خالد وغیرہم۔

۳- تیسرا طبقہ: یہ طبقہ ان رِوَاۃ کا ہے جو امام زہریؒ کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ لیکن حفظ و ضبط کے لحاظ سے علمائے حدیث نے ان پر جرح کی ہے۔ جیسے سفیان ابن حسن السلمی، جعفر بن برقان، عبد اللہ بن

عمر بن حفص العمری اور زمرہ بن صالح وغیرہم۔

۴۔ چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رواۃ آتے ہیں جنہیں امام زہری کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا اور حفظ و ضبط کے پہلو سے علماء حدیث نے ان کی توثیق بھی نہیں کی ہے جیسے اسحاق بن یحییٰ کلبی، معاویہ بن یحییٰ صدنی، اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ مدنی، ابراہیم بن یزید کی اور شعی بن صباح وغیرہم۔

۵۔ پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ راوی آتے ہیں جن کے ضعف پر علماء حدیث کا اتفاق ہو۔ اور وہ رواۃ بھی اس میں داخل ہیں جو مجہول الحال ہوں۔ جیسے بحر بن کنیر السقا، حکم بن عبد اللہ ایلی، عبد القدوس بن حسیب دمشقی، اور محمد بن سعید مصلوب وغیرہم۔

2.3 اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر اثر

اہل کلام سے مراد وہ علماء ہیں جو ہر چھوٹے اور بڑے دینی مسئلہ میں اپنی عقل کو دخل دینے کے قائل تھے۔ جو بات انہیں عقل کے خلاف نظر آتی تھی۔ اسے رد کر دیتے تھے۔ سب سے پہلے اہل کلام اور محدثین کے درمیان بصرہ میں اختلاف کھل کر سامنے آیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ واصل بن عطاء (م ۱۱۳ھ) جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا اور ان کے حلقہ کا مستقل رکن تھا رفتہ رفتہ اپنے شیخ امام حسن بصری کے سامنے اپنی فکر اور نظریات کی بنیاد پر بحث و تمحیص کرنے لگا۔ چونکہ واصل بن عطاء کی فکر اور سوچ امام حسن بصری اور سلف کے خلاف تھی اس لیے امام حسن بصری ان سے ناراض ہو گئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اعتزل منی ”ہم سے اپنا راستہ الگ کر دیجئے“۔ اعتزال کے معنی جدا ہونے اور دور ہونے کے ہیں اس وقت سے واصل اور ان کے پیروکاروں کا نام ”معتزلہ“ ہو گیا۔ یعنی جدا ہونے والا فرقہ۔

واصل بن عطاء کے بعد اس جماعت میں جو بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: عمرو بن عبید (م ۱۴۳ھ)، ابوالہذیل العلاف (م ۲۳۵ھ)، نظام بشیر المریسی (م ۲۱۸ھ)، عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۴۵ھ) اور ثمامہ بن اشرس۔

2.4 اہل کلام اور محدثین کے

درمیان اختلافی مسائل

اہل کلام کے اختلافی مسائل میں دو اہم مسائل ایسے تھے جو نزاع کا سبب بنے۔ ان دو اہم مسائل میں ایک مسئلہ بندوں کے افعال کا تھا اور دوسرا مسئلہ اللہ جل شانہ کی صفات کا تھا۔ بندوں کے افعال کے بارے میں معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال خود بندوں کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ جل شانہ کو بندوں کے افعال کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے اسی لیے انسان ثواب اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ انسانوں کے تمام افعال اللہ جل شانہ کے پیدا کردہ ہیں۔ انسان نہ تو پوری طرح مختار ہے اور نہ مجبور محض ہے۔ دوسرا مسئلہ جو نزاعی اور اختلافی تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تھا۔ معتزلہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قائم رہنے والا تمام صفات کے ثبوت سے منزہ ہے جیسے سمع، بصر، حیات، قدرت اور کلام وغیرہ صفات الہی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اگر اس کی صفات بھی قدیم مانی جائیں تو کئی قدیم چیزیں ہو جائیں گی۔ اس سے قدیم اشیاء کا تعدد لازم آئے گا جو محال ہے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر اور دوسری صفات الہی قدیم ہیں اور اللہ جل شانہ کی ذات سے بذاتہ قائم ہیں۔ یہ صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔

مسئلہ صفات الہی کے اختلاف کے سلسلہ میں دوسرا اختلاف جو رونما ہوا وہ قرآن کے کلام الہی کی قدامت اور حدوث کا مسئلہ تھا۔ جمہور علماء امت کا موقف تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام قدیم ہے۔ اس لیے قرآن بھی قدیم ہے۔ اس کے مقابلہ میں معتزلہ کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے حادث اور مخلوق ہے۔ جس طرح دوسری مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ قرآن کے حروف اور اصوات کو حادث جسم میں پیدا کرتا تھا جن کو نبی کریم ﷺ سماعت فرماتے تھے۔

معتزلہ عقل کو تمام دینی مباحث، عقائد اور احکام میں حکم کی حیثیت دیتے تھے یہاں تک کہ احادیث میں

بھی وہ اپنی عقل کو دخل دیتے تھے۔ جب کوئی حدیث ان کی سمجھ اور عقل کے خلاف ہوتی اور ان سے اس کی تاویل نہ ہو سکتی تو وہ اسے رد کر دیتے تھے۔ لیکن امت مسلمہ کے خوف سے تیسری صدی ہجری کے اوائل تک اعلانیہ اپنے افکار اور خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے اور خلفائے وقت بھی جمہور مسلمانوں کے جذبات کی وجہ سے معتزلہ کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب تیسری صدی ہجری کا آغاز ہونے لگا اور عباسی خلیفہ مامون الرشید نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی جس کا دور خلافت ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک تھا تو اس کے دور حکومت میں اہل کلام کو عروج حاصل ہوا۔ مامون الرشید اگرچہ کتاب و سنت کا عالم تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ معتزلہ کے افکار و نظریات کو پسند کرتا تھا۔ وہ فطرۃ بحث و مناظرہ میں آزاد پسند واقع ہوا تھا۔ اس کے دور حکومت میں حکمائے فارس اور فلاسفہ یونان کی کتابوں کے ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ بہت شوق سے کیا جاتا جس کی وجہ سے کافی لوگ عقائد اور مابعد الطبیعات کے مسائل میں عقل کو دخل دینے لگے۔ مامون الرشید نے اس فضا کو دیکھ کر اہل کلام کو بحث و مناظرہ کی پوری آزادی دے دی اور ان کی پشت پناہی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون الرشید کے دور حکومت میں اہل کلام اور محدثین کے درمیان بڑے بڑے مناظرے منعقد ہوئے اور کشمکش کی فضا تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ مامون الرشید نے مسائل میں عقائد، امامت اور بالخصوص خلق قرآن کے مسئلہ کو زیادہ اہمیت دی اور ۲۱۲ھ میں خلق قرآن کے متعلق اپنے عقیدہ کو اعلانیہ ظاہر کیا۔ اس کا خیال تھا کہ علماء اور فقہاء امت اور تمام محدثین مامون کی رائے کی پرزور تائید کریں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ظاہر ہوا۔ علماء، فقہاء، اور محدثین نے مامون الرشید پر بدعت کا الزام لگایا۔ مامون اس رد عمل کی وجہ سے طیش میں آ گیا۔ اس نے روم سے حاکم بغداد کو لکھا کہ جو علماء خلق قرآن سے متعلق اس کی رائے کے خلاف ہیں ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔ حاکم بغداد نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگوائے۔ احمد بن نصر خزاعی کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ قتل کر دیا۔ ایک جماعت کو تنوروں میں جھونک کر اور ایک جماعت کو قید خانہ میں ڈلوادیا اور بقیہ تمام محدثین کو فتویٰ، درس اور حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا۔ جب مامون الرشید کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بھائی المعتصم کو وصیت کی کہ وہ بھی خلق قرآن کے مسئلہ میں وہی روش اختیار کریں جو مامون کی ہے۔ چنانچہ المعتصم نے بھی اپنے دور حکومت میں تمام معلمین کو ہدایت کی کہ وہ خلق قرآن کے مسئلہ

میں حکومتِ وقت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے طلبہ کو پڑھائیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ قدیم نہیں ہے۔ لیکن المعتمد کے اس فرمان کا معلمین پر کوئی اثر نہ ہوا جس کی وجہ سے معلمین کی ایک بہت بڑی تعداد شہید کر دی گئی۔ امام احمد بن حنبل پر مزید سختی کی گئی اور نو سال تک انہیں کڑی آزمائش میں مبتلا رکھا گیا۔ یہاں تک کہ ۳۳۲ھ میں المعتمد کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا واثق تاج و تخت کا مالک ہو گیا۔ اس نے بھی معتزلہ کی حمایت جاری رکھی۔ واثق کا وزیر احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کا لیڈر تھا۔

۲۳۲ھ میں واثق کے بعد اس کا بھائی المتوکل تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نیک دل اور بہت ہی مذہبی تھا۔ اس نے تمام محدثین کی عزت افزائی کی اور سنت کی اشاعت و ترویج کی طرف راغب ہوا اور محدثین کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جس کے تشکر کے لیے امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے جامع رصافہ میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ جس میں تیس ہزار افراد شریک ہوئے اور ابو بکر بن ابی شیبہ کے بھائی امام عثمان بن ابی شیبہ نے جامع منصور میں اجتماع منعقد کیا اس میں بھی تقریباً تیس ہزار افراد نے شرکت کی اور خلیفہ وقت المتوکل کے لیے خیر و برکت کی دعائیں کیں اور اس خلیفہ کو محمدی النبی کے لقب سے یاد کیا۔

2.5 تیسری صدی ہجری اور صحاح ستہ

تیسری صدی ہجری کے پہلے تین عشرے علمائے امت اور محدثین کے لیے رنج و محن اور ابتلا و مصیبت کا زمانہ اور پرفتن دور تھا۔ مگر اللہ جل شانہ کی تائید علمائے حدیث کو حاصل تھی اس لیے یہ حضرات پوری توجہ، محنت اور جذبہ کے ساتھ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہے۔ اس دور ابتلاء میں چار ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو حدیث، رجال اور علل حدیث کی پہچان اور معرفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ناقدین رجال کی حیثیت سے بھی ان کا رتبہ نہایت بلند سمجھا جاتا ہے اور ان کا فیصلہ قول فیصل قرار دیا جاتا ہے۔ اسناد اور متن حدیث کی پہچان میں ان کے کمال کا اعتراف تمام علماء نے کیا ہے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں: امام یحییٰ بن معین (م ۲۴۳ھ)، امام علی بن المدینی (م ۲۴۳ھ)، امام ابو بکر بن ابی شیبہ (م ۲۴۵ھ)، امام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔

ان چار محدثین نے ابتلاء اور فتن کے دور میں بھی حدیث کے علم کو بلند رکھا اور ایسے جادہ مستقیم پرگامزن رہے کہ آنے والے علمائے حدیث کو اس راستہ پر چلنے میں کسی پیچ و خم کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

تیسری صدی کے ابتدائی تین عشرے تک حکومتِ وقت کی پالیسی اور سخت روش کی وجہ سے علم حدیث کی تحصیل اور ترویج میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے دور ہوتے ہی حدیث کے طلبہ کو شوق طلب از سر نو شروع ہو گیا اور انہوں نے نہایت جوش و ولولہ اور جذبہ کے ساتھ طلب حدیث میں علمی سفر شروع کر دیا جو اس دور کی طلب علم کا اہم ذریعہ تھا۔

2.6 صحاح ستہ کی تدوین

تیسری صدی آدھی بھی نہ گذری تھی کہ علم حدیث کے میدان میں بڑی بڑی قد آور شخصیات کا ظہور ہوا۔ ان شخصیات میں سے ہر ایک نے علم حدیث کی تدوین، ترویج، فروغ اور تطویر کے لیے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور ہر ایک نے اپنے تئیں ایسی خدمات انجام دیں کہ تمام محدثین کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ اور سب نے نہایت احترام، خلوص اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی خدمات کو سراہا۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

۱- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری (م ۲۵۶ھ): آپ نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مختلف شیوخ اور مراکز سے حاصل کیا۔ ان میں سے صحیح روایات کو الگ کر دیا اور ”الصحيح“ کے نام سے کتاب مرتب کی۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۲ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۲- امام ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری (م ۲۶۱ھ): آپ نے ”الصحيح“ کے نام سے کتاب مرتب کی۔ اور اس میں وہ روایات جمع کیں جو آپ کی تحقیق کے مطابق صحیح ہیں۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۳ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۳- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ترمذی (م ۲۲۹ھ): آپ نے ”الجامع“ کی نام سے حدیث کی کتاب مرتب کی۔ جسے طلبہ اور علماء کے حلقوں میں بہت زیادہ پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

نوٹ: اس کتاب کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۶ میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

۴- امام ابو داؤد سلیمان بن الأشعث بن اسحاق جہستانی (م ۲۲۵ھ): آپ نے ”السنن“ تالیف کی۔ اس کتاب کو علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس سے خوب استفادہ کیا۔

نوٹ: امام ابو داؤد اور ان کی کتاب ”السنن“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۵ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی نسائی (م ۳۰۳ھ): آپ کی کتاب ”السنن“ بہت عمدہ اور مفید کتاب ہے۔ اپنی تالیف کے وقت سے لے کر آج تک طلبہ اور علماء کے ہاں متداول ہے۔

نوٹ: امام نسائی اور ان کی کتاب ”السنن“ کے بارے میں کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۹ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ بن ماجہ القزوینی (م ۲۴۳ھ): آپ نے ”السنن“ مرتب کی اور اسے بہت عمدہ اور خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ یہ کتاب پورے تسلسل کے ساتھ علمی مراکز میں پڑھائی جا رہی ہے۔

نوٹ: امام ابن ماجہ اور ان کی کتاب ”السنن“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۷ میں پڑھ چکے ہیں۔

ان چھ مؤلفین کی مرتب کردہ کتابوں کے مجموعہ کو ”کتب ستہ“، ”اصول ستہ“ یا ”صحاح ستہ“ کہتے ہیں۔ یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں۔ کتب ستہ کی تالیف و تدوین سے تشریح اسلامی کے مصدر ثانی سنت کی تدوینی ضرورت مکمل ہوئی ورنہ اس سے پہلے سنت کا وافر ذخیرہ ہزاروں محدثین کے سینوں اور صحائف و اجزاء میں منتشر طور پر محفوظ تھا اور بلاد اسلامیہ کے مختلف اطراف میں علماء حدیث پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے روایات کے

حصول اور تحقیق کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑتا تھا اور سخت سے سخت سفر کے مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے لیکن ان محدثین نے خود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اور طرح طرح کے مصائب جھیل کر سنت کے وافر خزانہ کو یک جا کر دیا اور اپنے تجربہ علمی، جانفشانی اور اپنے شیوخ کی کمال شفقتوں اور تائید خداوند سے اصول روایت و درایت کو ملحوظ رکھ کر تمام غیر صحیح اور سقیم روایات کو چھانٹ کر صحیح روایات کو اپنی اپنی تالیفات میں محفوظ کر لیا۔ اس طرح سنت کی حفاظت و صیانت کے لیے اللہ جل شانہ نے بہترین انتظام فرما دیا۔

خود آزمائی ②

- ۱- دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال و ظروف نے حدیث کی اشاعت پر جو اثرات ڈالے۔ ان اثرات کا اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔
- ۲- وضع حدیث کا سلسلہ کب شروع ہوا۔ اس کے بنیادی اسباب پر بحث کرتے ہوئے وضع حدیث کے ثبوت قرآن بیان کیجئے۔
- ۳- طبقات رواۃ حدیث سے کیا مراد ہے۔ امام ابن شہاب زہری کے تلامذہ کے طبقات بطور مثال کیوں پیش کئے جاتے ہیں۔
- ۴- اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر کیا اثر مرتب ہوا۔ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- ۵- اہل کلام اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل کی نوعیت کیا تھی وضاحت کیجئے۔
- ۶- تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کی تدوین کس طرح عمل میں آئی بیان کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تقیید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
- (۳) الجرح والتعديل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الاصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للامام البخاری
- (۷) الكامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجّاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العهد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد ابو زہرۃ
- (۲۰) نخبی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ④

حدیث کا تیسرا دور ②

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

121	پونٹ کا تعارف
122	پونٹ کے مقاصد
123	① حدیث کا تیسرا دور
123	1.1 علی بن المدینی
125	1.2 یحییٰ بن معین
126	1.3 ابوبکر بن ابی شیبہ
127	1.4 ابوزر عہ رازی -
128	1.5 ابو حاتم رازی
128	1.6 محمد بن جریر طبری
131	1.7 امام ابن خزیمہ
131	1.8 محمد بن سعد کا تب واقدی
132	1.9 اسحاق بن راہویہ
134	1.10 امام احمد بن حنبل
134	1.11 امام دارمی
135	1.12 امام ابن قتیبہ دینوری
139	تیسری صدی ہجری کی اہم تالیفات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے تیسرے دور (۲) سے ہے۔ کسی بھی فن کے اصول و مصادر اور مآخذ و مراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے اس رحمان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے ہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے اس کتاب کے بارے میں علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامی کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مصادر اور متون کیساتھ ساتھ تاریخ کا بھی بھرپور مطالعہ کریں۔ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں ازبر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کیساتھ مطالعہ کریں امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇨ امام علی ابن المدینی اور امام یحییٰ بن معین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ⇨ امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام ابو زرہ رازی کی علماء حدیث کے ہاں حیثیت اور مقام پر روشنی ڈال سکیں۔
- ⇨ امام ابو حاتم رازی محمد بن جریر طبری اور امام ابن خزیمہ کی خدمات حدیث پر بحث کر سکیں۔
- ⇨ حافظ محمد بن سعد، اور امام اسحاق بن راہویہ کا پوری تفصیل کے ساتھ تعارف کروا سکیں۔
- ⇨ امام احمد بن حنبل اور امام دارمی کی ان خدمات کا جائزہ لے سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے لئے انجام دیں۔
- ⇨ امام ابن قتیبہ دینوری کی تالیفات کا تذکرہ کر سکیں اور امام دینوری کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کر سکیں۔

① حدیث کا تیسرا دور

تیسری صدی ہجری میں حدیث کے معروف و مشہور اور باکمال شیوخ اور اساتذہ پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کی اشاعت، رواۃ حدیث کی تاریخ اور علل کی معرفت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں اور حدیث کی تدوین کے کام کو نیا اسلوب اور نیا رخ عطا کیا۔ یہاں اس دور کے چند مشہور علمائے حدیث کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس دور میں علم حدیث کی ترویج و تطویر کے حوالے سے مزید وضاحت ہو سکے۔

1.1 علی بن المدینی

آپ کا نام علی ہے، والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے۔ اکثر علی بن المدینی اور کبھی ابن المدینی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حدیث کے نہایت مشہور اور ممتاز امام ہیں۔ امام احمد بن محمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین جو اپنے دور کے بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ بہت بڑے ناقدین رجال میں سے تھے۔ یہ دونوں امام علی بن المدینی کے ہم عصر اور احباب میں سے تھے۔ علی بن المدینی بھی محدث ہونے کے علاوہ نقد رجال کے علم میں یکتائے روزگار شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں جو نہایت مستند اور معتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔ بعد کے محدثین نے آپ کی کتابوں سے رہنمائی حاصل کی اور آپ کے علمی کمال کا اعتراف کیا۔ امام سفیان بن عیینہ جو علی بن المدینی کے شیوخ میں سے ہیں کہتے ہیں: میں سچ کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں کہ علی بن المدینی جتنا کچھ مجھ سے سیکھتے ہیں میں اس سے زیادہ ہیں ان سے سیکھتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید القطان بھی علی بن المدینی کے اساتذہ میں داخل ہیں، ان سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ امام بخاری جو ابن المدینی کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں: مجھے ابن المدینی کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی کم علمی کا احساس ہوتا ہے حالانکہ یہ احساس مجھے کسی اور کی مجلس میں نہیں ہوتا۔ امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ علی بن المدینی حدیث اور علل کی معرفت میں اونچے اور چوڑے پہاڑ کی طرح ہیں۔

امام ابن المدینی نے حدیث کی ترویج کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کیا، آپ نے حدیث کی تدریس بھی کی اور اس ضمن میں تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ابن المدینی کی درج ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے:

- ۱۔ کتاب الاسامی والکنی
- ۲۔ کتاب الضعفاء
- ۳۔ کتاب المذلسین
- ۴۔ کتاب اول من نظر فی الرجال وفحص عنهم
- ۵۔ کتاب الطبقات
- ۶۔ کتاب من روى عن رجل لم يره
- ۷۔ کتاب علل المسند
- ۸۔ کتاب العلل لاسماعيل القاضي
- ۹۔ کتاب العلل لابن عيينه
- ۱۰۔ کتاب من لا يحتج بحديثه
- ۱۱۔ کتاب الوهم والخطاء
- ۱۲۔ کتاب قبائل العرب
- ۱۳۔ کتاب من نزل من الصحابة سائر البلدان
- ۱۴۔ کتاب التاريخ
- ۱۵۔ کتاب العرض على المحدث
- ۱۶۔ کتاب من حدث ثم رجع عنه
- ۱۷۔ کتاب يحيى القطان و عبدالرحمان بن مهدى فى الرجال
- ۱۸۔ کتاب سوالات يحيى

۱۹۔ کتاب الثقات والمثبتین

۲۰۔ کتاب اختلاف الحدیث

۲۱۔ کتاب الاشربہ

۲۲۔ کتاب غریب الحدیث

۲۳۔ کتاب الاخوة والاحواء

۲۴۔ کتاب من يعرف باللقب

۲۵۔ کتاب مذاهب المحدثین

امام حاکم نے ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے ابن المدینی کی کتابوں کی یہ مختصر فہرست پیش کی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن المدینی نے سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی ان تالیفات سے آپ کے تبحر علمی اور فضل و کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۴۴ھ میں ہوئی۔

1.2 یحییٰ بن معین

یحییٰ بن معین تیسری صدی ہجری کے ان چار بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں جن پر حدیث کی امامت ختم ہو گئی۔ وہ چار ائمہ یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی اور امام ابو بکر بن ابی شیبہ۔ امام ابن معین نے حدیث میں عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، عبد الرحمن بن مہدی، ہشیم، وکیع اور ان کے علاوہ دیگر محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: امام ابو زرعہ رازی، امام ابو حاتم، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد سجستانی۔

امام ابن معین کی امانت دیانت اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہے۔ جرح و تعدیل کے فن میں اور وضائعین حدیث کے احوال کو ظاہر کرنے کے فن میں آپ کو خصوصیت کا درجہ حاصل تھا۔ حدیث میں تثبت آپ کا جوہر تھا۔ محدثین کا بیان ہے کہ ایک دن ابن معین قبلہ رخ ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

لگے: اے اللہ! میں نے جس شخص کے متعلق کلام کیا ہے اگر وہ میرے نزدیک کذاب ثابت نہ ہو تو میری مغفرت نہ فرما۔ امام احمد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین سے حدیث کی سماعت کرنے سے دلوں کی کدورت اور بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن معین کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے، وہ حدیث سے کذابین کے کذب کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس حدیث کو صحیح بن معین نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ صحیح بن معین جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا ہے۔ امام حاکم نیشاپوری نے معرفۃ علوم الحدیث میں یحییٰ بن معین کو فقہائے محدثین میں شمار کیا ہے۔ امام ابن معین کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۲۳۳ھ میں واقع ہوئی۔ بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

1.3 ابو بکر بن ابی شیبہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو بکر ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام محمد بن ابی شیبہ تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں: ابوالحوص، عبداللہ بن المبارک، شریک، ہشیم، جریر بن عبد الحمید، کعب بن الجراح، ابن علیہ، عبد الرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان ابن عیینہ اور زید بن ہارون۔ آپ کے مشہور شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ قزوینی، امام احمد بن حنبل، محمد ابن سعد، امام رازی، امام ابو حاتم، عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابراہیم حربی اور ابوشیبہ ابراہیم۔

امام ابو بکر بن ابی شیبہ ثقہ اور حدیث کے حافظ تھے۔ آپ کے فضل و کمال اور حفظ کا اعتراف علماء کی بہت بڑی تعداد نے کیا ہے۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام کہتے ہیں: 'علم چار علماء کے پاس رہا اور انہی پر ختم ہو گیا۔ ان میں ابو بکر بن ابی شیبہ سب سے زیادہ احادیث کے حافظ تھے۔ امام احمد سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ یحییٰ بن معین سب سے زیادہ حدیث کے جامع تھے اور علی بن المدینی سب سے زیادہ حدیث اور رجال و علل کا علم رکھتے تھے۔ صالح بن محمد کہتے ہیں: میری جن شیوخ سے ملاقات ہوئی ان میں علی بن المدینی حدیث اور علل حدیث کا زیادہ علم رکھتے تھے اور مشائخ کی تصحیفات سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معین تھے اور بوقت مذاکرہ سب سے زیادہ حافظ

رکھنے والے ابو بکر بن ابی شیبہ تھے۔ امام ابو زرہ رازی کہتے ہیں: 'ابو بکر ابن ابی شیبہ جیسا حافظ حدیث میں نے نہیں دیکھا'۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ابو بکر ابن ابی شیبہ حافظ حدیث، متدین، متقن اور صاحب تصانیف تھے۔ آپ نے احادیث جمع کیں اور کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ اپنے دور میں مقطوع احادیث کے بڑے حافظ تھے سن ۲۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.4 ابو زرہ رازی

آپ کا نام عبداللہ بن عبدالکریم، کنیت ابو زرہ ہے۔ مشہور حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے ہم عصر محدثین نے آپ کے علم، ورع اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور اس دور کے دیگر محدثین پر آپ کو فوقیت دی ہے۔ علماء حدیث کہتے ہیں کہ امام ابو زرہ رازی کو سات لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں اور جب آپ اپنی جوانی کی عمر میں امام احمد بن حنبل سے ملتے تھے تو امام احمد صرف فرض نمازوں کی ادائیگی پر اکتفا کرتے تھے۔ سنن اور نوافل چھوڑ کر امام ابو زرہ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد جیسی شخصیت کو بھی امام ابو زرہ کے فضل و کمال کا اس حد تک اعتراف تھا۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب 'معرفت علوم الحدیث' میں لکھا ہے کہ جب قتیبہ بن سعد شہرے میں واپس آئے تو لوگوں نے ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی۔ امام قتیبہ نے کہا: 'میں اس وقت حدیث بیان کروں گا جب میری مجلس میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن الندینی، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابو یوسف بھی آجائیں۔ اس جواب پر لوگوں نے قتیبہ بن سعد سے کہا: 'ہمارے ہاں ایک ایسا جوان ہے کہ آپ نے جس جس مجلس میں حدیث سنائی ہے اس نے آپ سے سن کر وہ تمام حدیثیں زبانی یاد کر لی ہیں'۔ اس کے بعد لوگوں نے ابو زرہ رازی سے کہا: 'ابو زرہ اٹھو اور قتیبہ کی سب روایات سناؤ'۔ چنانچہ ابو زرہ اٹھے اور وہ ساری حدیثیں لوگوں کے سامنے لفظ بہ لفظ سنا دیں جن کو امام قتیبہ نے مختلف مجلسوں میں سنایا تھا۔ یہ دیکھ کر امام قتیبہ کو ابو زرہ کے حافظہ پر حیرت ہوئی۔ آپ نے ابو زرہ کو داد دی اور پھر حدیث بیان کرنا شروع کر دیا۔ امام حاکم نے امام ابو زرہ کو حدیث کے فقہاء میں شمار کیا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۶۴ھ میں واقع ہوئی۔

1.5 امام ابو حاتم رازی

آپ کا نام محمد ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو حاتم محمد بن ادريس بن منذر بن داؤد بن مهران۔ ابو حاتم رے کے رہنے والے تھے، اسی لئے رازی کہلاتے ہیں، قبیلہ حنظل سے تعلق تھا اس لئے حنظلی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کا نام حفاظ حدیث میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ علل حدیث اور جرح و تعدیل کے علم سے پوری طرح باخبر تھے۔ امام ابو زرہ کے ہم عصر تھے۔ حدیث کی طلب میں بہت سارے سفر کیے۔ شیوخ اور محدثین کے پاس حاضر ہونے کے لئے شہر بہ شہر پھرے اور اکابر ائمہ سے حدیث کی روایت کی۔ ایک دن ابو حاتم نے اپنے بیٹے عبد الرحمان کو مخاطب کر کے کہا: 'بیٹے میں نے حدیث کی طلب میں ایک ہزار فرسخ (تین ہزار میل) کا سفر پیدل طے کیا ہے'۔

ابو حاتم رازی اپنے دور کے حفاظ حدیث سے کہا کرتے تھے: 'جو شخص ایسی صحیح اور ثابت حدیث مجھے سنائے جو مجھے معلوم نہ ہو، اسے میں ایک درہم صدقہ کے طور پر دوں گا، لیکن کوئی محدث بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس دور کے محدثین جانتے تھے کہ ابو حاتم رازی حدیث کے بہت بڑے حافظ ہیں۔ امام ابو زرہ رازی جیسی شخصیت کو آپ کے علم و فضل کا اعتراف تھا۔ امام حاکم نے ابو حاتم رازی کو ان محدثین میں شمار کیا ہے جن کا تعلق فقہ و استنباط سے تھا۔ آپ کی وفات سن ۲۷۷ھ میں واقع ہوئی۔

1.6 محمد بن جریر طبری

آپ کا نام محمد کنیت ابو جعفر ہے۔ سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں: ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔ ابن جریر سن ۲۲۳ھ میں بمقام اہل پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور یہیں وفات پائی۔ آپ کا شمار امام نسائی اور امام ترمذی کے طبقہ میں ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ و اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں احمد بن کامل، محمد بن عبد اللہ شافعی اور مخلد بن جعفر کو زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

ابن جریر طبری اپنے دور کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔ آپ کے قول کے مطابق فیصلے ہوتے تھے اور علماء فقہی اور تفسیری مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کتاب اللہ کے حافظ تھے اور قرأت کے بہت بڑے عالم تھے۔ قرآن کے معانی و مطالب میں بصیرت حاصل تھی۔ احکام فقہ اور سنن کے ماہر عالم مانے جاتے تھے۔ سنن کے تمام طرق اور صحیح و سقیم اور ناخ و منسوخ کو جانتے تھے۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال، قضایا اور فتاویٰ سے باخبر تھے۔ گزشتہ احوال اور اخبار سے واقف تھے۔ آپ کی تالیفات میں مشہور تالیف 'تاریخ الأمم والملوک' ہے۔ آپ کی تفسیر سے متعلق امام ابو حامد اسفرائینی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اس غرض سے چین تک سفر کرے کہ وہ ابن جریر طبری کی تفسیر حاصل کرے گا تو یہ بڑی بات نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ اس کا سفر مفید ہوگا۔ ابن جریر طبری کی ایک اور تالیف 'تہذیب الآثار' ہے۔ مگر اس کتاب کو آپ مکمل نہ کر سکے۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو اپنی مثال آپ ہوتی۔ اس کتاب کی ابتدا حضرت ابو بکر صدیق کی روایات سے ہے۔ ہر روایت اس کی اسانید و طرق اور علت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جس جس روایت سے استنباط ہو سکتا ہے اس سے متعلقہ حکم اور ضروری تفصیل بیان کی ہے۔ مشکل الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ عشرہ مبشرہ، اہل بیت، موالی اور ابن عباس کی سند اس کتاب میں آئی ہے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی اپنی تاریخ 'البدایہ والنہایہ' میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن جریر طبری کی ایک کتاب دیکھی ہے اس میں احادیث غدر خیمہ دو ضخیم جلدوں میں تھیں۔ ان کی ایک اور کتاب بھی دیکھی ہے جس میں حدیث طبر کے طرق کو جمع کیا ہے۔ ابن جریر کی وفات سن ۳۱۰ھ میں ہوئی۔

خود آزمائی ①

- ۱- امام علی بن المدینی کا تعارف کرتے ہوئے ان کی خدمات پر گفتگو کیجئے۔
- ۲- امام یحییٰ بن معین اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا تعلق کس صدی ہجری سے ہے۔ ان حضرات کی تالیفات کی ایک فہرست تیار کیجئے۔
- ۳- امام ابو زرہ رازی کا تعلق کس علاقہ سے تھا۔
- ۴- امام ابو حاتم رازی کو کس فن میں مہارت حاصل تھی، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیجئے۔
- ۵- محمد بن جریر طبری کی شہرت ان کی کونسی کتاب کی وجہ سے ہے۔ امام طبری پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔

1.7 امام ابن خزمیہ

محمد بن اسحاق، ابوبکر بن خزمیہ نیشاپوری امام الائمہ کہلاتے ہیں۔ آپ نے طلب حدیث کے ضمن میں رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، جزیرہ، مصر اور واسط کا سفر کیا۔ اور بکثرت محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے محمود بن غیلان، محمد بن ابان، اسحاق بن موسیٰ، اور ابو قدامہ سرحسی زیادہ نمایاں ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں جنہیں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی چند کے نام یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، یحییٰ بن محمد بن حامد، ابو علی غسانی اور اسحاق بن سعد نسوی۔ ابن خزمیہ اپنے دور کے علماء اور طلبہ کے امام اور رہنما تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت تلامذہ اور خواص و عوام کے ہجوم میں رہتے تھے۔

نوٹ: امام ابن خزمیہ اور ان کی صحیح کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲ پونٹ ۱۲ میں تفصیل سے مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس کا مطالعہ کر لیجئے۔

1.8 محمد بن سعد کا تب واقدی

ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع بصری تھے لیکن بغداد میں رہتے تھے۔ آپ امام، حافظ، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ کے والد حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام تھے)۔ محمد بن سعد سن ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ محمد بن سعد نے محمد بن عمر واقدی سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے پاس جتنی روایات تھیں وہ سب آپ نے ان سے حاصل کیں۔ محمد بن عمرو واقدی کے علاوہ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن علیہ، سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون واسطی، عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ، ابونعیم فضل بن دکین کوفی۔ ان کے علاوہ آپ نے بصرہ، کوفہ، واسط، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، یمن اور مصر کے علمی مراکز سے استفادہ کیا اور وہاں کے شیوخ کی خدمت میں رہے۔ محمد بن سعد مکشرین (زیادہ روایت کرنے والوں) میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن سعد چونکہ اپنے دور کے مشہور اور معروف اساتذہ میں سے تھے اس لئے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آتے

تھے۔ آپ کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: مصعب زبیری، حارث محمد بن اسامہ، احمد بن عبید بن ناصح ہاشمی، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری مؤلف فتوح البلدان، ابو بکر عبد اللہ بن محمد المعروف بابن ابی الدنیا، حسین بن محمد بن عبد الرحمان جو ابن سعد کے طبقات کے راوی ہیں، ان کا اپنے شیخ کے بارے میں کہنا ہے: ”ابن سعد بہت بڑے عالم تھے، حدیث، فقہ، اور غریب کے موضوع پر بکثرت کتابیں لکھیں۔ ابن سعد تمام علمائے رجال کے نزدیک پسندیدہ اور ثقہ تھے۔ خلیفہ مامون اور اس کے بعد کے عہد میں جو مختلف فتنے رونما ہوئے ابن سعد ان کی سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنے اور اپنے شیخ کے علم کی نشر و اشاعت کا موقع ملا اور ان کی تمام کتابیں محفوظ رہ گئیں اور مقبول عام ہوئیں۔ ابن سعد کی تالیفات میں سب سے اہم ”طبقات الکبریٰ“ ہے جس میں ممتاز علمائے سیر جیسے شعبی، اوزاعی، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق واقدی کے بیان کردہ واقعات کو جمع کیا ہے۔ ابن سعد نے ”طبقات“ میں انبیاء علیہم السلام اور رسول اکرم ﷺ کے آباء و اجداد کے حالات کو بطور تمہید بیان کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور غزوات کو بیان کر کے صحابہ، تابعین کے طبقات اور ان کے بعد اپنے دور کے اکابر علماء کا ذکر کیا ہے اور ان سب کے تذکروں کو اسلامی ممالک کے شہروں پر تقسیم کر دیا ہے۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، شام، یمن، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد اور تمام شہروں کے اکابر علماء کا ذکر ہر شہر کے تحت جدا جدا کیا گیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر پہلی قدیم کتاب ہے۔ اس کتاب سے کوئی محدث، فقیہ اور مؤرخ بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اس میں جتنی روایات ہیں وہ سب کی سب قوی اور صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کی اسانید میں مقطوع اور مرسل روایتیں بھی ہیں۔ ابن سعد کا مقصد یہ تھا کہ کتاب کے موضوع سے متعلق جتنی روایات مل سکیں، لے لی جائیں، کیونکہ ان کی اسانید کی چھان بین علماء کر لیں گے۔ درحقیقت ابن سعد کے بعد جن علماء نے ”رجال“ پر کتابیں لکھیں وہ سب ابن سعد کی کتاب ”طبقات“ کی بنیاد پر لکھی گئیں۔

1.9 اسحاق بن راہویہ

آپ کا نام اسحاق، کنیت ابو یعقوب، عرفی نام ابن راہویہ اور نسبت حنظلی ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: اسحاق بن ابراہیم بن مغلہ بن ابراہیم۔ راہویہ آپ کے والد ابراہیم کا لقب ہے۔ امام ابن راہویہ اپنے دور کے شیخ

الشیوخ اور امت مسلمہ کے امام اور پیشوا تھے۔ فقہ اور حدیث میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا اور ان علوم میں ان کی مہارت مسلمہ تھی۔ حفظ، صدق، ورع، اور زہد کے اوصاف سے متصف تھے۔ طلب علم کے لئے عراق، حجاز، یمن اور شام کا سفر کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: جریر بن عبد الحمید رازی، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، بقیہ بن الولید، عبدالرزاق بن ہمام اور نصر بن شمل۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں جنہیں زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں: امام بخاری، امام مسلم، محمد بن نصر مروزی، امام ترمذی اور احمد بن سلمہ۔ امام ابن راہویہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن آدم نے مجھ سے دو ہزار احادیث سنی ہیں اور اپنے پاس لکھی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے بھی امام راہویہ سے روایات لی ہیں۔

امام ابن راہویہ حفظ، اتقان، امامت اور صداقت میں ضرب المثل تھے۔ اپنے متعلق کہتے ہیں: میں اپنی روایات کے مکان اور ان کی حیثیت کو اس طرح جانتا ہوں گویا کہ ان کو دیکھ رہا ہوں اور ستر ہزار روایات میرے دل میں محفوظ ہیں، اور چار ہزار ”احادیث مزورہ“ بھی مجھے زبانی یاد ہیں۔ لوگوں نے پوچھا احادیث مزورہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب دیا: جب یہ مزورہ احادیث (جھوٹی اور من گھڑت احادیث) صحیح احادیث میں مل کر میرے سامنے سے گزرتی ہیں تو میں ان کو چن کر پھینک دیتا ہوں۔

امام ابن راہویہ سے پوچھا گیا: آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا کہ ایک لاکھ کیا ہے، لیکن جو کچھ میں حدیث سنتا ہوں وہ میرے دل پر نقش ہو جاتی ہے اور یاد کی ہوئی حدیثیں کبھی دل سے فراموش نہیں ہوئی ہیں۔

ابوداؤد خفاف کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ابن راہویہ نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی لکھوائیں۔ پھر ان حدیثوں کو زبانی ہم لوگوں کو سنایا۔ ہم لکھی ہوئی حدیث سے مقابلہ کرتے جاتے تھے، اس وقت ان سے نہ ایک حرف کی کمی ہوتی اور نہ ایک حرف زیادہ ہوتا۔

امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو زرعد رازی سے اسحاق بن راہویہ کی اسانید اور متون کے حفظ کا ذکر کیا۔ میری بات سن کر ابو زرعد نے کہا: اسحاق ابن راہویہ سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا گیا۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ابن راہویہ کو اتقان اور حفظ و ضبط کا جو وصف عطا کیا گیا تھا وہ قابل تعجب ہے۔ ائمہ حدیث نے امام ابن راہویہ کی بہت تعریف کی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابن راہویہ کی وفات سے پانچ ماہ پہلے انہیں سر میں تکلیف ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے حافظہ میں کمی آ گئی تھی اس دوران میں میں نے ان سے جس قدر روایات سنی تھیں بعد میں ان کو دوسری روایات سے الگ کر دیا۔ امام ابن راہویہ سن ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۸ھ میں ستر سال کی عمر پر کرنیشاپور میں وفات پائی۔

1.10 امام احمد بن حنبل

آپ کا نام امام احمد بن حنبل ہے۔ سن ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قاضی ابو یوسف سے استفادہ کیا، اس کے بعد مختلف علمی مراکز تک پہنچنے کے لئے سفر کیا۔ اپنے دور کے مشہور و معروف اساتذہ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے امام شافعی سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں امام بخاری اور امام مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث آتے ہیں۔

نوٹ: امام احمد بن حنبل اور ان کی ”مسند“ کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲ یونٹ نمبر ۱۰ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس یونٹ کو ایک بار پھر ملاحظہ کیجئے۔

1.11 امام دارمی

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو محمد ہے۔ نسب نامہ یوں ہے: ابو محمد عبداللہ بن عبد الرحمان بن الفضل بن بہرام ابن عبدالصمد۔ تمیمی، دارمی، اور سمرقندی تین نسبتوں سے مشہور تھے۔ سن ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لئے حرمین، خراسان، شام، عراق اور مصر کا سفر کیا۔ اور یہاں کے اکابر محدثین سے روایات اخذ کیں۔ امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے امام دارمی سے حدیث کی روایت کی ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ

دارمی حافظ حدیث، طلب علم کے سیاح اور ثقہ تھے۔ زہد و تقویٰ، دیانت و امانت میں مشہور تھے۔ ایک دفعہ آپ سرقد میں قاضی بنائے گئے۔ ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بعد منصب قضاء سے استعفیٰ دے دیا۔ نہایت عاقل، حلیم، عابد اور قانع تھے۔ امام دارمی نے مسند، تفسیر اور ”جامع“ تالیف کی۔ امام ابو حاتم، امام احمد ابن حنبل، رجاء بن مرجمی یہ سب حضرات امام دارمی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں: دارمی اپنے دور کے امام اور پیشوا تھے۔ دارمی کی وفات سن ۲۵۵ھ میں ذوالحجہ کے مہینہ میں واقع ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.12 امام ابن قتیبہ دینوری

ابو محمد کنیت، عبد اللہ نام ہے۔ والد کا نام مسلم بن قتیبہ ہے۔ دینوری اور مروزی ان کی نسبت ہے۔ ابن قتیبہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ عربی لغت میں مہارت کی وجہ سے ”لغوی“ بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب ”المعارف“ اور ”ادب الکاتب“ بہت مشہور کتابیں ہیں۔ آپ فاضل، ثقہ، عادل اور متقن تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور یہاں اسحاق بن راہویہ، ابو اسحاق ابراہیم زیادی، ابو حاتم بختانی اور انہی محدثین کے طبقہ کے اصحاب حدیث سے تعلیم حاصل کر کے حدیث کی روایت کی۔ ابن قتیبہ سے ان کے فرزند ابو جعفر احمد فقیہ نے روایت کی ہے۔ ابو جعفر احمد فقیہ مصر کے قاضی رہے۔ ابن قتیبہ کی کتابوں کو بہت مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ”المعارف“، ”ادب الکاتب“ اور ”تاویل مختلف الحدیث“ کے علاوہ آپ سے جو کتابیں یادگار ہیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) غریب القرآن

(۲) غریب الحدیث

(۳) عیون الأخبار

(۴) مشکل القرآن

(۵) مشکل الحدیث

(۶) طبقات الشعراء

(۷) الأثرية

(۸) اصلاح الغلط

(۹) کتاب النخيل

(۱۰) کتاب أعراب القرآن

(۱۱) کتاب الانواء

(۱۲) کتاب المسائل

ابن قتیبہ اپنی تمام کتابیں بغداد میں اپنی وفات تک پڑھاتے رہے۔ ابن قتیبہ کے والد کا تعلق مرو سے تھا لیکن خود آپ کی پیدائش بغداد میں ہوئی تھی۔ آپ قاضی کی حیثیت سے دینور میں ایک مدت تک مقیم رہے تھے۔ اسی لئے دینوری کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب تفسیر سورة الاخلاص میں یہ لکھنے کے بعد کہ آیات متشابہ کی صحیح تاویل راہنہ فی العلم ہی جانتے ہیں، لکھتے ہیں: یہ قول جمہور اہل سنت کا بھی ہے کہ جن میں ابن قتیبہ، ابوسلیمان دمشقی اور دوسرے حضرات ہیں اور ابن قتیبہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مذہبی نسبت امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی طرف کی جاتی تھی۔ وہ مذہب اہل سنت کے مشہور حامیوں میں سے تھے اور اس بارے میں ابن قتیبہ کی متعدد تالیفات ہیں چنانچہ کتاب الحدیث کے مؤلف نے ابن قتیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء کی صف میں تھے۔ نہایت اچھے مصنف اور صاحب قلم تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔ وہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے مسلک و موقف کی طرف میلان رکھتے تھے۔ وہ ابراہیم حربی اور محمد بن نصر مروزی کے ہم عصر تھے۔ اہل مغرب انہیں عظمت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کا مقولہ ہے کہ جس گھر میں ابن قتیبہ کی کوئی کتاب نہ ہو وہ خیر سے خالی ہے۔ میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں کہ ابن قتیبہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت کے لئے ایسے ہی حامی تھے جیسے معتزلہ فرقہ کے لئے جاظ تھا اور ابن قتیبہ اہل سنت کے لئے ویسے

ہی بلند پایہ خطیب تھے جیسے کہ معزز لہ کا بلند پایہ خطیب جا حظ تھا۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ”میزان“ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن مسلم بن قتیہ ابو محمد صاحب تصانیف اور راست گو تھے۔ روایت کم کرتے تھے اس لئے کہ روایت کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت سے حدیث کی روایت کی ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابن قتیہ ثقہ، دیندار اور صاحب علم و فضل تھے۔ ابن قتیہ کی وفات سن ۲۷۶ھ میں رجب کے مہینہ میں ہوئی۔

امام ابن قتیہ کی تالیفات میں ”تأویل مختلف الحدیث“ نہایت اہم کتاب ہے، اس کتاب میں آپ نے سنت اور اہل سنت پر مخالفین کے جس قدر اعتراضات اور شکوک و شبہات تھے اور احادیث میں جس قدر بظاہر تناقض اور تعارض کے الزامات تھے۔ اور ایسی روایات جن میں تطبیق کی صورت نہیں بن رہی تھی، اس قسم کی تمام احادیث کو ترتیب کے ساتھ لے کر آپ نے ہر ایک روایت پر تفصیلی بحث کی ہے اور مخالفین کے اعتراضات اور الزامات کا جواب دیا ہے۔ جن احادیث میں تناقض اور اشکال تھا اس کو دور کر دیا ہے۔ جہاں تاویل کی صورت بن رہی تھی، وہاں تاویل کی ہے اور جہاں تطبیق ہو سکتی ہے وہاں تطبیق کی ہے۔ یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کتاب سے مخالفین حدیث و سنت وہ اعتراضات اور اشکال نقل کرتے ہیں جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مخالفین سنت پیش کرتے تھے۔ حدیث و سنت کی تشریحی حیثیت کو نہ ماننے والے حضرات بہ خوبی جانتے ہیں کہ ان اعتراضات پر ہمارے اسلاف نے بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور ان کا مسکت جواب دیا ہے لیکن عوام کو چونکہ اس بارے میں معلومات نہیں ہوتیں اس لئے وہ بار بار ان اشکالات کو دہراتے ہیں اور بلا وجہ کی بحث چھیڑنا چاہتے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے چند نامور محدثین وہ بھی ہیں جن کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲ میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ہم ان کے نام ذکر کرتے ہیں آپ کو رس نمبر ۲ کے مواد میں ان حضرات کے بارے میں ایک بار پھر مطالعہ کر لیجئے۔

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری

(۲) امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری

(۳) ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی

(۴) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق جستانی

(۵) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

(۶) ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ قزوینی، ابن ماجہ

ان حضرات کے علاوہ اس صدی میں ایسے محدثین پیدا ہوئے جن کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یہاں مشکل ہے۔ اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بہ یک وقت کافی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے جو مذاکرہ کر کے احادیث کو اسی طرح حفظ کرتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں ان محدثین کی شبانہ روز محنت اور جانفشانی سے پورے ممالک اسلامیہ میں حدیث کی اشاعت ہوتی رہی۔ حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا ہجوم محدثین کی درسگاہوں میں یا ان کے گھروں میں رہتا تھا۔ خوشنویس کاتبوں کی تعداد بھی ہر بڑے شہر میں بکثرت ہو گئی تھی جو مشہور محدثین کی تالیفات کی کتابت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی تھیں اور معقول معاوضہ دے کر طالبان علم حاصل کرتے تھے۔ بعض محدثین کا اپنا خاص کاتب ہوتا تھا جو وراق کہلاتا تھا۔ وہ وراق اپنے خاص محدث کی تالیفات لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ حدیث کے مختلف شعبوں میں مختلف عنوان اور موضوع کے تحت اس صدی میں اس قدر کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ تیسری صدی میں باوجودیکہ حدیث کی تدوین تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور کتابی صورت میں ہر جگہ حدیث کی کتابیں ملتی تھیں پھر بھی اسناد اور متن کے ساتھ زبانی روایت کا سلسلہ قائم تھا۔ اس صدی کے محدثین کی خدمات اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس صدی کے چھ اکابر محدثین کی تالیفات میں سے چھ کتابیں جو ”صحاح ستہ“ کے نام سے مشہور ہیں منتخب کر کے حدیث کی تعلیم کے لئے عالم اسلام کے تمام دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کی گئیں اور اب تک یہ کتابیں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہیں۔ اور کوئی دینی طالب علم اس وقت تک سند کا مستحق نہیں سمجھا جاتا جب تک ان چھ کتابوں کو باقاعدگی

سے نہ پڑھ لے۔ اس صدی میں محدثین نے حدیث کی کتابیں صحیح، سنن، مصنف اور مسند کے نام سے جس قدر لکھی ہیں ان کی ایک فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ آپ کو ایک حد تک اندازہ ہو جائے کہ تیسری صدی علم حدیث کے حوالہ سے کتنی بھرپور رہی ہے۔

1.13 تیسری صدی ہجری کی تالیفات:

- (۱) الصحيح للامام البخاری (م ۵۲۵۱)
- (۲) الصحيح للامام مسلم بن الحجاج القشیری (م ۵۲۶۱)
- (۳) السنن للامام ابی داؤد السجستانی (م ۵۲۷۵)
- (۴) السنن للامام النسائی (م ۵۳۰۳)
- (۵) الجامع للامام الترمذی (م ۵۲۷۹)
- (۶) السنن للامام ابن ماجہ القزوینی (م ۵۲۷۳)
- (۷) المسند للامام احمد بن محمد بن حنبل (م ۵۲۵۱)
- (۸) المنتقى فی الأحکام لعبد الله بن الجارود (م ۵۳۰۷)
- (۹) المصنف للامام ابن ابی شیبہ (م ۵۲۳۵)
- (۱۰) کتاب محمد بن نصر المروزی (م ۵۲۹۴)
- (۱۱) السنن للامام سعید بن منصور (م ۵۲۷۷)
- (۱۲) تهذيب الآثار للامام محمد بن جریر طبری (م ۵۳۱۰)
- (۱۳) مسند للامام بقی بن مخلد قرطبی (م ۵۲۷۶)
- (۱۴) مسند للامام عبید الله بن موسیٰ (م ۵۲۱۳)
- (۱۵) مسند للامام اسحاق بن راہویہ (م ۵۲۳۷)
- (۱۶) مسند للامام عبد بن حمید (م ۵۲۴۹)

- ۱۷) مسند للامام ابی عبد اللہ الدارمی (م ۵۲۵۵)
- ۱۸) مسند للامام ابی یعلیٰ الموصلی (م ۵۳۰۲)
- ۱۹) مسند للامام ابن ابی اسامہ الحارث ابن محمد التیمی (م ۵۲۸۲)
- ۲۰) مسند للامام ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی (م ۵۲۲۷)
- ۲۱) مسند للامام ابن ابی عمرو محمد بن یحییٰ المدنی (م ۵۲۳۳)
- ۲۲) مسند للامام علی بن احمد بن شعیب النسائی (م ۵۳۰۳)
- ۲۳) مسند للامام ابراہیم بن اسماعیل الطوسی (م ۵۲۸۰)
- ۲۴) مسند للامام مسدد بن مسرہد (م ۵۲۲۸)
- ۲۵) مسند للامام محمد بن مہدی (م ۵۲۷۲)
- ۲۶) مسند للامام الحمیدی (م ۵۲۱۹)
- ۲۷) مسند للامام ابراہیم بن معقل نسفی (م ۵۲۹۵)
- ۲۸) مسند للامام ابراہیم بن یوسف (م ۵۳۰۱)
- ۲۹) مسند للامام حسن بن سفیان (م ۵۳۰۳)
- ۳۰) مسند للامام أبی بکر البزار (م ۵۲۲۲)
- ۳۱) مسند للامام یعقوب بن ابی شیبہ (م ۵۲۶۲)
- ۳۲) مسند للامام علی بن المدینی (م ۵۲۳۲)
- ۳۳) مسند للامام ابن ابی عزرة احمد بن خازم (م ۵۲۷۶)
- ۳۴) مسند للامام عثمان بن ابی شیبہ (م ۵۲۳۹)

اس فہرست میں صرف ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں جو طلبہ اور علماء کے ہاں متداول اور رائج رہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس صدی میں بہت بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی میں جو مصادر مدوّن

ہوئے، بعد کے علماء نے ان کی بنیاد پر مزید کام کیا۔ اور اس طرح علم حدیث کی ترویج اور تطویر میں تیسری صدی ہجری کے کام کو سنگ میل کی حیثیت حاصل رہی۔

خود آزمائی ②

- ۱- محمد بن سعد کا تب واقدی کا تعلق کس دور سے تھا۔
- ۲- امام اسحاق ابن راہویہ کے معروف و مشہور تلامذہ کے نام بتائیے۔ اور امام ابن راہویہ کی حیثیت پر گفتگو کیجئے۔
- ۳- امام احمد بن حنبل کی مسند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ امام احمد کا سب سے اہم کارنامہ کونسا ہے۔ وضاحت کیجئے۔
- ۴- امام دارمی کا تعلق کس دور اور کس علاقہ سے رہا، ان کی سنن اور دیگر تالیفات کا تذکرہ کیجئے۔
- ۵- امام دینوری کی اہم تالیفات کی نشاندہی کیجئے اور امام دینوری کے بارے میں ابن تیمیہ کی رائے پیش کیجئے۔
- ۶- تیسری صدی ہجری کے اہم تالیفات کی ایک فہرست تیار کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تعقید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العث
- (۳) الجرح والتعديل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الاصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للامام البخاری
- (۷) الکامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنة قبل التدوین از دکتور عجّاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العهد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والحد ثون از محمد ابو زہرۃ
- (۲۰) ضحی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑤

حدیث کا چوتھا دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

147	یونٹ کا تعارف
148	یونٹ کے مقاصد
149	① حدیث کا چوتھا دور (چوتھی صدی ہجری کے مشہور محدثین)
152	1.1 امام حاکم نیشاپوری
152	1.2 امام دارقطنی
152	1.3 امام ابن حبان
153	1.4 امام طبرانی
153	1.5 امام قاسم بن اصغ
154	1.6 امام ابن السکن
154	1.7 امام طحاوی
154	1.8 امام ابو عوانہ
155	1.9 حافظ ابن مندہ
156	1.10 حافظ ابن السنی
156	1.11 حافظ ابن راہر مزی
157	1.12 حافظ ابن عدی
157	1.13 قاضی المحاطی

- 159 ② دوسری صدی ہجری میں سیاسی احوال کے اثرات
- 159 2.1 امام بیہقی
- 160 2.2 خطیب بغدادی
- 162 2.3 حافظ ابن عبد البر قرطبی
- 164 2.4 امیر ابن ماکولا
- 165 2.5 امام حمیدی اندلسی
- 168 2.6 حافظ سمعانی
- 168 2.7 حافظ بغوی
- 169 2.8 حافظ رزین
- 169 2.9 حافظ سمعانی
- 170 2.10 حافظ ابن عساکر دمشق
- 171 2.11 حافظ ابن بشکوال
- 172 2.12 حافظ ابن الجوزی
- 173 2.13 حافظ سیلی

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے چوتھے دور سے ہے۔ کسی بھی علم اور فن کے اصول و مصادر اور مآخذ و مراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے۔ اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ طلبہ کے ہاتھوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں۔ لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے یہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں۔ وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کتاب کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں از بر ہوں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇐ امام حاکم نیشاپوری اور امام دارقطنی کی خدمات اور تالیفات پر گفتگو کر سکیں۔
- ⇐ امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام قاسم بن اصغ کا تعارف کروا سکیں۔
- ⇐ امام ابن السکن، امام طحاوی اور امام ابو عوانہ کی تالیفی خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇐ حافظ ابن مبدہ، حافظ ابن السی، حافظ رامہرمزی اور حافظ ابن عدی کے عہد اور حیثیت کے بارے میں ایک خاکہ تیار کر سکیں۔
- ⇐ امام بیہقی خطیب بغدادی، حافظ ابن عبد البر اور امیر ابن ماکولا کی ان خدمات کا تذکرہ کر سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے ضمن میں انجام دیں۔
- ⇐ امام حمیدی اندلسی، حافظ بغوی حافظ رزین اور حافظ ابن عساکر دمشقی کے آثار کا جائزہ لے سکیں۔

① حدیث کا چوتھا دور

چوتھی صدی کے مشہور محدثین

۱۳۲ھ میں خلافت بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد بنو عباس نے اقتدار حاصل کر لیا۔ بنو عباس نے دمشق کی بجائے بغداد کو دار الخلافہ بنایا۔ اس دور میں سپین (اندلس) کے علاوہ جہاں بنو امیہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی باقی تمام اسلامی ممالک پر بنو عباس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اور دار السلام بغداد کی مرکزی حیثیت ہر جگہ تسلیم کر لی گئی اور عباسی خلفاء یکے بعد دیگرے امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کئے جانے لگے اور مامون الرشید کے دور میں علماء حدیث کے خلاف حکومت کی طرف سے جو سخت اقدامات کئے گئے وہ چند برس کے بعد واثق کے عہد میں ختم ہو گئے اور سنت کے فروغ و ترویج میں جو روکاؤں پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی۔ جس کے بعد اہل اقتدار نے بھی علماء اور محدثین کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے سنت اور اس سے متعلقہ علوم و فنون کی اشاعت تیزی سے ہوئی لیکن چوتھی صدی کے آغاز کے ساتھ بغداد کی مرکزی حکومت میں کمزوری اور ضعف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس کے ٹکڑے ہونے لگے۔ جب اندلس کے اموی حکومت کے حکمران عبدالرحمن الناصر نے بغداد کی مرکزی حکومت میں ضعف کے آثار پیدا ہوتے ہوئے دیکھے تو اس نے اندلس میں ۳۲۵ھ میں اپنے لیے امیر المؤمنین کے لقب کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف فاطمیہ نے شمالی افریقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ تیسری طرف دولت اشید یہ نے مصر میں اپنے استقلال اور خود مختاری کے لیے کوششیں شروع کر دیں، اگرچہ ظاہر میں دولت اشید یہ عباسی حکومت کے اقتدار کا دم بھرتی رہی۔ بنو حمدان کی حکومت نے بھی موصل اور حلب شام پر اپنی حکومت کا جھنڈا بلند کر دیا اور یہ حکومت بھی ظاہری طور پر عباسی حکومت کی سیادت کا اقرار کرتی رہی۔ یمن، یثرب، نجد، شام، عراق، ایران، ہندوستان، سامانی سلطنت کا اقتدار مشرق اور ماوراء النہر (ترکستان) کے شہروں پر قائم ہو گیا اور بنو بویہ نے بغداد کو اپنی گرفت میں لے لیا اور برائے نام بنو عباس کا اثر

بغداد میں رہ گیا۔ ان انقلابات کے ساتھ ساتھ سیاسی حالت ایک سطح پر قائم نہ تھی۔ اضطراری کیفیت ہر جگہ نظر آتی تھی اور ہر جگہ سیاسی انقلابات کے کوہ آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔ فاطمین جو شامی افریقہ پر قابض ہو چکے مسلسل مصر پر دباؤ ڈالتے اور حمیہ کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ۳۵۸ھ میں وہ مصر پر قابض ہو گئے۔ دوسری طرف آل سلجوق کا اٹھتا ہوا سیلاب اکثر اسلامی ممالک پر محیط ہو گیا اور بنو بویہ کے مقبوضات پر قبضہ کر کے الجزیرہ اور وسطی ایشیا پر بھی آل سلجوق چھا گئے اور فاطمیوں سے بھی ملک شام کا علاقہ چھین لیا اور سوائے مصر اور بلاد مغرب کے پورے اسلامی ممالک پر ان کا تسلط قائم ہو گیا۔

پھر جب آل سلجوق کے حالات بدل گئے اور ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو پانچویں صدی میں عیسائی حکومتوں کی متحدہ طاقت نے صلیب کے نام پر اسلامی حکومت کے خلاف بڑی جنگ چھیڑ دی جو تاریخ میں صلیبی جنگ یا ”حروب صلیبیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلیبی جنگ کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں اہل صلیب ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ دولت سلجوق کی تباہی کے بعد اس کے کھنڈر پر اتا بکی سلطنت قائم ہو گئی اور مشرق سے مغرب تک اسی کا سکہ چلنے لگا اور اسی کا جھنڈا لہرانے لگا یہاں تک کہ محمود نور الدین زنگی کی تلوار نے مصر میں فاطمی حکومت کو ختم کر دیا اور مصر عباسی حکومت کے دائرے میں دوبارہ آ گیا اور صلاح الدین ایوبی نے جو محمود نور الدین زنگی کا سپہ سالار تھا مصر میں شاندار حکومت قائم کی۔

مشرقی ممالک، خراسان اور اس کے آس پاس کے شہروں پر خوارزم شاہ محمد بن تمش نے ایک طاقتور حکومت قائم کر لی اور تمام چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کو ختم کر کے اپنی حدود ممالک میں شامل کر لیا۔ چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر عباسی خلیفہ کا قصہ بھی ختم کر کے رکھ دے کہ دفعتاً تاتاریوں کا سیلاب بڑے زوروں سے اٹھا اور چنگیز خان تاتاری اپنی سرکردگی میں بے پناہ اور بے نیام فوج گراں لے کر اسلامی سلطنت پر چڑھ دوڑا اور یلغار کرتا ہوا تمام اسلامی شہروں کو لوٹا اور تباہ کرتا ہوا بغداد پہنچ گیا اور خلیفہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کا تختہ الٹ دیا۔ اور لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا یہ ۶۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

ان دردناک اور ہولناک تاریخی و سیاسی واقعات کے رونما ہوتے ہوئے اس کا لازمی اثر یہ ہو سکتا تھا کہ

حدیث و سنت کی تحریک جو تمام اسلامی ممالک میں زوروں پر جاری تھی رک جاتی اور علم حدیث کی تعلیم و تعلم سے لوگ کنہا کش ہو جاتے لیکن اس کے برعکس علماء اور اہل علم کا شعور اور احساسات تیز سے تیز تر ہو گئے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ نہایت حکمت اور دانش مندی سے کیا، اور اپنی تعلیمی کوششوں اور علمی سرگرمیوں میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اللہ جل شانہ کا فضل و کرم ان کے شامل حال رہا اور وہ علم حدیث کی تعلیم کے ہر منزل میں آگے رہتے رہے۔ انہیں تعلیم دینے کے لیے نہ بڑی عمارت کی ضرورت تھی اور نہ بڑی تنخواہوں کی۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر مسجدوں اور درسگاہوں میں اپنے حلقہٴ درس کے طلبہ کو علم کے سرچشمے سے سیراب کرتے رہے۔ علمی سفر برابر جاری رہا۔ تالیف و تصنیف میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ نقد رجال، احادیث کی چھان بین، علل حدیث، تاریخ زواۃ اور تمام علوم حدیث پر بہتر سے بہتر کتابیں تالیف ہوتی رہیں۔ متقدمین کی کتابیں جو عالم اسلام کے اطراف و اکناف میں بکھری ہوئی تھیں اکٹھی کی گئیں، اسانید کے بارے میں گفتگو کرتے تو متقدمین علماء ہی کی زبان اور اسلوب میں کرتے۔ اور متاخرین کی کتابوں کو مختصر کرتے تو از سر نو ان کو ترتیب و تہذیب سے آراستہ کرتے اور اسانید کو حذف کر دیتے۔ تاہم علماء کے سابقین کی روش ہی پر اپنی کوششوں کو برقرار رکھتے اور احادیث کی روایت اور اسانید کی تلاش و تفحص میں ملکہ اور اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ چوتھی صدی ہجری سے زبانی روایت کا طریقہ رفتہ رفتہ متروک ہونے لگا کیونکہ قوتِ حافظہ جو اسلاف میں تھی وہ بعد کے لوگوں میں کمزور ہو گئی تھی اس لیے طلبہ لکھی ہوئی احادیث کی کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے شیوخ سے پڑھنے لگے اور شیوخ بھی کتابوں ہی کی مدد سے پڑھانے لگے اور پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے قائم ہو گیا جو اب تک قائم ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں نامور اور بلند پایہ محدث پیدا ہوئے۔ ان حضرات کی علمی خدمات کے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ اجمال اور اختصار کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ طلبہ کو اندازہ ہو جائے کہ اس صدی میں حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے کس نوعیت کا کام ہوا۔

1.1 امام حاکم نیشاپوری

آپ کا نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوری۔ امام حاکم ابن البیع کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۲ ربیع الاول ۳۲۱ھ کی صبح کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ماموں کی خاص توجہ سے طلب علم میں مشغول ہوئے۔ امام حاکم کے شیوخ کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ جن میں ایک ہزار صرف نیشاپور کے شیوخ تھے۔ امام دارقطنی بھی امام حاکم کے شیخ تھے اور دارقطنی نے حاکم سے روایت بھی کی ہے۔ طلب علم کے لیے آپ نے دو مرتبہ عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ مختلف شیوخ سے مذاکرہ اور حفاظ حدیث سے مناظرہ کیا۔ حاکم کی جملہ کتابیں پندرہ سوا جزاء پر مشتمل ہیں۔

نوٹ: امام حاکم نیشاپوری اور ان کی کتاب ”المستدرک علی الصحیحین“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۸ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

1.2 امام دارقطنی

آپ کا نام علی ہے۔ دارقطنی کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبد اللہ، دارقطنی حدیث کے حافظ تھے۔ اور امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔ آپ نے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث کی سماع کی اور حدیث میں آپ کی تالیفات بہت مفید اور وسیع سمجھی جاتی ہیں۔ آپ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ امام دارقطنی نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں لکھیں۔ لیکن سب سے زیادہ شہرت ”السنن“ کو حاصل ہوئی۔ صحیحین پر آپ نے استدراک بھی کیا ہے۔

نوٹ: امام دارقطنی اور ان کی کتاب ”السنن“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲ یونٹ نمبر ۱۴ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اسے ایک بار پھر دیکھ لیجئے۔

1.3 امام ابن حبان

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: ابو حاتم ابن حبان محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن عاز بن معبد التمیمی۔

امام ابن حبان نے اکثر اسلامی شہروں کے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث میں استفادہ کیا۔ آپ اپنے دور کے رحالہ (بہت زیادہ علمی سفر کرنے والے) تھے۔ ابن سمعانی کہتے ہیں کہ امام ابن حبان اپنے عہد کے امام تھے۔ آپ نے شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے تمام شہروں کی علمی سیاحت کی۔ امام حاکم نیشاپوری کہتے ہیں کہ ابن حبان فقہ، حدیث، لغت اور وعظ کا خزانہ تھے۔ اور بہت زیادہ ذہین عقل مند اور دانش ور تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابن حبان بڑے ثقہ اور بہت ساری کتب کے مؤلف ہیں۔ آپ کی تالیفات میں سے دو کتابیں ایسی ہیں جنہیں شہرت، مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ایک ”کتاب الثقات“ اور دوسری ”صحیح ابن حبان“۔ آپ کی وفات شوال ۲۵۴ھ میں ہوئی۔

نوٹ: امام ابن حبان اور ان کی کتاب ”الصحیح“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۲ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے آپ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

1.4 الطبرانی

امام ابو القاسم بن احمد طبرانی (م ۳۶۰ھ) نے تین معاجم تالیف کیں۔ معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ معجم کبیر میں صحابہ کی مسانید کو حروف معجم کی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے۔ معجم اوسط کو امام طبرانی نے اپنے شیوخ کے ناموں کی ترتیب کے مطابق تالیف کیا ہے۔ جن کی تعداد دو ہزار ہے۔ اس معجم میں تیس ہزار روایات آئی ہیں۔ اس معجم کے متعلق امام طبرانی کہتے ہیں کہ یہ کتاب میری روح ہے کیونکہ اس کی تالیف میں انہوں نے بہت زیادہ اہتمام سے کام لیا تھا۔

نوٹ: امام طبرانی اور ان کی کتاب ”المعجم“ کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۳ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے اس یونٹ کا ایک بار پھر مطالعہ کیجئے۔

1.5 قاسم بن اصغ

ابو محمد قاسم بن اصغ بن محمد بن یوسف البیانی۔ آپ کی نسبت بیانہ کی طرف ہے جو قرطبہ سے تیس میل کے

فاصلہ پر واقع ہے۔ قاسم بن اصغ اندلس کے ممتاز محدثین اور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے حدیث اور فقہ پر کئی کتابیں لکھیں۔ لیکن جو کتاب زیادہ متداول رہی وہ ”الصحيح المنقح“ ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ قاسم بن اصغ کا انتقال ۳۴۰ھ میں ہوا۔ آخری عمر میں روایت کرنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ قوت حافظہ کمزور ہو گئی تھی۔

1.6 ابن السکن

حافظ ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن بغدادی، مصری۔ اپنے دور کے بہت بڑے امام اور محدث تھے۔ علماء حدیث نے آپ کی کتاب ”الصحيح“ کو صحاح غیر مجردہ میں شمار کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تمام ضروری احکام ابواب کے مطابق ترتیب دیے۔ اور وہ روایات جمع کیں جن کا تعلق سنن ماثورہ سے ہے۔ آپ نے ۳۵۳ھ میں مصر میں وفات پائی۔

1.7 امام طحاوی

ابو جعفر کنیت، احمد بن محمد نام اور طحاوی نسبت ہے۔ آپ نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ جن میں سب سے زیادہ شہرت ”معانی الآثار“ اور ”مشکل الآثار“ کو حاصل ہوئی۔ امام طحاوی سے پہلے علماء حدیث روایات کو جمع کرتے تھے اور ان کی اسانید و متون کو ضبط کرتے تھے۔ امام طحاوی نے روایات کا تقابل اور تجزیہ کیا۔ اور اس طرح علماء حدیث کو کام کرنے کی ایک نئی جہت سکھادی۔ امام طحاوی کی کتابیں طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت مفید اور وسیع ثابت رہتی ہیں۔

نوٹ: امام طحاوی اور ان کی کتاب معانی الآثار کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۵ میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

1.8 ابو عوانہ

ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینی۔ حافظ حدیث، عادل اور ثقہ تھے۔ ان کی تالیف کا نام ”الصحيح المسند“ ہے۔ ابو عوانہ نے طلب علم کے لیے اسلامی دنیا کے اہم مقامات کا سفر کیا۔ امام حاکم

نیشاپوری کہتے ہیں کہ ابو عوانہ اپنے دور میں علمائے حدیث کے امام تھے۔ ۳۱۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ قبر اسفرائین کے مرکز میں ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابو عوانہ پہلے شخص ہیں جو امام شافعی کے مذہب اور کتابوں کو اسفرائین لائے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.9 حافظ ابن مندہ

محمد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ والد کا نام ابو یعقوب اسحاق ہے۔ ابو عبد اللہ کے آباء و اجداد میں ابن مندہ ایک ممتاز شخص تھے۔ جن کی نسبت سے ابو عبد اللہ ابن مندہ مشہور ہو گئے۔ حافظ ذہبی نے ابن مندہ کو امام، حافظ، جوال (زیادہ سفر کرنے والا) اور محدث العصر کے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ ۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔ طلب علم میں شاش سے اسکندریہ تک سفر کیا۔ اس دور کے جتنے اہم علمی مراکز تھے آپ نے ان سب سے استفادہ کیا۔ زیادہ سفر میں رہنے کی وجہ سے آپ ”ختم الرحالین“ کہلاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سفران پر ختم ہو گیا۔ آپ کا تعلق طبقہ مکثرین سے ہے یعنی حدیث کی سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ ابن مندہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے جس قدر حدیث کی سماعت کی اور جس قدر حدیث لکھ کر جمع کیا اس امت میں کسی نے اس قدر حدیث کی نہ سماعت کی اور نہ جمع کا کام کیا۔

جب ابن مندہ خراسان سے واپس آرہے تھے تو ان کے پاس کتابوں کا جو ذخیرہ تھا وہ چالیس بوجھ کے برابر تھا۔ ابن مندہ کی صحت اتنی اچھی تھی کہ خود ابن مندہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بھر نہ کبھی دوا پی اور نہ فصد کھلوائی اور نہ کسی سے کچھ عطیہ قبول کیا۔

حافظ ابن مندہ کے صاحبزادے عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ان کے والد ابن مندہ نے چار شیوخ سے چار ہزار اجزاء لکھیں۔ وہ چار شیوخ یہ ہیں: ابن الاعرابی، اہم، خیشمہ، یثیم بن کلیب، نیز ابن مندہ کے فرزند اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سات شیوخ سے حدیث کی کتابت کی ہے۔ ابو اسحاق بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ بن مندہ جیسا عالم، فاضل اور عاقل کوئی اور نہیں دیکھا۔ حافظ جعفر بن احمد کہتے ہیں کہ

میں نے ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے استفادہ کیا ہے لیکن ان میں ابن مندہ جیسا حافظ اور ضابط کسی کو نہیں پایا۔ ہرات کے شیخ ابو اسماعیل القاری کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ ابن مندہ اپنے دور کے سند ہیں۔ حافظ ابو نعیم اور حافظ ابن مندہ میں باہم علمی اور فکری اختلافات رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے بارے میں بعض اوقات سخت الفاظ بھی استعمال کر لیتے تھے۔ تاہم جب ابو نعیم کے سامنے ابن مندہ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتے کہ ابن مندہ جبال میں سے ایک جبل ہیں یعنی علم کے پہاڑ ہیں۔ حافظ ابن مندہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے کئی تالیفات کیں لیکن جو کتاب طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں متداول رہی وہ ”معرفۃ الصحابة“ ہے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن مندہ کی یہ کتاب بہت عمدہ اور مفید ہے۔ لیکن اس میں ایسی روایات بھی آئی ہیں جو کمزور اور غیر معیاری ہیں۔

1.10 ابن السنی

ابو بکر کنیت، احمد نام ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم دینوری۔ آپ ابن السنی کے نام سے مشہور ہیں۔ حافظ حدیث، امام، ثقہ اور عادل تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت جعفر بن ابو طالب ہاشمی کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ ابن السنی کی تالیف کا نام ”عمل الیوم واللیلة“ ہے۔ اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کے شب و روز کے اعمال کا تذکرہ ہے۔ حافظ ابن السنی، سنن نسائی کے روای ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن السنی دیندار، نیک خواہ اور راست باز تھے۔ آپ نے اسی (۸۰) برس سے زیادہ عمر پائی۔ ابن السنی کے صاحبزادے علی بن احمد کہتے ہیں کہ میرے والد نے قلم کو دوات پر رکھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ ۳۶۲ھ کے آخری سال کا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.11 رامہرمزی

ابو محمد کنیت، حسن نام ہے۔ والد کا نام عبد الرحمن بن خلف دارسی ہے۔ آپ ”رامہرمز“ کے رہنے والے تھے اس لیے رامہرمزی مشہور ہو گئے۔ حافظ حدیث، اپنے دور کے امام اور قاضی تھے۔ علوم حدیث میں آپ کی تالیف کا نام ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“ ہے اور دوسری تالیف ”کتاب الامثال“ ہے۔ حافظ ابن مندہ نے

اپنی کتاب ”الوفیات“ میں لکھا ہے کہ رامہرمزی تقریباً ۳۶۰ تک رامہرمزی میں بقید حیات رہے۔
 ”المحدث الفاضل بین الراوی والواعی“ علوم الحدیث میں پہلی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والے علماء
 نے علوم الحدیث کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی کتاب کی بنیاد پر لکھا ہے۔

1.12 حافظ ابن عدی

ابو احمد کنیت، عبد اللہ نام ہے۔ سلسلہ کسب یوں ہے: ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد بن مبارک
 جرجانی۔ آپ ابن عدی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ ابن عدی
 اپنے عہد کے امام، حافظ حدیث اور نقاد تھے۔ قوتِ حافظہ ایسی تھی کہ ضرب المثل تھے۔ آپ نے امام نسائی سے
 بھرپور استفادہ کیا۔ حدیث کے مختلف پہلوؤں پر آپ نے تالیفات کیں۔ لیکن جس تالیف کی وجہ سے آپ کو
 شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ ”الکامل“ ہے۔ ”الکامل“ فنِ جرح و تعدیل میں اسمِ باسٹھی ہے۔ امام حمزہ السہمی
 کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ”ضعفاء“ کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں۔ میری
 خواہش کے جواب میں امام دارقطنی نے کہا: کیا آپ کے پاس حافظ ابن عدی کی کتاب ”الکامل“ نہیں
 ہے؟ میں نے کہا: ہاں! ”الکامل“ میرے پاس موجود ہے۔ امام دارقطنی نے کہا: ”الکامل“ تیرے لیے کافی
 ہے اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ احمد بن ابی مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ابن عدی جیسا عالم اور کوئی نہیں
 دیکھا۔ ابن عدی بہت بڑے حافظ تھے احمد بن ابی مسلم کی ملاقات امام طبرانی اور ابو احمد حاکم سے ہو چکی ہے تھی
 ان دونوں کا حافظہ اور ابن عدی کے حافظہ کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان دونوں (طبرانی اور ابو احمد
 حاکم) کا حافظہ کسی (حاصل کردہ) تھا اور ابن عدی کا وحشی (قدرتی) تھا۔ ابن عدی کی معجم ایک ہزار سے زیادہ
 شیوخ پر مشتمل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.13 قاضی المحاملی

حسین نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام اسمعیل بن محمد ہے۔ جنتی اور بغدادی نسبت ہے۔ المحاملی کے نام
 سے مشہور ہوئے۔ ۲۳۵ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ نو برس کی عمر میں آپ نے علمی مجالس میں شرکت کرنے کا

آغاز کیا۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں ابو حذافہ احمد بن اسماعیل السہمی بھی ہیں اور تلامذہ میں امام دارقطنی بھی ہیں۔ قاضی المحاملی نے حدیث کے موضوع پر بہت کچھ لکھا۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ المحاملی فاضل، دیندار اور صادق القول تھے۔ بیس (۲۰) سال کی عمر میں آپ کو قضا کے منصب پر فائز کیا گیا اور ساٹھ سال کی عمر تک کوفہ کے قاضی رہے۔ ابن جمیع الغسانی کہتے ہیں کہ المحاملی کے پاس سفیان بن عیینہ کے تلامذہ بھی آتے اور بکثرت آتے تھے۔ ابو بکر داؤدی کہتے ہیں کہ المحاملی کی مجلسوں میں دس ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے۔ ۳۲۰ھ سے پہلے المحاملی منصب قضا سے مستعفی ہو گئے۔ آپ جب تک قاضی رہے خواص اور عوام سب آپ کے سلوک اور رویہ سے خوش تھے۔ ۳۲۰ھ میں المحاملی نے اپنے گھر میں فقہ کی مجلس قائم کی جس میں اہل علم اور اہل نظر برابر شریک ہوتے تھے۔ ۱۲ ربیع الآخر ۳۳۰ھ کو حسب دستور المحاملی نے مجلس منعقد کی جس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور گیارہ روز تک بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

② پانچویں صدی کے بعض مشہور محدثین

چوتھی صدی ہجری کی طرح پانچویں صدی میں بھی عالم اسلام کے مختلف اطراف میں بڑے نامور اور بلند پایہ محدث پیدا ہوئے جنہوں نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ یہاں ان میں چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ کو اس صدی میں علماء حدیث کی خدمات کے انداز اور اسلوب کا تعارف ہو سکے۔

2.1 امام بیہقی

ابوبکر کنیت، احمد نام ہے۔ والد کا نام حسین بن علی بن موسیٰ ہے۔ خراسان کے علاقہ بیہق کے رہنے والے تھے اس لیے بیہقی کہلاتے ہیں۔ حافظ حدیث، اپنے عہد کے امام اور شیخ خراسان تھے۔ ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ قوت حفظ اور فہم و ذکا میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کو نے امام حاکم نیشاپوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ امام بیہقی کی تالیفات کی فہرست بہت طویل ہے تاہم آپ کو شہرت اور مقبولیت ”سنن کبریٰ“ اور ”شعب الایمان“ کی وجہ سے ہوئی۔ عبدالغافر فارسی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی نہایت قانع، زاهد اور متقی تھے۔ امام الحرمین ابوالمعالی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کا تعلق فقہ شافعی سے ہے اس پر امام شافعی کا احسان ہے لیکن بیہقی وہ شخص ہے کہ اس کا احسان امام شافعی پر ہے نہ کہ امام شافعی کا اس پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقی نے فقہ شافعی کی تائید اور حمایت میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔ امام بیہقی اپنی عمر کے آخری حصہ میں بیہق سے نیشاپور گئے۔ یہاں انہوں نے اپنی کتابوں کی روایات بیان کیں اور اسی شہر میں ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ میں انتقال کر گئے۔

نوٹ: امام بیہقی اور ان کی کتاب ”سنن کبریٰ“ کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۴ میں مطالعہ کر چکے

ہیں۔ یہاں کی مناسبت سے اس یونٹ کا مطالعہ ایک بار پھر کر لیجئے۔

2.2 خطیب بغدادی

آپ کا نام احمد، کنیت ابو بکر ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی۔ آپ خطیب بغدادی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد ابو الحسن علی بھی خطیب تھے۔ خطیب بغدادی عربی النسل ہیں۔ آپ کا خاندان فرات کے مضافات میں بھصاعہ کے مقام میں سکونت پذیر تھا اور گھوڑوں کی سواری میں مشہور تھا۔

خطیب بغدادی ۲۴ جمادی الثانی ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ابو الحسن علی بہت اچھے عالم اور عراق میں واقع ایک بستی درانجان میں خطیب تھے۔ آپ نے بچپن میں اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی۔ خطیب بغدادی نے گیارہ سال کی عمر میں علماء کی مجالس میں بیٹھنا شروع کیا۔ طلب حدیث کے لیے خطیب بغدادی نے کوفہ، بصرہ، شام، دمشق، نیشاپور، اصبہان، رے، ہمدان، حجاز اور قدس کا علمی سفر کیا۔ جو اس دور کا ایک عام دستور تھا۔ آپ نے صحیح بخاری مشہور محدث کریمہ بنت احمد مروزیہ سے پڑھی۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں البرقانی، ابو نعیم اصبہانی، ابوسعید مالینی، قاضی ابوالطیب طبری، ابوالحسن بن الحامی قاضی زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں جن کو شہرت اور مقبولیت حاصل رہی ان کے نام یہ ہیں: فقیہ نصر مقدسی، ابو عبد اللہ حمیدی، ابونصر ابن ماکولا، اور عبد العزیز کتانی۔ ابن سمعانی کہتے ہیں کہ خطیب بلاشبہ اپنے عہد کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ خطیب بغدادی کی ہر ایک تالیف مفید، وقع اور معیاری ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے طلب علم کے لیے کئی ممالک کا سفر کیا۔ علم میں مہارت حاصل کی، کتابیں لکھیں اور جمع بھی کیں۔ آپ سفر میں بھی اپنی کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ابو بکر خطیب بغدادی حدیث کی معرفت، حفظ و اتقان اور ضبط میں ان بڑی شخصیتوں میں آخری شخص تھے جن کو میں

نے دیکھا ہے۔ وہ حدیث کے علل، اسانید، صحیح، غریب، فرد، منکر اور مطروح سے اچھی طرح واقف تھے۔ بغداد میں دارقطنی کے بعد خطیب کی مانند کوئی شخص نہیں تھا۔ مؤتمن ساجی کہتے ہیں کہ بغداد نے دارقطنی کے بعد خطیب جیسا شخص پیدا نہیں کیا۔ ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں کہ خطیب حدیث کی معرفت اور حفظ میں دارقطنی کے مشابہہ تھا۔ ابوسعید سمغانی کہتے ہیں کہ خطیب باوقار، پررعب، ثقہ، فصیح، خوش خط، کثیر الضبط اور علم کے متلاشی تھے۔

خطیب بغدادی کی مشہور اور ضخیم تالیفات میں تاریخ بغداد ہے جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اہم تالیفات میں ”الکفایۃ فی علم الروایۃ“ ہے۔ حافظ ابن حجر خطیب کی کتاب ”الکفایۃ“ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اصطلاح حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزی نے کتاب ”المحدث الفاصل“ لکھی۔ لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ پھر حاکم نیشاپوری نے کتابیں لکھیں مگر وہ بھی اس فن کو مہذب اور مرتب نہ کر سکے۔ ان کے بعد ابو نعیم اصبہانی حاکم کے نقش قدم پر چلے اور حاکم کی کتاب سے اپنی کتاب کو مستخرج کیا لیکن انہوں نے بہت سی باتوں کو اپنے بعد کے آنے والوں پر چھوڑ رکھا۔ ان سب کے بعد ابوبکر خطیب کا دور آیا اور انہوں نے روایت کے قوانین میں کتاب ”الکفایۃ“ لکھی اور اس فن کے آداب میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام ”الجامع لآداب الراوی والسامع“ ہے اور حدیث کا کوئی ایسا فن نہیں ہے جس میں انہوں نے کتاب نہ لکھی ہو۔ اسی بناء پر حافظ ابوبکر بن نقطہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو انصاف پسند ہے جانتا ہے کہ خطیب کے بعد تمام محدثین خطیب کی کتابوں کے محتاج ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نہایت دولت مند اور متمول تھے۔ اپنی دولت کو علمائے حدیث اور طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔

ابن السبکی کہتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی بیماری کے دنوں میں جس میں ان کی وفات ہوئی اپنی تمام کتابوں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی دولت و ثروت کو اہل علم، علماء، حدیث اور بھلائی کے دوسرے کاموں کے لیے تقسیم کر دیا اور تقسیم سے پہلے امیر المؤمنین القائم بامر اللہ سے اجازت حاصل کی تھی کیونکہ خطیب کا کوئی وارث نہیں تھا اگر وہ امیر المؤمنین سے اجازت نہ لیتے تو ان کا سارا ترکہ بیت المال میں چلا جاتا۔ خطیب بغدادی کی وفات ذی الحجہ ۳۶۳ھ میں واقع ہوئی اور مشہور بزرگ بشر بن الحارث حافی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حافظ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ”المستنظم“ میں لکھا ہے کہ خطیب کہا کرتے تھے کہ میں نے آپ زرم اس نیت سے پیا ہے کہ میں بغداد جاؤں اور وہاں اپنی کتاب تاریخ بغداد کی روایت کروں اور مرنے کے بعد بشر حافی کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دو آرزوں کو پورا کر دیا ہے یعنی بغداد میں آنا اور تاریخ بغداد کی روایت کرنا۔ تیسری آرزو بھی ان شاء اللہ پوری ہوگی۔

خطیب بغدادی کی وفات اس حجرہ میں ہوئی جو مدرسہ نظامیہ کے پڑوس میں مقام درب السلسلہ میں واقع تھا جہاں وہ سکونت پذیر تھے۔ خطیب کے جنازے کو امام ابو اسحاق شیرازی نے اٹھایا اور پل پار کر کے کرخ سے ہوتے ہوئے جامع منصور لے گئے جہاں ان کے جنازہ کی نماز میں بہت بڑی خلقت شریک ہوئی جس میں علماء، فقہاء اور اعیان شہر بھی تھے۔

3.2 ابن عبد البر قرطبی اندلی

یوسف نام اور ابو عمر کنیت ہے۔ ابن عبد البر کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم نمری، حافظ الغرب، امام اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نمری کہے جاتے ہیں۔ اندلس میں ربیع الثانی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لیے اندلس سے مصر اور مکہ آئے اور یہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا۔ حفظ و اتقان میں اپنے دور کے علماء پر فوقیت حاصل کر کے سیادت و امامت کا درجہ پایا۔ ابن عبد البر کے شاگرد جمیدی کہتے ہیں کہ ابن عبد البر فقیہ، مفسر، علوم حدیث اور رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ حدیث میں ابو عمر و ابن عبد البر کی مانند اندلس میں کوئی شخص نہیں تھا وہ اہل مغرب میں سب سے زیادہ حافظہ کے مالک تھے۔ ابن حزم اندلی کہتے ہیں کہ ابو عمر ابن عبد البر کی کتاب ”التہمید لما فی المؤطا من المعانی ولا سانیہ“ فقہ حدیث میں اتنی اچھی ہے کہ اس کی مانند کسی کتاب کا مجھے علم نہیں اس سے بہتر کتاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن عبد البر نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ کی ہر ایک کتاب کو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) التہمید لما فی المؤمنین المعانی والا سانیہ: یہ مؤطا امام مالک کی بہت مقبول اور عمدہ شرح ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ شرح لکھی ہے۔ مؤطا امام مالک پر کام کرنے والے بعد کے علماء نے اس کو بنیاد بنایا ہے۔

(۲) الاستذکار: یہ بھی مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ ”تہمید“ کے مقابلہ میں اس میں اجمال ہے لیکن اس کے باوجود اس کی ایک مستقل حیثیت ہے۔ اور بہت مفید اور وسیع مباحث پر مشتمل ہے۔

(۳) الکافی: یہ ”فقہ“ کے موضوع پر بہت عمدہ اور خوبصورت کتاب ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس میں مالکی مسلک کے مطابق روایات جمع کی ہیں اور احکام پر بحث کی ہے۔

(۴) جامع بیان العلم وفضلہ: یہ ابن عبدالبر کی وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس میں آپ نے علم اور علماء سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔ اس موضوع پر یہ بنیادی اور اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: یہ صحابہ کرام کی تاریخ سے متعلق ایک بنیادی اور اہم ماخذ ہے۔ بعد میں آنے والے علماء نے اس کی بنیاد پر کام کیا ہے۔ حافظ ابن اثیر الجزری اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتابوں میں اس کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔

(۶) کتاب الانتقاء: اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے فضائل و مناقب اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبر عرصہ تک اندلس کے مغربی حصہ میں رہے۔ اس کے بعد آپ اندلس کے مشرقی حصہ میں منتقل ہو گئے۔ دانیہ۔ بلنسیہ اور شاطبہ میں قیام کیا۔ ربیع الآخر ۴۶۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر پچانوے سال تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نہایت دیندار، ثقہ، متبع شریعت اور اپنے عہد کے امام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.4 ابن ماکولا

آپ کا نام علی اور کنیت ابو نصر ہے۔ ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔ والد کا نام ہبہ اللہ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو نصر علی بن ہبہ اللہ بن علی بن جعفر بن محمد الجلی بغدادی۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بکر بنی وائل کی ایک شاخ ”عجل“ سے ہے اس لیے عجل کہلاتے ہیں۔ ابن ماکولا کی پیدائش شعبان ۴۲۲ھ میں ہوئی۔ طلب علم کے لیے بغداد، دمشق، مصر، ماوراء النہر، خراسان اور دوسرے اہم مقامات کا سفر کیا اور بکثرت شیوخ سے علم حاصل کیا۔

ابن ماکولا کی مشہور تالیف ”الاکمال“ ہے۔ ابن ماکولا دولت مند اور خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن ماکولا کے والد امیر المؤمنین قائم کے وزیر تھے اور ان کے چچا حسین بن علی بغداد میں قاضی القضاۃ تھے۔ دولت مندی کی وجہ سے ابن ماکولا امیر کبیر مشہور تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ المقتدی باللہ نے ابن ماکولا کو اپنا نمائندہ بنا کر سر قند بھیجا تا کہ وہاں کے بادشاہ طمغا خان سے خلیفہ کے لیے بیعت لیں۔ دولت مندی اور خوشحالی کے باوجود ابن ماکولا نے اپنی ساری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزاری۔

ابن ماکولا کی تعریف میں ابو اسحاق جبال کہتے ہیں کہ جب وہ مصر آئے تو ایک کاتب کے بھیس میں تھے اس لیے ہم لوگوں نے ان کی طرف دھیان نہ دیا۔ لیکن جب ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت معلوم ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے ہیں۔

ابن ماکولا کے شاگرد حمیدی کہتے ہیں کہ میں جب کبھی خطیب بغدادی کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کتاب دیکھ کر بتاؤں گا اور جب ابن ماکولا کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ فوراً زبانی جواب دیتے تھے۔ گویا وہ کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ماکولا کی کتاب ”مستمر الاوام“ دیکھی ہے وہ نفیس کتاب ہے اس کتاب سے ابن ماکولا کے تبحر علمی اور امامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں کہ ابن ماکولا نہایت دانشمند،

عارف اور حافظ تھے انہیں لوگ خطیب ثانی کہتے تھے۔ وہ اچھے نحوی اور ماہر شاعر بھی تھے۔ فصیح عبارت لکھتے تھے۔ بغداد میں ان کے دور میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ دنیا کی سیاحت کرنے کے بعد بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔

ابن ماکولا کے حالات میں ابن نجار لکھتے ہیں کہ وہ بچپن سے علم کی طرف راغب تھے۔ حدیث میں انہوں نے شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ عربی ادب اور نظم و نثر میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ شجاع ذہلی کہتے ہیں کہ ابن ماکولا حافظ، فہیم اور ثقہ تھے۔ علم حدیث میں ان کی تالیفات کو مقبولیت اور تداول حاصل رہا۔ مؤتمن ساجی لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا نے عام اہل علم کے طریقہ کو نہیں اپنایا۔ وہ علم کی خدمت بے لوث اور مخلص ہو کر کرتے تھے اور کسی قسم کی نمود و نمائش کے قائل نہیں تھے۔ ابن ماکولا شہید کئے گئے۔ ابن عساکر ابن ماکولا کی شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے اسماعیل سمرقندی سے سنا ہے کہ ابن ماکولا کے چند ترک غلام تھے جنہوں نے ابن ماکولا کو جرجان میں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۴۷۰ھ کا ہے۔ ابن ناصر لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا کرمان جا رہے تھے۔ سفر کی حالت میں ان کے ساتھ چند ترک غلام تھے انہوں نے ابن ماکولا کو شہید کر دیا اور ان کا سار ا مال لے لیا۔ یہ واقعہ ۴۷۵ھ کا ہے۔ قاضی ابن خلکان جو ابن ماکولا کے شاگرد ہیں لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا کو ۴۸۲ھ میں شہید کر دیا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.5 حمیدی اندلسی بغدادی

آپ کا نام محمد اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حمیدی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو عبد اللہ محمد بن ابونصر فتوح بن عبد اللہ بن فتوح بن جہد بن بصل ازدی۔ اندلس کے مشرقی محاذ میں ایک جزیرہ ”میورقتہ“ کے نام سے معروف تھا اسی جزیرہ میں امام حمیدی ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس کی وجہ سے آپ اندلسی میورقتی کہلاتے تھے۔

امام حمیدی نے اندلس، مصر، شام، عراق اور دوسرے شہروں کے اساتذہ سے حدیث میں استفادہ کیا اور

مختلف مراکز میں حدیث کی روایت کی۔ آخر میں بغداد آ گئے اور یہیں قیام کیا۔ آپ کی وفات ۴۸۸ھ میں ہوئی۔ حمیدی نے ابن حزم اندلسی سے بھرپور استفادہ کیا اس لیے آپ ظاہری کہلاتے ہیں۔

امام حمیدی کہتے ہیں کہ میرے والد اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کے محلہ رصافہ میں رہتے تھے وہاں سے منتقل ہو کر وہ جزیرہ میورقہ جا بے وہیں میری پیدائش ہوئی اور ۴۲۵ھ میں جب میں بچہ تھا کندھے پر اٹھا کر حدیث کی سماعت کے لیے شیخ کے پاس مجھے بھیجا جاتا تھا اس وقت بھی شیخ کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا تھا میں اسے سمجھتا تھا۔ حمیدی کے بعض شیوخ کے نام یہ ہیں: ابن حزم اندلسی، ابو عمرو بن عبد البر قرطبی، ابو زکریا عبد الرحمن بخاری، ابو القاسم الجبائی الدمشقی، ابو بکر خطیب بغدادی اور ابو غالب بن بشران اموی۔

آپ نے مشہور محدث کریمہ مروزیہ سے بھی ملاقات کی۔ طلب علم میں حمیدی کی محنت کا یہ حال تھا کہ گرمی کی راتوں میں جب وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تھے تو ایک بڑے ٹب میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جاتے تھے۔ جب بدن کی گرمی دور ہو جاتی تو پانی کے برتن سے باہر نکل آتے تھے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے دوست حمیدی جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا ہے۔ وہ پاک دامن، پاک طینت اور ہمیشہ علم کی جستجو میں مشغول رہا کرتے تھے۔

یحییٰ بن ابراہیم سلہاسی کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے حمیدی جیسا صاحب فضل و شرف، صاحب علم و عمل اور علم کی اشاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔ وہ متقی، ثقہ، حدیث اور علل کے امام تھے اور کتاب و سنت کے مطابق اور علماء حدیث کے اسلوب پر علمی تحقیق کرتے تھے ان کی عبارت فصیح ہوتی تھی اور عربی ادب میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ ابو عابد عبدی کہتے ہیں کہ حمیدی نے اپنے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان جیسے شخص کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ محدث شہاب کے پاس حدیث کی سماعت کے لیے حمیدی بہت جاتے تھے اسی لیے حمیدی کا قول ہے: صیرنی الشہاب شہابا..... ”شیخ شہاب نے مجھے ستارہ شہاب بنا دیا ہے۔“

حمیدی نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے جو مشہور ہوئیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) کتاب الجمع بین الصحیحین: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ اس پہلو سے بنیادی اور

اساسی کتاب ہے۔

(۲) تاریخ اندلس

(۳) الذہب المسبوك فی وعظ المملوك

(۴) کتاب الترسل

ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ علوم حدیث کی تین کتابیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ وہ تین یہ ہیں:

(۱) کتاب العلل: اس موضوع پر سب سے مفید کتاب امام دارقطنی کی ہے۔

(۲) کتاب المؤلف والمختلف: اس میں سب سے وقیع کتاب امیر کبیر ابن ماکولا کی ہے جس کا نام ”الاکمال“ ہے۔

(۳) کتاب الوفيات: وفیات کے موضوع پر معیاری کتاب نہیں ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھوں۔

ابن طرخان کہتے ہیں کہ حمیدی ”الجمع بین المحکمین“ کی تالیف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور ”وفیات“ کے موضوع پر کتاب لکھنے کی اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ جب حمیدی کی وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی نماز امام ابو بکر شامی نے جامع قصر بغداد میں پڑھائی اور باب النہر کے قبرستان میں شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ پھر دو سال کے بعد ان کی میت اس قبر سے نکال کر باب حرب کے قبرستان میں مشہور صوفی اور زاہد بشر بن الحارث حافی کی قبر کے پاس دفن کی گئی۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے وصیت کی تھی کہ ان کی میت بشر حافی کی قبر کے پاس دفن کی جائے لیکن مظفر ابن رئیس الرؤساء نے وصیت کے خلاف عمل کیا۔ ایک عرصہ کے بعد رئیس نے حمیدی کی میت کو قبر سے نکلوا کر وصیت کے مطابق دوسری قبر بشر حافی کی قبر سے متصل منتقل کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

پانچویں صدی کے مشہور محدثین کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم چھٹی صدی ہجری کے ان علمائے

حدیث کا ذکر کریں گے جنہوں نے حدیث کی ترویج، اشاعت اور تطویر کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔

2.6 السمعانی

آپ کا نام محمد، اور کنیت ابو بکر ہے۔ سمعانی، مروزی اور تمیمی نسبتیں ہیں۔ والد کا نام ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار ہے۔ اپنے عہد کے حافظ حدیث، امام اور خطیب تھے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی وعظ و نصیحت کا درس دیتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں بہت چاشنی، جاذبیت اور تاثیر تھی۔ عربی ادب، علم حدیث، علم رجال اور انساب میں کمال حاصل تھا۔ ان علوم میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ اپنے وعظ میں اسانید کے ساتھ حدیث بیان کرتے تھے۔ جامع مرو میں ایک سو چالیس مجالس میں املا کرایا۔ ایک دفعہ عین مجلس میں حاضرین ان کے حافظہ کا امتحان لیا اور اس روایات کی اسانید کو الٹ پلٹ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ امام سمعانی نے سب روایات کے متون اور اسانید کو درست کر کے بتا دیا جس کے بعد لوگوں نے ان کی صلاحیت، قابلیت اور قوت حافظہ کا اعتراف کیا۔ اس مجلس میں انہوں نے اپنے طلبہ کے لیے تعاون طلب کیا۔ لوگوں نے ہزاروں دینار پیش کئے۔ امام سمعانی نے کئی کتابیں لکھیں لیکن آپ کی شہرت ”کتاب الانساب“ کی وجہ سے ہے۔ ابو بکر السمعانی کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر تینتالیس (۴۳) سال تھی۔ آپ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے۔ امراء اور سلاطین سے جب ملتے تھے اس وقت بھی بے باکی اور تشخص کے ساتھ ملتے تھے۔

2.7 بغوی

ابو محمد کنیت اور حسین نام ہے۔ محی السنۃ اور رکن الدین کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ والد کا نام مسعود بن محمد بن القراء ہے۔ امام بغوی حافظ، مجتہد اور اپنے عہد کے امام تھے۔ علماء ربانین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عابد، زاہد اور بہت قانع تھے۔ بالکل سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اور زیادہ وقت اللہ جل شانہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ علم و عمل کے جامع تھے۔ آپ نے فقہ اور حدیث میں قاضی حسین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی

(۸۰) سال کی عمر میں ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے شیخ قاضی حسین کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

نوٹ: امام بغوی کے بارے میں آپ کورس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۱ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

2.8 رزین (م ۵۲۰ھ)

ابوالحسن کنیت اور رزین نام ہے۔ والد کا نام معاویہ بن عمار عبد رى ہے۔ اندلس کے شہر سر قسطہ کے رہنے والے تھے۔ اس لیے اندلسی سر قسطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ مکہ مکرمہ میں طویل قیام کیا۔ یہیں رہتے ہوئے ابو مکتوم اور عیسیٰ بن ابوزر الہروی سے حدیث کی روایت کی۔ اپنے دور کے حافظ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ امام رزین بن معاویہ نے کئی کتابیں تالیف کیں لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت ”کتاب التجرید“ سے ہوئی۔ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحاح کی پانچ کتب اور موطا امام مالک کی روایات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ آپ کی دوسری تالیف ”أخبار مکة“ ہے۔ امام رزین نے مصادر حدیث کی تجرید میں بہت محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بعد میں آنے والے کئی حضرات نے اس کی بنیاد پر مصادر حدیث کی تجرید کی ہے۔ ۵۲۰ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

2.9 سمعانی (۵۰۶-۵۶۲ھ)

ابوسعید کنیت اور عبد الکریم نام ہے۔ تاج الاسلام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سمعانی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام احمد ہے۔ حافظ ذہبی نے آپ کا نام اور نسب اس طرح لکھا ہے: ابوسعید عبد الکریم بن احمد الحافظ تاج الاسلام معین الدین بن ابی بکر محمد بن العلاء المجتہد ابی المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار السمعانی المرزوی۔

ابوسعید السمعانی ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۵۰۹ھ کے اواخر میں ان کے والد انہیں اپنے ساتھ نیشاپور

لے گئے۔ ۵۱۰ھ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کی کفالت اور پرورش ان کے اہل خاندان نے کی۔ قرآن مجید کے حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تحصیل کی طرف آپ راغب ہوئے اور اسی مقصد کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ مرو، اصبہان، بغداد، کوفہ، دمشق، بخارا، سمرقند، اور بلخ کا سفر کر کے وہاں کے علماء حدیث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت ذکی، فہیم، ثقہ، حافظ، عادل، دیندار اور سیرت و صورت کے پیکر تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس سے سمعانی نے بیان کیا تھا کہ ان کے شیوخ کی تعداد سات ہزار ہے۔ سمعانی کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور عالم کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ سمعانی کی تالیفات بہت ہیں اور سب ہی مفید اور معیاری ہیں۔ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت اور عزت دی وہ ”المعجم“ ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ”التخیر“ ہے جس میں انہوں نے اپنے شیوخ کے حالات لکھے ہیں۔ یہ بھی بہت مفید کتاب ہے جسے بہت محنت اور اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ ۵۶۲ھ میں جب آپ مرو میں تھے آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.10 حافظ ابن سباکر

ابوالقاسم کنیت اور علی نام ہے۔ والد کا نام حسن ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبہ اللہ ابن عبد اللہ بن حسین۔ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے دور کے حافظ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ حافظ کبیر اور فخر الاممہ کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ۴۹۹ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد اور بھائی ضیاء الدین کی توجہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ بغداد، کوفہ، اصبہان، مرو اور ہرات کے علمی مراکز سے استفادہ کیا۔ ابن عساکر کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو کے لگ بھگ ہے۔ ابن عساکر نے لکھا اور خوب لکھا۔ لیکن آپ کی شہرت جس کتاب سے ہوئی وہ ”تاریخ دمشق“ ہے۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے۔ دوسری کتاب ”الموافقات“ ہے جو

چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

سمعیانی کہتے ہیں کہ ابن عساکر حافظ، ثقہ، صاحب اتقان، دین دار اور صاحب علم و فضل تھے۔ متون اور اسناد کے جامع تھے۔ تحصیل علم میں بڑی محنت کی تھی اور علم کے اس قدر جامع تھے کہ دوسرے علماء اس وصف سے متصف نہ تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء آپ کے علم و فضل کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ ابن عساکر کے فرزند محدث بہاء الدین قاسم کہتے ہیں کہ میرے والد جماعت کے پابند تھے۔ ہر رات تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں مسلسل عبادت کرتے تھے۔ منارہ شرقیہ میں محکم ہوتے تھے۔ نوافل اور اذکار میں مشغول رہتے تھے اور اپنے نفس کا برابر محاسبہ کرتے تھے کہ کوئی لحظہ ذکر الہی کے بغیر نہ گزر جائے۔

ابوالمواہب کہتے ہیں کہ میں چالیس سال سے برابر ابن عساکر کو دیکھتا آ رہا ہوں کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رہتے تھے اور رمضان میں اعتکاف کرتے تھے۔ وسائل کے حصول کا خیال کبھی ان کے دل میں نہیں گزرا۔ منصب کی طلب سے بھی روگردانی کی۔ ہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ابن عساکر کی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے بغداد کے لوگ انہیں ”شعلہ آتش“ کہتے تھے۔ حافظ عبدالقادر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکر سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ ابن عساکر اپنے وقت کے امام المحدثین تھے۔ حفظ، اتقان اور علم میں ریاست ان پر ختم ہو گئی تھی۔ ابن عساکر کے فرزند کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ۱۱۷۵ھ کو ہوئی اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کے مرثیے کہے اور پڑھ کر سنائے۔ انہیں باب الصغیر میں دفن کیا گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

11.2 ابن بشکوال

ابو القاسم کنیت اور خلف نام ہے۔ اپنے پردادا بشکوال کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام عبدالملک ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو القاسم خلف بن بعد الملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال بن یوسف انصاری

اندلسی۔ ابن بشکوال اندلس کے محدث اور مؤرخ تھے۔ ۴۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور اندلس کے علماء اور محدثین سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے علم حدیث کی طرف خاص توجہ دی۔ روایت کے طرق اور وجوہ سے آپ پوری طرح واقف تھے اور اپنے عہد کے علماء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اپنے شیوخ سے چھوٹی بڑی چار سو کتابوں کی روایت سند کے ساتھ کی ہے۔ ابن بشکوال نے اپنا حلقہ قائم کیا تھا جس میں اطراف و اکناف سے طلبہ آکر قیام کرتے تھے۔ اور آپ سے مستفید ہوتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ آپ کا سلوک اور رویہ مثالی تھا۔ آپ نہایت خلیق اور متواضع تھے۔ مختلف عنوانات پر آپ نے پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اندلس کے مشہور شہر اشبیلہ میں ابن العربی کی نیابت میں قاضی بھی رہے۔ بعد میں آپ نے اپنے آپ کو علمی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا اور آخر تک تعلیم و تدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ ۸ رمضان المبارک ۵۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت عمر چوراسی (۸۴) سال ہو گئی تھی۔ اور امام یحییٰ بن یحییٰ لیشی کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

12. ابن جوزی

عبدالرحمن نام اور کنیت ابن جوزی ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: عبدالرحمن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن عبداللہ القرشی البغدادی۔

ابن جوزی کے پردادا کے گھر میں جو واسط میں تھا ایک درخت جوزہ (اخروٹ) کا تھا۔ اس درخت کے علاوہ شہر واسط میں اور کوئی درخت جوزہ کا نہ تھا۔ اس لیے وہ جوزی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے پردادا کی اسی نسبت پر عبدالرحمن ابن جوزی کہے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

ابن جوزی عراق کے عالم، حافظ، امام اور واعظ تھے۔ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت ابن جوزی کی عمر تین سال کی تھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پھوپھی نے ان کی پرورش کی۔ ان کے عزیز واقارب تانبے کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ابن جوزی نے اپنا نام سماع حدیث میں ”عبدالرحمن بن علی الصفار“ لکھا ہے۔

ابن جوزی کی مجلس وعظ بہت مشہور تھی۔ اس لیے وہ ”واعظ الآفاق“ کہلاتے تھے۔ ان کی مجلس وعظ میں عموماً ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا اور کبھی کبھی ایک لاکھ تک سننے والوں کی تعداد پہنچ جاتی تھی۔

حافظ ابن جوزی نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ ان کی تالیفات کی تعداد دو سو پچاسی سے زیادہ ہے۔ المنتظم، صفوۃ الصفوۃ، الموضوعات اور العلل ان کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔

الموفق عبداللطیف کہتے ہیں کہ ابن جوزی خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ بہت شستہ زبان بولتے تھے ان کی مجلس وعظ میں ایک لاکھ بلکہ کچھ زیادہ ہی لوگ شریک ہوتے تھے وہ اپنے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ ہر روز چار بیاض (کاپیاں) لکھ لیتے تھے۔ ہر فن میں انہیں درک تھا۔ تفسیر میں ان کا شمار بلند پایہ مفسرین میں تھا۔ حدیث کے حافظ تھے۔ تاریخ کی معلومات میں وسعت رکھتے تھے۔ فقہ میں وافر حصہ پایا تھا اور وعظ گوئی میں بہت قوی ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی تالیفات اطراف و اکناف میں پھیل گئی تھیں۔ ابن جوزی کی وفات جمعہ کے دن ۱۳ رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو ہوئی اس وقت ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔ باب حرب کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

2.13 سہیلی (م ۵۸۱ھ)

عبدالرحمن نام ہے۔ ابوالقاسم اور ابو زید کنیت ہے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد بن اصغ بن حسین بن سعد بن اندلسی مالقی۔ اندلس کے مشہور شہر مالقہ سے متصل سہیل نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس گاؤں کا نام سہیل اس لیے رکھا گیا تھا کہ ستارہ سہیل صرف اسی گاؤں کے پہاڑ کے اوپر سے نظر آتا تھا۔ اس گاؤں میں رہنے کی وجہ سے آپ سہیلی مشہور ہو گئے۔ آپ کی پیدائش اشبیلیہ میں ہوئی۔

سہیلی نے اندلس کے مختلف شیوخ اور علماء سے استفادہ کیا۔ عربی زبان میں اتنی مہارت پیدا کی کہ وہ اس زبان کے امام تسلیم کئے گئے۔ دوسرے فنون میں انہیں کافی دستگاہ حاصل تھی۔ نہایت ذہین اور ذکی واقع

ہوئے تھے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت تھی۔ ابو جعفر بن الزبیر کہتے ہیں کہ سہیلی کا علم وسیع تھا۔ نحو، لغت، تفسیر، حدیث، رجال، انساب، علم کلام، اور اصولی فقہ کے عالم، قدیم و جدید تاریخ کے ماہر تھے اور استنباط و استخراج نیز تجزیہ و تحلیل میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابو القاسم عبید الرحمن سترہ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حیرت ہے کہ اس نابینائی کی حالت میں انہوں نے تالیف و تصنیف کا کام جاری رکھا اور متعدد کتابیں تالیف کیں۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت جس کتاب کے باعث ہوئی وہ ”الروض الأنف“ ہے جس میں سیرت نبوی ﷺ کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے۔ یہ بہت مفید اور وسیع کتاب ہے اس کتاب کی تالیف میں سہیلی نے ایک سو بیس ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب ”الاعلام بالہم فی القرآن من الأعلام“ ہے۔ ایک اور کتاب ”فرائض“ بے متعلق ہے۔ سہیلی منصب قضا پر بھی فائز رہے اور بہت کامیاب قاضی رہے۔ سہیلی کے شاگرد ابو الخطاب ابن وہبہ کہتے ہیں کہ سہیلی بہت پاکیزہ اور پرہیزگار تھے۔ ان کی زندگی تنگدستی سے بسر ہوتی تھی۔ لیکن ہمیشہ شاکر اور قانع رہتے تھے۔ مراکش کے سلطان کو آپ کی تنگدستی کے بارے میں معلوم ہوا تو انہیں مراکش بلا لیا اور معاشی پریشانی کا ازالہ کر دیا۔ مراکش میں تین سال قیام کے بعد آپ ۵۸۱ھ میں انتقال فرما گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

خود آزمائی ②

- ۱- امام بیہقی اور خطیب بغدادی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان ائمہ کی تالیفی خدمات کی نشاندہی کیجئے۔
- ۲- حافظ ابن عبدالبر قرطبی اور امیر ابن ماکولانے حدیث کی اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیجئے۔
- ۳- امام حمیدی اندلسی اور حافظ سمعانی نے حدیث کے لٹریچر میں جو نئی جہات نمایاں کیں ان پر تبصرہ کیجئے۔
- ۴- حافظ بغوی اور حافظ رزین نے جن تالیفات پر زیادہ توجہ دی اور جن کی وجہ سے انہیں مقبولیت حاصل ہوئی ان تالیفات کا تذکرہ کیجئے۔
- ۵- حافظ ابن عساکر دمشقی اور حافظ ابن بشکوال پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- ۶- حافظ ابن الجوزی اور حافظ سیہلی کی خدمات و آثار پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تنقید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العش
- (۳) الجرح والتعديل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الاصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للإمام البخاری
- (۷) الكامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الأمم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنۃ قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الكبير لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد ابو زہرۃ
- (۲۰) ضحی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑥

حدیث کا پانچواں دور

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

181	یونٹ کا تعارف
182	یونٹ کے مقاصد
183	① حدیث کا پانچواں دور
183	1.1 مجدد الدین ابن اثیر الجزری
186	1.2 عز الدین ابوالحسن ابن اثیر الجزری
187	1.3 حافظ ابن الصلاح
191	1.4 امام نووی
193	1.5 حافظ ابن دقیق العید
193	1.6 حافظ جمال الدین مرّی
194	1.7 حافظ ابن تیمیہ
195	1.8 حافظ ذہبی

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق حدیث کے پانچویں دور سے ہے۔ کسی بھی علم اور فن کے اصول و مصادر اور مآخذ و مراجع تک رسائی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس فن کے ابتدائی ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور سے طلبہ علوم و فنون کی تاریخ میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ نصاب کی مقررہ کتاب کا وہ حصہ پڑھ لیا جائے جس سے امتحان کی ضرورت بہ سہولت پوری ہو سکے۔ اس رجحان اور میلان کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ کے ہاتھوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں ہوتی ہیں لیکن جس علم اور فن سے متعلق انہوں نے ڈگری حاصل کی ہوتی ہے اس علم و فن کے اعلام اور مصادر سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے۔ یا اگر واقف ہوتے ہیں تو محض نام کی حد تک ہوتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہمارے یہاں جو طلبہ حدیث کی طرف آتے ہیں وہ متون پر ساری توجہ دیتے ہیں۔ اصول اور تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اساتذہ بھی عموماً یہی کرتے ہیں کہ طلبہ کو متون کے مصادر پڑھا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ طالب علم نے حدیث پڑھ لی۔ حالانکہ طالب علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کتاب کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے جو اس نے پڑھ لی ہوتی ہے نہ کتاب کے مؤلف کے بارے میں وہ جانتا ہے جس کی تالیف اس نے پڑھ لی ہوتی ہے۔ نہ اس کی شروح کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ کتاب اور مؤلف کے مقام و مرتبہ کے بارے میں وہ آگاہ ہوتا ہے۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لئے عام طور پر اور حدیث کے طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ مصادر حدیث کے مؤلفین اور رواۃ حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات انہیں از بر ہونی چاہئیں تاکہ دوران مطالعہ وہ روایات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی معلومات جمع کی جائیں اور انہیں آسان پیرائے میں پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇨ حافظ ابن اثیر الجزری کی تالیفی خدمات پر گفتگو کر سکیں۔

⇨ حافظ عز الدین الجزری کا تعارف کروا سکیں۔

⇨ حافظ ابن الصلاح کی تالیفات اور آثار پر ایک جامع نوٹ تحریر کر سکیں۔

⇨ امام نووی کے دور اور علماء حدیث کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر بحث کر سکیں۔

⇨ حافظ ابن دقیق العید کی ان خدمات کا جائزہ لے سکیں جو انہوں نے حدیث کی اشاعت کے لیے

انجام دیں۔

⇨ حافظ جمال الدین ممزی اور حافظ ابن تیمیہ کے احوال و آثار کے بارے میں سیر حاصل تیسرہ کر

سکیں۔

⇨ حافظ ذہبی کی تالیفات کا تذکرہ کر سکیں۔

① حدیث کا پانچواں دور

چھٹی صدی ہجری کی طرح ساتویں صدی ہجری میں بھی علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے علماء اور نابغہ روزگار پیدا ہوئے۔ اس صدی کے تمام محدثین کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یونٹ میں مشکل ہے اس لیے چند اُن حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کی خدمات اس مجال میں بہت زیادہ ہیں۔ اور جنہوں نے نئے نئے پیرایوں کے ساتھ علم حدیث کی ترویج کے لیے کام کیا ہے۔ اس صدی میں زیادہ تر کام گزشتہ صدیوں کی تالیفات اور مجموعوں کی تہذیب و تنقیح اور ترتیب کے حوالہ سے ہوا۔

1.1 مجدالدین ابن اثیر الجزیری (۵۴۴-۶۰۶ھ)

ابو السعادات کنیت، مبارک نام، اور مجد الدین لقب ہے۔ والد کا نام ابو الکرم محمد بن عبد الکرم بن عبد الواحد شیبانی ہے۔ آپ ربیع الاول ۵۴۴ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے۔ اس جزیرہ کو رئیس عبدالعزیز بن عمر نے آباد کیا تھا۔ اس کے نام پر جزیرہ ابن عمر موسوم ہو گیا۔ اس جزیرہ کے چاروں طرف دریائے دجلہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور شہر موصل سے اوپر واقع ہے۔ ابو السعادات مجد الدین ابن اثیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی ابو الحسن عز الدین علی بھی ابن اثیر کے نام سے معروف اور مشہور ہیں۔ یہ دونوں بھائی علم و فضل میں یکتا روزگار تھے۔

مجد الدین ابن اثیر کی نشو و نما جزیرہ ابن عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ شہر موصل میں منتقل ہو گئے۔ مجد الدین قاضی الخادم الزبیری نائب سلطنت کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور کتابت و انشاء کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ یہ خدمت حکومت کے اعلیٰ مناصب میں شمار کی جاتی تھی۔ آپ امیر قاضی کے روبرو سلاطین عالم کے نام خط اور مراسلے لکھا کرتے تھے۔ ایک دور آپ پر ایسا آیا کہ ۵۸۹ھ میں آپ گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈال دیئے

گئے اور سبب یہ ہوا کہ جب سلطان عز الدین مسعود اپنے بھائی سیف الدین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے تو اہل فساد اور دشمنوں نے مجد الدین کے خلاف سازش کی اور خادم قانماز کو جھوٹی اطلاع دے کر اور غلط الزامات لگا کر پیہم اصرار کر کے انہیں گرفتار کرادیا۔ لیکن جلد ہی قانماز کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی اور تمام الزامات جو آپ پر لگائے گئے تھے غلط ثابت ہوئے اور آپ قید سے رہا کر دیئے گئے۔ اور اپنی سابقہ حیثیت پر بحال رکھے گئے۔ اور جب ۵۹۵ھ میں خادم قانماز کا انتقال ہو گیا تو وہ اس خدمت سے کنارہ کش ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی کہتے ہیں کہ سلطان عز الدین مسعود کی زندگی تک شیخ مجد الدین خدمتِ انشا و کتابت پر برقرار رہے تھے۔

جب موصل کی حکومت نور الدین ارسلان شاہ ابن سلطان عز الدین مسعود کو ملی اس نے اپنے مملوک لؤلؤ کو شیخ مجد الدین کے پاس بھیجا کہ وہ وزارت کا عہدہ قبول فرمائیں لیکن شیخ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر خود سلطان نور الدین ارسلان شاہ کے پاس آیا اور وزارت کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا۔ اس وقت بھی شیخ نے معذرت کی اور کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری علمی خدمت کی شہرت ہو چکی ہے اور وزارت کی حالت میں کچھ سختیاں بھی کرنی پڑتی ہیں جو ظلم کے معنی میں ہوتی ہیں اور یہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے اس لیے مجھے عہدہ وزارت کے قبول کرنے سے معاف فرمایا جائے۔ چنانچہ سلطان نے شیخ کی معذرت قبول فرمائی۔ لیکن مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ شیخ مجد الدین نور الدین ارسلان شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے اور عرصہ تک اس دربار میں کتابت و انشاء کے فرائض انجام دیتے رہے اور نیک نام رہے۔ اور نور الدین ارسلان شاہ بھی ان سے برابر خوش رہا۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں میں ایسا مرض لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو سیدھا کرنے سے معذور ہو گئے۔ یہیں ان کے پاس امراء، اعیان سلطنت اور اکابر و علماء آتے تھے اور ان سے مشورہ لے کر جاتے تھے۔

شیخ مجد الدین کے چھوٹے بھائی شیخ عز الدین ابوالحسن علی کا کہنا ہے کہ جب شیخ مجد الدین بیماری کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے تھے اس دور میں ان کے پاس ایک طبیب آیا۔ اس نے شیخ کا علاج شروع کیا۔ اس طبیب نے ایک قسم کا روغن تیار کیا اور روزانہ شیخ مجد الدین کے ہاتھ پاؤں میں مالش کرنے لگا۔ چند دنوں کے بعد کچھ

افاقہ محسوس ہوا۔ شیخ بیماری کی حالت میں بہت پرسکون رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان سے پوچھا گیا تو کہنے لگے: میں اب اپنی پہلی زندگی کی بہ نسبت زیادہ آرام اور راحت میں ہوں۔ گھر میں دل جمعی سے بیٹھا ہوں۔ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔ اور میری رائے لے کر جاتے ہیں۔ پہلے جب میں صحت مند تھا تو ان کے پاس جاتا تھا۔ اب میری عمر کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ میں اپنی زندگی کو آرام سے گزارنا چاہتا ہوں۔ شیخ عزالدین کہتے ہیں: شیخ کو اس طبیب کی دوائی اور علاج سے افاقہ بھی ہوا۔ لیکن پوری طرح صحت نہیں ملی۔ شیخ نے گھر میں رہتے ہوئے تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے متعدد علماء کو اپنے پاس رکھا تھا جو ان کی تالیف و تصنیف میں مدد کرتے تھے۔ یہ حضرات کتابت کرتے تھے اور مصادر و مآخذ سے مواد جمع کرتے تھے۔ شیخ مجدالدین نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن آپ کو جس کتاب کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ ”جامع الاصول“ ہے۔ اس کتاب کو آپ نے امام رزین بن معاویہ کی کتاب التجرید کو مد نظر رکھ کر مرتب کیا۔ اس میں مؤطا امام مالک، صحیحین، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی کی روایات کو اسانید حذف کر کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ امام رزین بن معاویہ کی کتاب التجرید اور امام ابن اثیر الجزری کی جامع الاصول میں بنیادی فرق یہ ہے کہ امام رزین نے روایات کو ابواب کے تحت جمع نہیں کیا بلکہ محض تجرید کی ہے اور امام ابن اثیر الجزری نے تجرید کے ساتھ ساتھ تبویب بھی کی ہے۔ بعض روایات کو ابواب کے تحت جمع کیا ہے۔ امام ابن اثیر نے حدیث کے جس ماخذ سے روایت لی ہے اس کی علامت بھی لکھی ہے۔ تاکہ اس سے استفادہ کرنے والے کو آسانی ہو۔ مثلاً صحیح بخاری کے لیے ”خ“..... صحیح مسلم کے لیے ”م“..... مؤطا امام مالک کے لیے ”ط“..... جامع ترمذی کے لیے ”ت“..... سنن ابوداؤد کے لیے ”ذ“ اور سنن نسائی کے لیے ”س“ کی علامات مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی حدیث ایسی ہو جو ان تمام مصادر میں روایت کی گئی ہو تو آپ نے ساری علامات ابتدا میں لکھ دی ہیں۔ علاوہ ازیں روایات میں مشکل اور غریب الفاظ و کلمات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اور حواشی میں ضروری نکات بھی شامل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت مفید ہے۔ شیخ مجدالدین کی دوسری کتاب جسے حدیث کے لٹریچر میں بہت اہمیت حاصل ہے وہ ”النهاية في غريب الحديث“ ہے۔ یہ کتاب اسم باسمی ہے۔ اور غریب الحديث کے موضوع پر سب سے زیادہ متداول اور

راج ہے۔ آپ کی تیسری اہم کتاب ”الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف“ ہے۔ یہ تفسیر ثعلبی اور زمخشری سے ماخوذ ہے اور بہت بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کو بھی علماء کے ہاں اہمیت حاصل رہی:

- (۱) کتاب الادعیۃ والاذکار
- (۲) کتاب المذبح فی شرح الفصول (اس کا تعلق نحو سے ہے)۔
- (۳) کتاب الثانی فی شرح مسند الامام الشافعی
- (۴) دیوان رسائل

شیخ مجد الدین کی وفات موصل میں ذی الحجہ ۶۰۶ھ کو ہوئی اور اندرون شہر درب الدرج کی رباط میں مدفون ہوئے۔

شیخ عز الدین آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ شیخ مجد الدین فقہ، اصول، نحو، حدیث اور لغت کے عالم تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، ریاضی اور غریب الحدیث پر ان کی تالیفات مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے مدون رسائل ہیں۔ شیخ بہت دین دار اور پرہیزگار تھے۔ آپ کا تقویٰ اور دین داری ضرب المثل تھی۔ اپنے دور کے مقبول ترین اور محبوب ترین شخص تھے۔ معاصر علماء نے آپ کے علم و فضل اور سیرت و کردار کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔ (مقدمۃ جامع الاصول)

1.2 عز الدین ابن اثیر

ابوالحسن کنیت، عز الدین لقب اور علی نام ہے۔ ابن اثیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام ابوالکرم محمد بن بن محمد بن عبدالکرمیم ہے۔ اس خاندان کی اصل نیشاپوری ہے۔ عز الدین ابن اثیر کی پیدائش جزیرہ ابن عمر میں ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ عز الدین، شیخ مجد الدین ابن اثیر کے چھوٹے بھائی ہے۔ عز الدین نے بغداد، دمشق، حلب اور موصل کے اکابر علماء اور شیوخ سے استفادہ کیا اور فراغت کے بعد علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ آپ

اپنے دور کے محدث، لغوی اور مؤرخ تھے۔ حافظ ذہبی نے آپ کو امام، علامہ، حافظ اور فخر العلماء کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ صحابہ کرام کے حالات اور ان کے انساب کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے اسی لیے انہیں نسابہ (بہت زیادہ نسب جاننے والا) کہا جاتا تھا۔ عزالدین ابن اثیر کے گھر میں علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا جس کی وجہ سے ان کا گھر دار العلماء مشہور تھا۔ تواضع، کرم اور فضائل کے لیے آپ ضرب المثل تھے۔ آپ حکومت و وقت کی طرف سے شام میں سفیر بھی رہے۔ آپ نے موصل کی مستقل تاریخ لکھنا شروع کیا تھا لیکن یہ تاریخ مکمل نہ ہو سکی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ جن کتابوں کے باعث آپ کی شہرت ہوئی ان میں ایک ”اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ“ ہے۔ اس کتاب میں آپ نے صحابہ کرام کے حالات ترتیب کے ساتھ قلم بند کئے ہیں۔ اس موضوع پر اس سے پہلے امام احمد بن حنبل اور امام ابن عبد البر بنیادی کام کر چکے تھے۔ امام عزالدین نے سابقہ مصادر کو مد نظر رکھ کر اپنی کتاب مرتب کی۔ بعد میں اس موضوع پر جن علماء نے کام کیا انہوں نے اس کتاب کو بنیاد بنایا۔ مثلاً حافظ ابن حجر نے ”الاصابۃ“ میں اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ”الکامل“ ہے۔ اس کا تعلق تاریخ سے ہے اور اسم بامستی ہے۔ تاریخ کے طلبہ اور اساتذہ اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ بہت مفید، وسیع اور متداول کتاب ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

1.3 حافظ ابن الصلاح

ابو عمرو کنیت، عثمان نام اور تقی الدین لقب ہے۔ والد کا نام عبد الوحش بن عثمان بن موسیٰ ہے۔ ابو عمرو کے والد کا لقب صلاح الدین تھا جس کی طرف نسبت سے وہ ابن صلاح مشہور ہو گئے۔ ابن الصلاح نسلاً کردی تھے۔ شامی عراق کے علاقہ اربل کے قصبہ شہرزور کے قریب ایک گاؤں شرخان میں ۵۲۲ھ میں پیدا ہوئے اس لیے کردی، شہرزوری اور شرخانی کہلاتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کے والد جلیل القدر، فقیہ اور امام شافعی کی فقہ میں تبحر تھے۔ اپنے دور کے مفتی اعظم تھے۔ علم و فضل میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے فرزند ابن الصلاح کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ حافظ ابن الصلاح نے فقہ اور اصول فقہ میں اپنے والد سے استفادہ کیا۔ فقہ شافعی کے اہم مصادر کا بالالتزام مطالعہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے موصل کا سفر کیا۔ موصل کے علماء اور اساتذہ

سے آپ نے تفسیر، حدیث، لغت اور دیگر فنون حاصل کئے۔ اس کے بعد حافظ ابن الصلاح نے اس دور کے دستور کے مطابق علمی مراکز کا سفر کیا۔ آپ بغداد، شام، حلب، خراسان اور نیشاپور گئے اور وہاں کے شیوخ اور علمائے حدیث سے سماعت کی۔ مسلسل محنت اور اہتمام کی وجہ سے آپ نے علوم و فنون میں رسوخ حاصل کیا اور نامور علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اپنے سفر کے اختتام پر آپ شام گئے اور یہیں قیام کیا۔ شام میں رہ کر آپ علوم کی اشاعت اور تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ کے علم و فضل کی شہرت ہو گئی اور فقہ میں مہارت کی وجہ سے مفتی اور شیخ الاسلام کہلائے۔ حدیث اور علوم حدیث میں اعلیٰ صلاحیت اور تفوق رکھنے کی وجہ سے طلبہ اطراف و اکناف سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بکثرت ان کے پاس آنے لگے۔ محدثین اور حفاظ بھی آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ حدیث اور فنون حدیث میں کمال تبحر کی وجہ سے جب علماء کے حلقہ میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال ہوتا تو اس سے مراد حافظ ابن الصلاح ہی لیے جاتے تھے۔ اسی کی طرف حافظ عراقی نے اپنی الفیہ میں اشارہ کیا ہے:

وكلما اطلقت لفظ الشيخ ما

أريد إلا ابن الصلاح مبهما

”جب میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال کرتا ہوں تو اس ابہام سے میری مراد حافظ

ابن الصلاح ہی ہوتے ہیں۔“

شیخ ابن الصلاح نے جس مدرسہ میں بحیثیت صدر تدریسی خدمات انجام دی تھیں ان مدارس کے نام یہ ہیں:

(۱) مدرسہ ناصریہ: یہ مدرسہ ”القدس“ میں تھا جو ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کی طرف منسوب

تھا۔ یہاں شیخ ابن الصلاح نے مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۲) مدرسہ رواجیہ: ”القدس“ سے جب آپ دمشق منتقل ہو گئے تو یہاں مدرسہ رواجیہ میں تدریس شروع کی۔

اس مدرسہ کو الزکی ابو جلب ہبۃ اللہ بن عبد الواحد بن رواد الحموی نے قائم کیا تھا۔ اس نے ایک دوسرا

مدرسہ ”رواجیہ“ کے نام سے جلب میں بھی قائم کیا تھا۔

(۳) دارالحدیث دمشق: ملک الاشرف ابن الملک العادل بن ایوب نے جب دمشق میں دارالحدیث قائم کیا تو

اس میں تدریس کے لیے حافظ ابن الصلاح کو منتخب کیا۔

(۴) دارالحدیث دمشق میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے کے بعد آپ مدرسہ ست الشام زمرد خاتون بنت ایوب میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ یہ مدرسہ شہر کے وسط میں بیمارستان نور کے مقابل واقع تھا۔ زمرد خاتون شمس الدولہ توران شاہ بن ایوب کی بہن تھیں۔ اس خاتون نے ایک دوسرا مدرسہ دمشق کے بیرونی حصہ میں بھی قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے احاطہ میں اس خاتون اور اس کے بھائی توران شاہ اور اس کے شوہر ناصر الدین بن اسد الدین والی حمص کی قبریں ہیں۔

ان تین مدارس میں حافظ ابن الصلاح نے اپنی تدریسی خدمات کی اعلیٰ صلاحیت کے جوہر دکھائے۔ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ”العمر“ میں لکھا ہے کہ شیخ ابن الصلاح نے مدرسہ رواجیہ اور دارالحدیث دمشق میں تیرہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شیخ ابن الصلاح کی خدمات میں جو اکابر علماء اور فقہاء رہ کر مستفید ہوتے حافظ ذہبی نے ان کے نام لکھے ہیں ان میں شمس الدین عبدالرحمن بن نوح، کمال الدین اسحاق، تقی الدین ابن رزین وغیرہ داخل ہیں۔ شیخ ابن الصلاح نہایت دین دار، متقی، مخلص اور دنیا کی طلب سے بے نیاز واقع ہوئے تھے۔ اپنی علمی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے نہایت اچھے لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ان کا قول ہے: علم حدیث نہایت مبارک اور باوقار علم ہے جو مکارم اخلاق اور اچھے محاسن کا مقتضی ہے۔ یہ دنیاوی علم نہیں ہے بلکہ آخرت کے علوم میں سے ہے جو شخص حدیث کی سماعت کا خواہش ہے اسے چاہئے کہ اخلاص اور صحت نیت کو مدنظر رکھے۔

شیخ ابن الصلاح ہمیشہ اپنے احباب اور متعلقین کو بھلائی اور خیر کے کام کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقام مقبولیت سے نوازا تھا۔ عوم، خواص، امراء اور حکام سب آپ کی تعظیم اور تکریم کرتے تھے۔ شیخ ابن الصلاح کے شاگرد ابن خلکان کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء الرجال اور فنون حدیث میں فضلاء عصر سے تھے۔ متعدد علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی ان کے فتاویٰ درست ہوتے تھے۔ وہ میرے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں: تقی الدین ابو عمر ابن الصلاح امام، مفتی اور شیخ الاسلام تھے، وہ پر شوکت، بارعب اور خوش لباس تھے۔ سلطان اور امراء کے نزدیک شیخ عزت و وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ امام ابو حفص ابن الحاجب کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح متقی، صاحب عقل و دانش تھے۔ اصول اور فروع میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ طلب علم میں وہ ضرب المثل تھے۔ عبادت اور اطاعت میں منہمک رہتے تھے۔

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ”فتح المغیث“ کی ابتداء میں لکھا ہے کہ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح الدین، علامہ، فقیہ، امام، حجتہ، حافظ، مفتی عراق اور شیخ الاسلام تھے۔ دینی علوم میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ لغت میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی۔ اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔ مخلوق خدا کو ان سے بہت فائدہ پہنچتا تھا اور آپ کی تصانیف پر سب کو اعتماد تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ شیخ ابن الصلاح کی وفات ۲۵ ربیع الثانی کو دمشق میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر چھیانوہ سال تھی۔ ظہر کے بعد آپ کے جنازہ کی نماز جامع دمشق میں ادا کی گئی۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاح کے جنازہ میں خلقت کا ہجوم تھا۔ جنازہ کو لوگ بڑھ بڑھ کر کندھا دیتے رہے۔ آپ کو باب النصر کے باہر مقابر صوفیہ میں دفن کیا گیا۔ شیخ ابن الصلاح کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

- (۱) طبقات الفقہاء الشافعیہ
- (۲) الآمالی
- (۳) فوائد رحلۃ (سفر نامہ)
- (۴) ادب المفتی والمستفتی
- (۵) صلۃ الناسک فی صفۃ الناسک
- (۶) شرح الوسیط فی فقہ الشافعی
- (۷) الفتاوی
- (۸) شرح صحیح مسلم
- (۹) المؤلف والمختلف فی اسماء الرجال
- (۱۰) علوم الحدیث (مقدمۃ ابن الصلاح)

حافظ زین الدین عراقی کہتے ہیں کہ محدثین نے ”اصطلاح حدیث“ میں جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سب میں سب سے مفید اور بہترین کتاب حافظ ابن الصلاح کا مقدمہ ہے۔

1.4 امام نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ)

ابوزکریا کنیت، محی الدین لقب اور یحییٰ نام ہے۔ والد کا نام شرف بن مری الحزامی ہے۔ مقام نووی کے رہنے والے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی اس نسبت سے ابوزکریا یحییٰ نووی مشہور ہوئے۔ آپ اپنے دور کے امام حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور یکتائے روزگار تھے۔ محرم ۶۳۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور جب ۶۷۶ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ ۶۳۹ھ میں آپ نے دمشق کا سفر کیا۔ یہاں آکر ”رواجیہ“ میں قیام کیا۔ اور یہاں کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ ساڑھے چار ماہ میں کتاب التنبیہ زبانی یاد کر لی اور کتاب المہذب کا چوتھائی حصہ پڑھ کر حفظ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے حج کا ارادہ کر لیا۔ حج سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ ڈیڑھ ماہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ شیخ ابوالحسن عطار کہتے ہیں کہ مجھ سے امام نووی نے بیان کیا کہ میں اپنے اساتذہ سے بارہ سبق پڑھتا تھا اور مشکل الفاظ کو معانی اور مطالب سکے ساتھ اور لغوی الفاظ کو ضبط اعراب کے ساتھ لکھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوقات میں برکت دی۔ ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ طب کا مطالعہ بھی کروں۔ میں نے قانون شیخ کا مطالعہ شروع کیا اور پورے انہماک کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا مگر اس سے میرے دل میں تاریکی پیدا ہو گئی اور اضطراب کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ دھیرے دھیرے مجھ سے مطالعہ چھوٹ گیا۔ بالآخر میں نے قانون شیخ کا نسخہ بیچ دیا۔ اور طب کا مطالعہ بالکل ترک کر دیا۔ شیخ ابوالحسن عطار کہتے ہیں کہ امام نووی شب و روز میں کسی وقت بھی بے کار نہیں رہتے تھے۔ راستہ چلتے ہوئے بھی پڑھتے جاتے تھے۔ آپ نے چھ سال تک مسلسل مطالعہ کیا اس کے بعد تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔

امام نووی عبادت اور اذکار میں برابر مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی سادہ زندگی اختیار کی تھی۔ خورد و نوش بقدر ضرورت تھا لباس بھی بہت کم درجہ کا ہوتا تھا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ شیخ رشید ابن معلم نے نووی کو ملامت کیا کہ تم حجام میں نہیں جاتے ہو۔ کھانا پینا نہایت معمولی ہے اور لباس بھی ادنیٰ درجہ کا پہنتے ہو تو ایسی حالت میں تم بیمار ہو جاؤ گے اور جو کچھ دینی خدمت کر رہے ہو وہ نہیں کر سکو گے۔ امام نووی نے جواب دیا: عبد اللہ بن عمرو بن العاص اتنے روزے رکھتے تھے کہ ان کا بدن نیلا پڑ گیا تھا میرا بدن تو الحمد للہ ٹھیک ہے۔

میں ضرورت کے مطابق کھاتا پیتا ہوں اور لباس پہنتا ہوں۔ امام نووی پھل اور کھیرے وغیرہ نہیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہوتی ہے اور نیند بہت آنے لگتی ہے۔ آپ دن رات میں صرف ایک ہی دفعہ صبح کے وقت کھانا کھاتے تھے۔ ۶۶۵ھ میں آپ کو دارالحدیث کے ”شیخ“ کی حیثیت عطا کی گئی۔ شیخ شمس الدین جنبل کہتے ہیں کہ امام نووی امام کامل، حافظ حدیث، صاحب القان اور تمام علوم میں پختہ تھے۔ آپ نے تمام مرغوب اشیاء کو ترک کر دیا تھا۔

شیخ قطب الدین یونینی کہتے ہیں کہ امام نووی علم، تقویٰ، عبادت، ریاضت میں یکتائے زمانہ تھے۔ ان کی زندگی سادہ تھی۔ آپ لوگوں کو نیکیوں کی ہدایت کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ آپ امراء اور حکام کے پاس تبلیغ اور تلقین کے لیے جاتے تھے اور اللہ جل شانہ کے خوف سے ان کو ڈراتے تھے۔ امام نووی بیت المقدس گئے اور زیارت کر کے واپس ”نووی“ کا سفر کیا۔ نووی پہنچنے کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور اس حد تک بیمار رہے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے۔ امام نووی نے زندگی بھر لکھا اور خوب لکھا۔ آپ کی تالیفات میں صحیح مسلم کی شرح بہت مشہور ہے اور شروع سے متداول ہے اس کے علاوہ ریاض الصالحین، الاذکار، الاربعین، الارشاد، التقریب، کتاب المسہبات، الايضاح، المناسک، التبیان، الروضة اور شرح المہذب ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تذکرۃ الحفاظ از حافظ ذہبی)

خود آزمائی ①

- ۱- حافظ مجد الدین ابن الاثیر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ کی مشہور ترین تالیفات پر ایک نوٹ تحریر کیجئے۔
- ۲- حافظ عز الدین الجزری بحیثیت مؤرخ مشہور ہیں۔ حدیث کے لٹریچر میں ان کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
- ۳- حافظ ابن الصلاح کے مقدمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعد کے مؤلفین نے اس کو بنیاد بنا کر تالیفات کیں۔ اس مقدمہ کی اہمیت اور افادیت کی وضاحت کیجئے۔
- ۴- امام نووی کا تعلق کس دور سے رہا؟ امام نووی کی اہم تالیفات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔

1.5 حافظ ابن دقیق العید (۶۳۳-۷۰۲ھ)

ابوالفتح کنیت، تقی الدین لقب، محمد نام ہے۔ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام علی بن وہب بن مطیع قشیری منقلوطی صعیدی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن دقیق العید کو امام، فقیہ، مجتہد، محدث، حافظ، علامہ اور شیخ الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ شافعی مذہب کے اصول اور جزئیات پر آپ کو عبور تھا۔ شعبان ۶۳۳ھ میں حجاز کے قصبہ ینبوع کے قریب ایک بستی میں آپ کی پیدائش ہوئی اور صفر ۷۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن دقیق العید کی تالیفات میں شرح عمدة اور کتاب الامام فی الاحکام کو شہرت حاصل رہی۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ابن دقیق العید سے سب روایات براہ راست سنی ہیں۔ ایک حدیث کا انہوں نے مجھے املا کرایا تھا۔ اصول اور معقول میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا اور منقول کے علل میں بڑی بصیرت رکھتے تھے آپ دیارِ مصریہ میں منصب قضا پر کئی سال تک فائز رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حافظ قطب الدین حلی کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اہل زمانہ کے امام تھے علم اور زہد میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ دونوں مذاہب (مالکی اور شافعی) سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان دونوں کے اصول کے امام تھے۔ حافظ حدیث، صاحبِ ائقان اور مہارتِ علوم میں ضرب المثل تھے۔ حافظ قوی تھا، ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ شب بیدار تھے، تلاوتِ قرآن، ذکر اور ادا اور تہجد میں رات گزار دیتے اور تمام اوقات میں یادِ الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آنکھوں نے ان کی جیسی ہستی ان کے زمانے میں نہیں دیکھی ہے۔ حافظ ابن دقیق العید منصب قضا پر بار بار فائز کئے جاتے اور کچھ دنوں کے بعد استعفیٰ دے دیتے تھے۔ سلطان حسام الدین سے جب وہ ملنے گئے تو وہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ اپنے طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک اور رویہ رکھتے تھے۔ شیخ کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ نہایت پرسکون اور پروقار زندگی انہوں نے بسر کی۔ آپ کو اللہ جل شانہ نے جہاں علم و فضل سے نوازا تھا وہاں عقل و بصیرت اور ذکاوت و فطانت کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی۔

1.6 حافظ جمال الدین مرّی (۶۵۴-۷۴۲ھ)

ابوالحجاج کنیت، یوسف نام، جمال الدین لقب ہے۔ والد کا نام الزکی عبد الرحمن بن یوسف القضا

الکلی ہے۔ حافظ مزنی ۶۵۴ھ میں شہر حلب کے بیرونی حصہ کی ایک بستی میں پیدا ہوئے اور ”المزنی“ میں نشوونما پائی۔ اس لیے مزنی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ حافظ مزنی شافعی مذہب کے اصول اور فروع میں مہارت کے لیے مشہور تھے۔ حافظ حدیث، حافظ قرآن اور محدث شام کہے جاتے تھے۔ حرین شریفین، حلب، حماة اور بلبلک کے شہر سے آپ نے استفادہ کیا۔ نہایت خوشخط تھے۔ عربی ادب کا گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور علم رجال کے علمبردار تھے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ فن رجال میں حافظ مزنی اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ آنکھوں نے ان کے جیسے آدمی کو نہیں دیکھا ہے۔ فن رجال میں آپ کی تصنیف ”تہذیب الکمال“ بڑے پایہ کی کتاب ہے جو دو سو اجزاء پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب ”اطراف“ ہے جو اطراف مزنی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اسی (۸۰) سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ مختلف مقامات کے علمی حلقوں اور درسگاہوں سے آپ نے استفادہ کیا۔ اور اپنے دور کے اہم مراکز میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ الدار الاشرافیہ میں ایک عرصہ تک آپ عوام اور خواص کا مرجع رہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ شیخ مزنی ثقہ، حجت، صاحب علم، بہترین اخلاق کے حامل، متواضع، حلیم، کم گو اور زیادہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ اکل و شرب اور لباس میں اعتدال کے پابند تھے۔ لوگوں کے مصالح اور خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ سماع حدیث میں شیخ ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ فقہ میں طریقہ سلف کے حامل تھے۔ معقولات اور ماوراء معقولات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ مزنی میرے استاد تھے۔ معقولات میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوب بحث و مباحثہ کرتے تھے۔

شیخ مزنی کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ اس لیے آپ اپنا زیادہ تر وقت عبادت اور ریاضت میں گذراتے تھے۔ تنہائی اور سکوت آپ کو مرغوب تھی۔ ۷۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.7 حافظ ابن تیمیہ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ)

ابو العباس کنیت، تقی الدین لقب، احمد نام اور ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام مفتی شہاب الدین عبد الحلیم ابن امام مجد الدین عبد السلام بن عبد اللہ بن ابو القاسم الحرانی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام، علامہ، حافظ، ناقد، مفسر، مجتہد، علم الزہاد، نادرۃ العصر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ربیع الاول کے مہینہ میں

۶۶۱ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے دور کے بیشتر مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ نے مختلف علوم اور فنون میں مہارت حاصل کی لیکن آپ کا طبعی اور فطری میلان حدیث کی طرف تھا۔ اس لیے رجال، علل حدیث اور فقہ حدیث پر آپ نے خاص توجہ دی۔

حافظ ابن تیمیہ علم کے دریا تھے۔ اذکیاء میں ان کا شمار تھا۔ زاہد اور عابد تھے۔ بہادر اور حق گو تھے۔ کریم انفس اور بخشنے والے تھے۔ آپ کے موافقین اور مخالفین سب ہی آپ کے مداح تھے۔ آپ کا تعلق جہاں تدریس و تعلیم کے ساتھ رہا وہاں قلم و قریطاس کے ساتھ بھی آپ کا رشتہ تسلسل کے ساتھ قائم رہا۔ آپ کی تالیفات کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ لوگ آپ کی کتابیں سفر میں اپنے پاس رکھتے تھے۔ دمشق اور مصر میں آپ کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد رہی۔ کئی بار آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور مصر، قاہرہ، اور اسکندریہ کے قلعوں میں قید کئے گئے۔ قلعہ دمشق میں دو بار قید میں رکھے گئے اور اسی قلعہ دمشق میں بحالت قید ۲۰ ذوالقعدة ۷۲۸ھ میں وفات پائی اور اپنے بھائی شرف الدین عبدالقادر کے پہلو میں مقابر صوفیہ میں دفن کئے گئے۔ آپ اپنے فتاویٰ میں منفرد واقع ہوئے تھے اور انہی فتاویٰ کی وجہ سے آزمائش اور قید میں بند کئے جاتے تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

1.8 حافظ ذہبی (۶۷۳ھ - ۷۴۸ھ)

ابو عبد اللہ کنیت، محمد نام، شمس الدین لقب ہے۔ ذہبی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام احمد بن عثمان ہے۔ حافظ ذہبی اپنے دور کے امام، حافظ حدیث، مؤرخ اور صاحب تصانیف تھے۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ حافظ ذہبی ثقہ، حجت اور صاحب اتقان تھے۔ حافظ ذہبی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت کچھ یادگار چھوڑا ہے۔

آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں:

(۱) تاریخ اسلام

(۲) تذکرۃ الحفاظ

فہرست مصادر و مراجع

- (۱) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی
- (۲) تنقید العلم للخطیب البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف العیش
- (۳) الجرح والتعديل از امام ابن ابی حاتم رازی
- (۴) حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم الاصبہانی
- (۵) تاریخ بغداد از خطیب بغدادی
- (۶) التاريخ الكبير للامام البخاری
- (۷) الکامل لابن اثیر الجزری
- (۸) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبد البر
- (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابة لابن اثیر الجزری
- (۱۰) تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری
- (۱۱) الرسالة المستطرفة از محمد بن جعفر الکتانی
- (۱۲) السنة ومکاتبها فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفی السباعی
- (۱۳) السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث از محمد زبیر صدیقی
- (۱۴) السنة قبل التدوین از دکتور عجاج الخطیب
- (۱۵) الطبقات الکبیر لابن سعد
- (۱۶) المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف
- (۱۷) معجم البلدان از یاقوت الحموی
- (۱۸) الوثائق السياسية فی العہد النبوی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- (۱۹) الحدیث والمحدثون از محمد ابو زہرۃ
- (۲۰) ضحی الاسلام از استاذ احمد امین



یونٹ نمبر ⑦

طبقات رِوَاۃِ حدیث

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست عنوانات

203	یونٹ کا تعارف
204	یونٹ کے مقاصد
205	① طبقات رِوَاۃ حدیث
205	1.1 ابن سعد
206	1.2 ابن سعد کے مآخذ
206	1.3 طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات
207	1.4 طبقات ابن سعد کا اسلوب و انداز
207	② رِوَاۃ حدیث کے طبقات کی اصطلاحی تقسیم
209	2.1 حافظ ابن حجر کی تقسیم
209	③ طبقۂ صحابہ
212	3.1 صحابی کی تعریف
212	3.2 عدالت صحابہ
213	3.3 صحابہ کرام کی تعداد
214	④ طبقۂ تابعین
218	4.1 تابعی کی تعریف
218	4.2 تبع تابعین
219	⑤ مشاہیر صحابہ
220	5.1 کثیر الروایۃ صحابہ
220	5.2 ابو ہریرہؓ
221	5.3 عبداللہ بن عمرؓ
221	5.4 حضرت انسؓ

- 222 5.5 حضرت عائشہ صدیقہؓ
- 223 5.6 عبد اللہ بن عباسؓ
- 224 5.7 جابر بن عبد اللہؓ
- 225 5.8 ابوسعید خدریؓ
- 226 5.9 عبد اللہ بن مسعودؓ
- 227 5.10 عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ
- 227 5.11 ابوذر غفاریؓ
- 228 5.12 سعد بن ابی وقاصؓ
- 228 5.13 معاذ بن جبلؓ
- 229 5.14 ابوالدرداءؓ
- 230 ⑥ تابعین (کبار)
- 230 6.1 سعید بن مسیب
- 230 6.2 نافع مولیٰ ابن عمر
- 231 6.3 محمد بن سیرین
- 232 6.4 سعید بن جبیر
- 234 6.5 ابن شہاب زہری
- 234 6.6 امام ابوحنیفہ
- 235 ⑦ اتباع تابعین
- 235 7.1 امام مالک بن انس
- 235 7.2 امام شافعی
- 236 7.3 امام سفیان ثوری
- 237 7.4 سفیان بن عیینہ
- 238 7.5 لیث بن سعد

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم پہلو ”طبقات رواۃ حدیث“ سے ہے۔ علماء رجال نے رواۃ حدیث کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر راوی حدیث کا طبقہ متعین کیا جائے اور اسے اسی طبقہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والا با آسانی سمجھ سکے کہ راوی کی حیثیت کیا ہے اور اس کا دور کون سا ہے علماء حدیث نے رواۃ حدیث کو دو (۲) قسم کے طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ایک باعتبار صحت اور دوسرے باعتبار تاریخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دور تدوین تک کے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اور اسی تقسیم کو اب تدوین اور رواج حاصل ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان طبقات اور ان کی تفصیل سے واقف ہوں تاکہ دوران مطالعہ وہ رواۃ کے بارے میں الجھن محسوس نہ کریں۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث پر بنیادی مواد جمع کیا جائے اور اسے عام فہم زبان میں پیش کیا جائے۔ یونٹ کے ابتدائی حصہ میں طبقات ابن سعد کا تعارف کرایا گیا ہے۔ طبقات ابن سعد بہت ہی مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ سے آپ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کا اس حوالہ سے مطالعہ کر سکتے ہیں کہ یہ حضرات کہاں کہاں پیدا ہوئے، کن کن علاقوں کا سفر کیا۔ اور ان کے ذریعہ حدیث و سنت کی روایات کس طرح پھیلیں۔ اس یونٹ میں ان صحابہ کرام کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے جن کی روایات مصادر حدیث میں بکثرت درآد ہوئی ہیں۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین میں سے چند ان حضرات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے جن کی خدمات علم حدیث کی اشاعت و ترویج میں مسلم ہیں آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں۔ اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے مفید پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇨ طبقات رواۃ حدیث کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
 - ⇨ طبقات ابن سعد کے مآخذ، مندرجات اور اسلوب و انداز کے ہر پہلو سے وضاحت کر سکیں۔
 - ⇨ صحابی کی تعریف، عدالت صحابہ اور صحابہ کرامؓ کی تعداد پر روشنی ڈال سکیں۔
 - ⇨ کثیر الروایۃ صحابہ کی فہرست تیار کر سکیں۔ اور ان میں ہر ایک صحابی کا اختصار کے ساتھ تعارف کر سکیں۔
 - ⇨ تابعین کبار کے احوال و آثار پر تبصرہ کر سکیں۔
 - ⇨ اتباع تابعین میں سے چند اہم رواۃ حدیث کے اساتذہ، تلامذہ اور علمی خدمات کا جائزہ پیش کر سکیں۔

① طبقات رِوَاۃ حدیث

علمائے حدیث نے رِوَاۃ حدیث کو دو اعتبار سے طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ایک باعتبار صحت اور دوسرے باعتبار تاریخ۔ اس یونٹ میں طبقات رِوَاۃ حدیث باعتبار تاریخ سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ طبقات رِوَاۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی ﷺ سے متفرع ہونے والی اولین اسلامی ثقافت کی ایک نوع ہیں۔ ان کے ذریعہ ہم رِوَاۃ حدیث کے احوال و سوانح اور مختلف ادوار و طبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔ اس یونٹ میں آپ اس حوالہ سے مطالعہ کریں گے کہ طبقات سے آگاہی حاصل کرنا کس حد تک ضروری ہے؟ نیز یہ کہ طبقات کے بنیادی مأخذ و مصادر کیا ہیں۔ اور کن لوگوں نے تاریخ کی اس خاص تنقیدی فن میں دلچسپی اور اس پر کام کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

طبقات رِوَاۃ حدیث کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا نام ذہن میں آتا ہے۔ اس لیے کہ طبقات ابن سعد اس فن کی بنیادی اور اہم ترین کتاب ہے۔ ذیل میں اس کتاب کا اختصار کے ساتھ تعارف کرایا جاتا ہے۔

1.1 ابن سعد

آپ کا نام محمد بن سعد بن منیع زہری ہے کیونکہ آپ بنو زہرہ کے موالی میں سے تھے۔ آپ کے دادا حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس ہاشمی کے مولیٰ تھے۔ ۱۶۸ھ میں بمقام بصرہ آپ کی ولادت ہوئی۔ طلب علم میں مدینہ، کوفہ اور بغداد کی سیاحت کی۔ آپ نے مدینہ منورہ کے اہم اور معروف و مشہور شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ابن سعد جب بغداد تک پہنچے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۲۳۰ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی۔ بغداد پہنچ کر آپ علامہ واقدی کے حلقہ سے منسلک ہو گئے اور مسلسل ان کے ساتھ رہے۔ ابن سعد واقدی کی کتابیں لکھتے رہے حتیٰ کہ ”کتاب الواقدی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابن سعد کی طرف تین کتابیں منسوب کی جاتی ہیں:

(۱) الطبقات الکبریٰ

(۲) الطبقات الصغیر

(۳) اخبار النبی ﷺ

یہ تینوں کتابیں دراصل ایک ہی ہیں اس لیے کہ ”الطبقات الصغیر“ اور کتاب ”اخبار النبی ﷺ“ کے مندرجات الطبقات الکبریٰ کی ابتدائی جلدوں میں شامل ہیں۔

1.2 ابن سعد کے مآخذ

طبقات ابن سعد کے مصادر کی دو قسمیں ہیں:

- (۱) بالمشافہ اور براہ راست روایات جو آپ نے اپنے شیوخ و اساتذہ سے حاصل کیں۔
- (۲) مخطوطات: وہ کتابیں جو آپ نے مختلف مراکز، علمی حلقوں اور علماء سے حاصل کیں۔

ابن سعد نے زیادہ تر ان روایات پر اعتماد کیا ہے جو براہ راست شیوخ و اساتذہ سے سنیں۔ اس طرح ابن سعد نے اپنے استاد واقدی سے وہ روایات براہ راست سنی تھیں جو واقدی نے اپنی کتاب میں ذکر کی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض روایتیں واقدی کی کتاب سے بھی اخذ کی تھیں۔

1.3 طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات

طبقات ابن سعد ایک ضخیم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے۔ ابن سعد نے اپنی اس تالیف میں ابن محمد شین، مؤرخین اور ماہر انساب علماء کے حالات قلم بند کئے ہیں جو عہد رسالت و صحابہ و تابعین اور خود ان کے دور میں بقید حیات تھے۔ طبقات کی روایت ابن سعد کے شاگرد حارث بن ابی اسامہ نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبقات میں کہیں کہیں اس قسم کی عبارت ملتی ہے: ”یہ روایت ہمیں محمد بن سعد نے سنائی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا راوی ابن سعد نہیں بلکہ ان کا شاگرد ہے۔ ابن سعد اکثر اخبار و واقعات کو باریک بینی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر ان پر تبصرہ کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ روایات حارث بن ابی اسامہ نے نقل کی ہیں۔ بذات خود ابن سعد کی بیان کردہ نہیں ہیں۔

کتاب کا کچھ حصہ ابن سعد کے شاگرد حسین بن فہم کی روایت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ گویا ان دونوں شاگردوں نے مل کر طبقات ابن سعد کو روایت کیا ہے۔

طبقات ابن سعد کی پہلی دو جلدیں سیرت رسول ﷺ سے متعلق ہیں۔ تقدیم کے طور پر ابن سعد نے رسول اکرم ﷺ کے ان آباء و اجداد کا بھی ذکر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔ اور اس کے پہلو بہ پہلو۔
حوا، اذریس، نوح، ابراہیم، اسماعیل اور حضرت آدم و حضرت محمد ﷺ کے درمیانی صدیوں اور سالوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے حضرات انبیاء کے اسماء و انساب، رسول اللہ ﷺ کے اجداد مثلاً قصی و عبد مناف و ہاشم و عبد المطلب نیز آپ ﷺ کے والد اور والدہ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد آپ نے بعثت نبوی ﷺ، نزول وحی، ہجرت، اور ایک ایک کر کے آپ ﷺ کے تمام غزوات اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا ذکر کیا ہے۔ پھر عہد رسالت میں مفتیان مدینہ اور دیگر صحابہ و تابعین کے سیر و سوانح سے طبقات کے باقی ماندہ اجزاء کو بھر دیا ہے۔ طبقات کی آخری جلد میں خواتین کا تذکرہ ہے۔

1.4 طبقات ابن سعد کا اسلوب و انداز

طبقات میں تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ ابن سعد کو اس بارے میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے تاریخی ترتیب میں تقدیم فی الاسلام کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور اس اعتبار سے مہاجرین حبشہ، بدری صحابہ یا فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ترتیب کے پیش نظر آپ پہلے بدری مہاجرین، پھر بدری انصار، اور پھر ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جو غزوہ بدر سے پہلے اسلام لا چکے تھے مگر اس میں شرکت کرنے سے قاصر رہے۔ کیونکہ وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ ان میں سے بعض کو بدر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل بھی ہوئی۔ پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد کا یہ طرز عمل عمر فاروقؓ کے طریق کار سے ملتا جلتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ناموں کی فہرست مرتب کی تھی۔ ترتیب زمانی کے پہلو بہ پہلو ابن سعد نے علاقہ کی اہمیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان بلاد و امصار کے لحاظ سے صحابہ گرام کی فہرست مرتب کی ہے جن میں وہ رہائش پذیر تھے۔ اس سلسلہ میں ابن سعد نے علیحدہ علیحدہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ،

طائف، یمن، یمامہ، کوفہ، بصرہ اور شام و مصر میں قیام کرنے والے صحابہؓ کا تذکرہ کیا ہے۔ طبقات تابعین کا ذکر کرتے ہوئے بھی ابن سعد نے ترتیب زمانی و مکانی کا خیال رکھا ہے اور اسی ترتیب کے پیش نظر تابعین کا تعارف کرایا ہے۔ ایک طبقہ کی مدت (دور) قول رائج کے مطابق ابن سعد کے نزدیک بیس سال ہے۔ اکثر علمائے حدیث نے صحابہ کرام کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

- ۱- بدری مہاجرین: وہ مہاجر صحابہ جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔
- ۲- بدری انصار: وہ انصار جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔
- ۳- وہ صحابہ جو ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اہل مکہ کے رویہ اور حالات کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ نیز وہ صحابہ جو غزوہ احد میں شریک ہوئے۔
- ۴- وہ صحابہ جو فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔
- ۵- وہ صحابہ کرام جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

② رواۃ حدیث کے طبقات اور ان کی اصطلاحی تقسیم

اس بات پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ طبقہ کا اطلاق ان رواۃ پر کیا جاتا ہے جن کی عمر ملتی جلتی ہو اور وہ شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کرنے میں باہم یکساں ہو۔ جب علمائے حدیث نے رواۃ حدیث کو طبقات میں تقسیم کیا تو یہ تقسیم ایک اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئی۔ چنانچہ بعض علماء رجال نے صحابہ کو پہلا طبقہ، تابعین کو دوسرا طبقہ، اور تبع تابعین کو تیسرا طبقہ قرار دیا۔ اس تقسیم کی بنیاد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“ (رواہ

البخاری و مسلم عن عمران بن حصین)

”سب سے بہتر اور برتر میرا دور ہے۔ اس کے بعد وہ جو لوگ میرے بعد

آئیں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں عہد رسالت کے بعد دو یا تین ادوار کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے

صحابہ کرام کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے اور تابعین و تبع تابعین کو بھی مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

2.1 حافظ ابن حجر عسقلانی کی تقسیم

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عہد صحابہ سے لے کر دور روایت کے آخر (تیسری صدی ہجری) تک رواۃ حدیث

کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ نے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ طبقات درج ذیل ہیں:

- ۱- پہلا طبقہ: اس طبقہ میں سارے صحابہ آتے ہیں۔ خواہ کبار ہوں یا صغار ہوں۔
- ۲- دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ ملاقات کی ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو۔ مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ۔
- ۳- تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام سے ہوئی ہو۔ لیکن دوسرے طبقہ کے مقابلہ میں کم ہوئی ہو۔ انہیں اصطلاحاً ”الطبقة الوسطی من التابعین“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً امام حسن اور امام ابن سیرین وغیرہ۔
- ۴- چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی بیشتر روایات کبار تابعین سے ہوں۔ اس طبقہ کو اصطلاح میں ”طبقة التابعین بعد الوسطی“ کہا جاتا ہے۔
- ۵- پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات بہت کم صحابہ سے ہوئی۔ اور جن کی ساری روایات تابعین سے ہیں۔ اصطلاح میں اس طبقہ کو ”طبقة الصغری من التابعین“ کہا جاتا ہے۔
- ۶- چھٹا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین شمار ہوتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوئی البتہ ان کے دور میں صحابہ کرام کا وجود رہا۔ اصطلاح میں یہ طبقہ ”طبقة اخیرہ“ کہلاتا ہے۔ مثلاً ابن جریج وغیرہ۔
- ۷- ساتواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات تابعین کی بہت بڑی جماعت سے ثابت ہو اور ان کی ساری روایات کبار تابعین سے ہوں۔ مثلاً مالک بن انس اور سفیان ثوری۔
- ۸- آٹھواں طبقہ: یہ طبقہ ان تبع تابعین پر مشتمل ہے جن کی ملاقات تابعین سے ثابت ہو۔ لیکن استفادہ کے لحاظ سے ساتویں طبقہ کی نسبت کمزور ہوں۔
- ۹- نواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں۔ جن کی بیشتر روایات کبار تبع تابعین سے ہوں۔ مثلاً امام شافعی اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ۔

- ۱۰- دسواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ حضرات آتے ہیں جو تبع تابعین کے بعد آئے۔ اصطلاح میں ان کو ”آخذین“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً امام احمد بن محمد بن حنبل وغیرہ۔
- ۱۱- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی ملاقات تبع تابعین سے ہوئی لیکن روایات آخذین کبار سے بھی حاصل کیں۔ مثلاً امام ذہلی اور امام بخاری وغیرہ۔
- ۱۲- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی زیادہ تر روایات آخذین میں کبار سے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی وغیرہ۔

ان بارہ طبقات کو ہم مندرجہ ذیل چارٹ کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں:

۱- صحابہ	۱
۲- تابعین	۵
۳- تبع تابعین	۳
۴- آخذین	۳
کل:	۱۲

یل میں ان طبقات سے متعلق اہم مباحث پر اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ آپ اس حصہ کا بہت غور سے مطالعہ کریں۔

③ طبقہ صحابہؓ

3.1 صحابی کی تعریف

”صحابی“ اس شخص کو کہتے ہیں جو حالتِ ایمانی میں نبی کریم ﷺ سے ملا ہو، اور اسلام ہی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابی کے لیے رسول کریم ﷺ کی ملاقات شرط ہے۔ اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہوئی ہو۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۵۱)

امام نووی اور حافظ عراقی کہتے ہیں کہ جو بچہ بات سمجھتا ہو اور جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کو صحابی کہہ سکتے ہیں مثلاً حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، اور محمود بن الربیع وغیرہ۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ جب کسی شخص میں مندرجہ ذیل میں سے کوئی خصوصیت پائی جاتی ہو تو اس کو ”صحابی“ کہہ سکتے ہیں۔ ان میں سے اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) جس شخص کے بارے میں تو اتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے مثلاً حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا صحابہ ہونا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا سعدؓ بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ، سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، سیدنا ابو عبیدہ عامرؓ بن الجراح۔

(۲) جس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تو اتر کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محسن وغیرہ۔

(۳) کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے۔ جیسے ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا تھا کہ حمہ بن ابی حمہ دوسی صحابی ہے۔

(۴) کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص ایسے زمانہ تک صحابی ہونے کا دعویٰ دار ہو جب اس کے

صحابی ہونے کا امکان بھی ہو۔ علماء نے یہ زمانہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مقرر کیا ہے۔
 صحبت رسول ﷺ کے اثبات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قبیلہ اوس و خزرج کے سب لوگ عہد
 رسالت میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اس لیے ان میں سے جس کو بھی رسول اکرم ﷺ کی
 صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ صحابی ہے۔ اسی طرح ہجرت کے دسویں سال مدینہ اور طائف کے
 جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے وہ سب
 صحابی ہیں۔ غزوات میں آپ نے صرف ان لوگوں کو امیر بنایا تھا جو صحبت کا شرف حاصل کر
 چکے تھے اس لیے غزوات کے تمام قائدین صحابہ میں شامل تھے۔

3.2 عدالت صحابہؓ

حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن عبدالبر، اور امام نوویؒ نے تمام صحابہؓ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے۔
 قرآن وحدیث میں بھی صحابہؓ کی فضیلت اور عدالت بتائی گئی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

”تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چنا گیا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾

(البقرة: ۱۴۳)

”اور اسی طرح تم کو متوازن امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”وہ شخص خوش قسمت ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔“

اور فرمایا:

”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔“

ایک اور موقع پر فرمایا:

”میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں ہدف تنقید نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے عداوت رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو دکھ دیا، اس نے مجھے دکھ دیا۔ اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ جل شانہ کو دکھ پہنچایا کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ لے۔“ (المختصر فی علم رجال الاثر: ص ۲۲)

3.3 صحابہ گرام کی تعداد

چونکہ صحابہ مختلف بلاد و امصار میں پھیل گئے تھے اس لیے ان کا شمار دشوار ہے۔ حافظ ابو زرہ کہتے ہیں:

”سرور کائنات ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے۔ عصر صحابہ کا اختتام اس وقت ہوا جب آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیش کنانی نے ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔“ (تلیخ فہوم اہل الاثر لابن الجوزی: ص ۱۸۴)

صحابہ گرام میں سے جس کی مرویات ایک ہزار سے زائد ہوں اسے اصطلاح میں کثیر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اس زمرہ میں جو صحابہ آتے ہیں ان کے نام اور مرویات کی تعداد درج ذیل ہے:

۵،۳۷۴	۱- حضرت ابو ہریرہؓ
۲،۶۳۰	۲- حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۲،۲۸۶	۳- حضرت انس بن مالکؓ
۲،۲۱۰	۴- حضرت عائشہ صدیقہؓ
۱،۶۶۰	۵- حضرت عبداللہ بن عباسؓ

۱۰۵۴۰

۶۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ

۱۰۱۷۰

۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ

حافظ ابن سعد نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں صحابہ کرام کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ بعض علماء نے زیادہ تفصیل و توضیح سے کام لے کر سبقت اسلام، ہجرت، اور غزوات میں شرکت کے اعتبار سے ان کے بارہ طبقات وضع کئے ہیں۔ ان طبقات کی تفصیل یوں ہے:

- (۱) وہ صحابہ جو مکہ مکرمہ میں اسلام لائے تھے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ، حضرت خدیجہؓ، اور حضرت بلالؓ وغیرہ
- (۲) اصحاب دار الندوة، جو حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔
- (۳) وہ صحابہ جو بعثت نبوی ﷺ کے پانچویں سال ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے۔ یہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ، جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت رقیہ زوجہ عثمان بن عفانؓ، اور سہلہ بنت سہل زوجہ ابو حذیفہؓ اس جماعت میں شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شمار ہوتے ہیں جنہوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہ ۸۳ افراد تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ، عبید اللہ بن جحشؓ، ان کی بیوی ام حبیبہؓ اور ان کے بھائی عبد اللہؓ، نیز ابو موسیٰؓ اور ابن مسعودؓ بھی اس طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔
- (۴) چوتھے طبقہ میں وہ صحابہ کرام شمار ہوتے ہیں جو عقبہ اولیٰ میں شریک تھے۔ ان میں بارہ انصار تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت اسعد بن زرارہؓ اور عبادہ بن صامتؓ بھی اس طبقہ میں شامل ہیں۔
- (۵) پانچویں طبقہ میں وہ صحابہ کرام آتے ہیں جو عقبہ ثانیہ میں شریک تھے اور وہ جو عقبہ اولیٰ کے بعد اسلام لائے۔ یہ ستر انصار تھے۔ ان کے ساتھ دو خواتین تھیں۔ حضرت براء بن معرورؓ، سعد بن عبادہؓ اور کعب بن مالکؓ بھی ان میں شامل تھے۔

(۶) چھٹے طبقہ میں وہ صحابہ شمار ہوتے ہیں جو مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچے جب کہ نبی کریم ﷺ ابھی قباء میں تھے اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(۷) ساتویں طبقہ میں ان صحابہ کرام کو شمار کیا جاتا ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ اہل بدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ جل شانہ نے اہل بدر پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا تم جو چاہو کرو۔

میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔“

ان کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے۔

(۸) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام آتے ہیں جنہوں نے غزوہ بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

(۹) نویں طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر ”بیعت رضوان“ میں حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

”جس نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی وہ دوزخ نہیں جائے گا۔“

(۱۰) وہ صحابہ گرام جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی حضرت خالد بن ولیدؓ بھی ان میں شامل ہیں۔

(۱۱) اس طبقہ میں وہ صحابہ گرام شامل ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ حضرت ابوسفیان بن حربؓ، اور حکیم بن حزام اس طبقہ میں شامل ہیں۔

(۱۲) اس طبقہ میں وہ صحابہ گرام آتے ہیں جنہوں نے فتح مکہ یا حجة الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

خود آزمائی ①

- ۱- طبقات رواۃ حدیث کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اختصار کے ساتھ بیان کیجئے۔
- ۲- طبقات ابن سعد کس دور کی تالیف ہے۔ اس تالیف کے اسلوب و انداز پر بحث کیجئے۔
- ۳- حافظ ابن حجر نے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے ان طبقات کو ترتیب کے ساتھ واضح کیجئے۔
- ۴- صحابی کے بارے میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- ۵- تابعی کی تعریف بتاتے ہوئے تبع تابعین کا تذکرہ کیجئے۔
- ۵- کثیر الروایہ صحابہ سے کیا مراد ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ ابن عمرؓ انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں اختصار کے ساتھ گفتگو کیجئے۔

④ طبقہ تابعین

4.1 تابعی کی تعریف

”تابعی“ وہ ہے جو کسی صحابی کو مومن ہونے کی حالت میں ملا ہو اور اس کی موت بھی ایمان دار ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہو۔

خطیب بغدادی تابعی کے لیے صرف صحابی کی ملاقات کو کافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ صحابی کی صحبت و رفاقت کو بھی شرط ٹھہراتے ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث میں تابعین کی مدح و ستائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَالْأَنْصَارِ، وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ

بِإِحْسَانٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

”اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین، اور وہ لوگ جو بھلائی کرنے میں

ان کے بعد تھے۔ اللہ جل شانہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ جل شانہ سے

راضی ہو گئے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس شخص کو خوش خبری سنا دو جس نے مجھے دیکھا، یا مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا۔“

اور فرمایا:

”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان سے قریب ہوں گے۔“

امام حاکم نیشاپوری کے موقف کے مطابق تابعین کے آخری طبقہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے صحابہؓ کے بعد فوت ہونے والے صحابی سے ملاقات کی ہو۔ اس لیے آخری تابعی وہ ہے جس نے مکہ مکرمہ میں

حضرت ابو الطفیلؓ سے ملاقات کی ہو۔ یا مدینہ منورہ میں حضرت سائبؓ، شام میں حضرت ابو امامہؓ، کوفہ میں عبید اللہ بن ابی اوفیٰ اور بصرہ میں انس بن مالکؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو۔ خلف بن خلیفہ (م۔ ۱۸۱ھ) کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے اس لیے کہ موصوف نے آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے مکہ میں ملاقات کی تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔

4.2 تبع تابعین

”تبع تابعی“ وہ ہے جو مومن ہوتے ہوئے کسی تابعی سے ملا ہو۔ اور اس کی موت بھی حالتِ اسلام میں واقع ہوئی ہو۔ امام مالکؓ، امام شافعیؒ، کو بھی اس طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ تابعی تھے کیونکہ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ، جابر بن عبد اللہؓ، عبد اللہ بن جزاء زبیدیؓ، عبد اللہ بن انیسؓ، اور عائشہ بنت عمرؓ سے مل کر ان سے روایت کی ہے۔ امام احمد بن محمد بن حنبل ان لوگوں میں شامل ہیں جو اتباع تابعین کے بعد آئے۔ کیونکہ آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور اتباع تابعین کا عہد ۲۴۰ھ پر ختم ہو گیا تھا۔ (المختصر فی علم رجال الاثر: ص ۴۴، ۴۵)

⑤ مشاہیر صحابہ کا تعارف

صحابہ گرام چونکہ ”طبقہ اولیٰ“ میں شامل ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان حضرات کا مختصر تعارف کرایا جائے جنہیں روایت حدیث کے لحاظ سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

5.1 کثیر الروایۃ صحابہ

جس صحابی کی روایات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو اسے اصطلاح میں ”کثیر الروایۃ“ کہا جاتا ہے۔ کثیر الروایۃ صحابہ کی تعداد سات ہے۔ ذیل میں ترتیب کے مطابق ان کا تعارف اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

5.2 ابو ہریرہؓ

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔، قحی بن مخلد کی مسند میں آپؓ کی ۵۳۷۴ روایات منقول ہیں۔ آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر ہے۔ قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنودوس بن عدنان سے تعلق تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ۷ھ میں غزوہ خیبر والے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور موضع عقیق میں ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا تعلق اہل صفہ سے رہا۔ صفہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک سائبان تھا جس میں عابد و زاہد لوگ رہائش پذیر ہو کر عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی قوت حافظہ میں اضافہ کے لیے دعا فرمائی تھی جو مقبول ہوئی۔ آپ زاہد، متقی، خوش طبع اور ملنسار تھے۔ جب بچوں سے ملتے تو انہیں خوب ہنساتے۔ عام لوگوں کے پاس بیٹھ کر بلا تکلف گفتگو فرماتے۔ رات کو تنہائی میں خشوع و خضوع کے ساتھ تہجد پڑھتے اور بہت انہماک کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔ عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بحرین کے عامل رہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں منصب“ کی پیش کش کی تو قبول نہ فرمایا۔ حضرت معاویہؓ نے آپ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، ابی بن کعبؓ،

اسامہ بن زیدؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ جن راویوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو سے بھی زیادہ ہے ان میں طبقہ صحابہ سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ، اور انس بن مالک جیسے اکابر شامل ہیں۔ طبقہ تابعین میں سے سعید بن مسیب، ابن سیرین، عکرمہ، عطاء، مجاہد اور امام شعبی نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

5.3 عبداللہ بن عمرؓ

حضرت ابن عمرؓ کی روایات کی تعداد ۲۶۳۰ ہے۔ آپ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ کے بیٹے، اور حضرت حفصہؓ کے بھائی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بعثت نبوی ﷺ کے کچھ عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ جب اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے تو عمر دس سال تھی۔ پھر اپنے والد سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوہ احد میں کم عمر تھے اس لیے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوہ احد کے بعد کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کو جنگ قادسیہ، یرموک اور افریقہ نیز مصر و فارس کی فتوحات میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے بصرہ اور مدائن کا سفر بھی کیا۔

حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، اور اپنی ہمیشہ حضرت حفصہؓ سے احادیث روایت کیں۔ آپ سے سعید بن مسیب، امام حسن بصری، امام ابن شہاب زہری، امام ابن سیرین، نافع، مجاہد، طاؤس، اور عکرمہ رحمہم اللہ نے استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

5.4 حضرت انسؓ

کثیر الروایۃ صحابہ میں حضرت انسؓ کا تیسرا نمبر ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۸۶۱ ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائیں تو اس وقت آپ دس سال کے تھے۔ آپ کے والد کا نام مالک بن نضر ہے۔ نب ابن عدی بن نجار تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ طویل عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں رہے۔ اس ضمن میں آپ کہا کرتے تھے:

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کبھی دریافت نہ کیا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا؟..... بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو چاہا وہ نہ ہوا۔

غزوہ بدر کے زمانہ میں حضرت انسؓ چھوٹے تھے اس لیے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے۔ جب سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے عمر فاروقؓ سے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تو عمر فاروقؓ نے جواباً کہا: انس ایک دانا و مینا اور پڑھا لکھا جوان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس میں زہد و تقویٰ کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز حضرت انسؓ سے زیادہ رسول اکرمؐ کی نماز کے ساتھ ملتی جلتی ہو۔

حضرت انسؓ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بصرہ چلے گئے تھے آپ وہاں آخری صحابی تھے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت انسؓ آخری صحابی تھے جو بصرہ میں فوت ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ترجمہ انس بن مالک، ج ۲)

5.5 ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ اور ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے۔ حضرت عائشہؓ ادب، طب، انساب اور ایام العرب کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتی تھیں۔ امام زہریؒ کہتے ہیں: اگر حضرت عائشہؓ کے علم کا تقابل ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم ان پر فوقیت لے جائے گا۔

حضرت عروہ بن الزبیرؓ کا قول ہے: میں نے کسی کو طب، شعر اور فقہ میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ کثیر الروایۃ صحابہ میں شمار کی جاتی ہیں اور روایت حدیث میں ان کا درجہ انس بن مالک کے قریب قریب ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۰۲۱۰ ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ بعض مسائل کے استنباط میں بالکل منفرد ہیں۔ اس بارے میں ان کا خصوصی اجتہاد دیگر صحابہ سے بالکل الگ تھا۔ علامہ زرکشی نے حضرت عائشہ کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب ”الاجابة لإيراد ما استدر كته عائشة على الصحابة“ تالیف کی ہے۔

حضرت عائشہ نے اپنے والد ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اسید بن حفیرؓ، اور دیگر صحابہ سے احادیث کی روایت کی۔ حضرت عائشہ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ شامل ہیں: ابو ہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، زید بن خالد الجہنی اور صفیہ بنت شیبہؓ۔

طبقة تابعین میں مندرجہ ذیل روات نے آپ سے استفادہ کیا: سعید بن مسیب، علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبد الرحمن اور حفصہ بنت سیرین۔

5.6 عبد اللہ بن عباسؓ

عبد اللہ بن عباسؓ پانچویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ کثرت روایات میں آپ حضرت عائشہ کے قریب قریب ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد ۶۶۰۱ ہے۔ حضرت عبد اللہ، رسول کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عباس کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عباس کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اس دعا کے نتیجے میں آپ کو علم، فہم، تاویل اور استنباط و استخراج کے حوالہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ لوگ دور دراز سے احکام سمجھنے اور روایات حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بعد پینتیس (۳۵) برس تک آپ لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول، فتاویٰ و قضایا صحابہ، نیز

تفسیر وفقہ، شعر و عربیت اور حساب و فرائض میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے

زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر قرآن کے لیے، ایک دن تعلیم

احکام (فقہ) کے لیے۔ ایک دن مغازی وسیر کے لیے اور ایک دن شعر و ادب اور تاریخ کی تدریس کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ سے استفادہ کرنے کے لیے آیا آپ سے ضرور متاثر ہوا۔ جس طالب علم نے آپ سے کوئی سوال کیا آپ کے پاس اپنے سوال کا جواب ضرور پایا۔“

حضرت ابن عباسؓ کی معلومات میں بہت جامعیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ: آپ نے علم کے حصول میں کون سا طریقہ اختیار کیا تو آپ نے جواب دیا: میں نے سوال کرنے والی زبان اور سوچنے سمجھنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ محض تفسیر و حدیث اور فقہ کے ماہر نہ تھے بلکہ عربی زبان و ادب اور تاریخ و ثقافت میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور اشعار و امثال سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ، اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے۔ معمر بن راشد یمنی کا تجزیہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایات ان تینوں صحابہؓ سے ماخوذ ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ نے معاذ بن جبلؓ اور ابوذر غفاریؓ سے بھی روایت کی ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، ہبل بن حنیف اور حضرت عکرمہ جیسے اکابر شامل ہیں۔ ابن عباسؓ کو حنین، طائف، فتح مکہ اور حجة الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ابن ابی السرح کی معیت میں آپؓ نے افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا۔ ۶۸ھ میں قیام طائف کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔ محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ترجمہ ابن عباس)

5.7 حضرت جابر بن عبداللہؓ

حضرت جابرؓ چھٹے کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۵۴۰۰، ۱۰۰۰ ہے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ بن عمرو انصاری ہے۔ بنو سلمہ انصار کی ایک شاخ تھی اس کی طرف نسبت کر کے آپ کے والد کو سلمی کہا جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ان ستر (۷۰) انصار کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شرکت

کی تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی بیعت کی تھی۔ حضرت جابرؓ غزوہ بدر و احد کے سوا سب غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ آپ خود کہتے ہیں:

”میں نے انیس لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ غزوہ احد اور غزوہ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شہید ہو گئے تو میں کسی لڑائی میں آپ ﷺ سے پیچھے نہ رہا۔“

حضرت جابرؓ کو مصر اور شام میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں علاقوں کے لوگوں نے آپؓ سے خوب استفادہ کیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں آپ کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا جس میں لوگ جمع ہوتے اور آپ کے علم و تقویٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۴۷ھ میں انتقال کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ)

5.8 حضرت ابوسعید خدریؓ

ابوسعید خدریؓ ساتویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد ۷۰۱۱ ہے۔ آپ نام کے بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا نام سعد بن مالک بن سنان اور کنیت ابوسعید ہے۔ آپ کے والد مالک بن سنان غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کو خدری اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے جا ملتا ہے۔ ابوسعید خدری کے والد نے غزوہ احد کے موقع پر آپ کو رسول کریم کی خدمت میں پیش کیا اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ والد نے آپ کی صحت اور قوت کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول! ابوسعید عمر کے لحاظ سے چھوٹا ہے لیکن جسم اور صحت کے لحاظ سے بہت اچھا ہے اس لیے اسے غزوہ میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ رسول کریم ﷺ نے آپ کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے واپس کر دیا اور غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔

ابوسعید خدریؓ نے متعدد صحابہ کرام سے روایت کی ہے۔ صحابہ میں آپ سے مشہور ترین اساتذہ میں آپ کے والد مالک بن سنان، حضرت قتادہ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو

موسیٰ اشعریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے اکابر شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے عبدالرحمن بن سعدؓ، آپ کی زوجہ زینب بنت کعبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوالطفیل، نافع اور عکرمہ قابل ذکر ہیں۔

ابوسعید خدری نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تہذیب التہذیب اور حلیۃ الاولیاء)

5.9 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

آپ کا نام عبداللہ بن مسعودؓ ہڈلی اور کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپ نے دو مرتبہ ہجرت حبشہ کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ غزوہ بدر میں ابو جہل کو آپ نے قتل کیا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”چار صحابہ سے قرآن سیکھو۔ یعنی عبداللہ بن مسعود، سالم بن مولیٰ، ابو حذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب سے۔“

علمائے حدیث کے ہاں جب عبداللہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی اور خازن مقرر کیا۔

آپ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے لحاظ سے صحابہ کرام میں مشہور تھے۔ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ اور سعد بن معاذؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علقمہ، مسروق اور قاضی شریک۔

آپ کی روایات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کی قبر ہے۔ عثمان بن عفانؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

5.10 عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ

آپ طبقہ صحابہ میں فقیہ کہلاتے ہیں۔ اپنے والد سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ کی روایات کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت عطاء فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:

”صحابہ میں عبد اللہ بن عمرو کے سوا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد اللہ بن عمرو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔“

آپ نے عمر فاروقؓ، ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور دیگر صحابہ کرام سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبد اللہ بن عمرؓ، سائب بن یزید، سعید بن مسیب، طاؤس، اور عمرہ۔ آپ نے ۴۳ھ میں فسطاط کے محاصرہ کے موقع پر وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد)

5.11 حضرت ابوذر غفاریؓ

ابوذر کنیت اور نام جندب بن جنادہ تھا۔ جنادہ آپ کے دادا کا نام ہے جو قبیلہ غفار و کنانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر پانچواں ہے۔ غزوہ خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ ابوذر غفاریؓ بڑے زاہد و عابد تھے۔ توکل کا یہ عالم تھا کہ کل کا خرچ بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ زندگی کے آخری ایام ”ربذہ“ نامی مقام میں گزارے۔ یہاں الگ تھلگ رہ کر آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابوذر غفاریؓ نے حضرت عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور دیگر صحابہ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے احنف بن قیس، عبد الرحمن بن غنم اور عطاء نے روایت کی ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۸۱ ہے۔

5.12 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

آپ کا نام سعد بن ابی وقاص بن اہیب زہری اور کنیت ابو اخط ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ وہ اولین صحابی ہیں جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر لگنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر چوتھا ہے۔ سترہ سال کی عمر میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں نمایاں جوہر دکھائے۔ آپ بنو ہرہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی والدہ محترمہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں۔ نبی کریم ﷺ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ”یہ میرے ماموں ہیں۔ کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے تو“۔

فاروق اعظمؓ نے آپ کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا جس کو فتح ایران کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد نے ۱۵ھ میں ایرانیوں کو قادیسیہ کے مقام پر شکست فاش دی۔ پھر ۱۶ھ میں جلواء کے مقام پر ایرانیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان چھ صحابہ میں شامل تھے جن کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے نامزد کیا تھا۔ ۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کی قبر ہے۔ جن دس صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی آپ ان سب کے آخر میں فوت ہوئے۔ حضرت سعد نے عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر اور خولہ بنت حکیم سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: مجاہد، علقمہ بن قیس، سائب بن یزید۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲۷۰ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: حلیۃ الاولیاء: ج ۱، ص ۹۲)

5.13 حضرت معاذ بن جبلؓ

آپ کا نام معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس خزرجی اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ عقبہ ثانیہ میں آپ ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ رسول کریم ﷺ نے معاذ بن جبل اور عبد اللہ بن مسعود کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دینی تعلیم کی اشاعت کے لیے یمن بھیجا۔ حضرت معاذ سوار تھے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو خود الوداع کہا: حضرت معاذ بن

جبل خلافت صدیقی تک یمن میں رہے پھر ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”معاذ حلال و حرام سے متعلق احکام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔“

حضرت معاذ نے عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے انس بن مالک، مسروق اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ نے روایت کی۔ جب ۱۸ھ میں اردن کے علاقہ میں طاعون پھیلا تو اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا بھی انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر بتیس (۳۲) سال تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۱۲۰)

5.14 حضرت ابوالدرداءؓ

آپ کا نام عویمیر بن زید بن قیس ہے۔ لیکن کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ انصاری ہیں اور خزرج کے قبیلہ سے وابستہ تھے۔ نبی کریم ﷺ سے سن کر آپ نے قرآن حفظ کیا۔ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ رسول کریم ﷺ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا: ”نعم الفارس عویمیر“ ”عویمیر بہت عمدہ شہسوار ہیں۔“

مواخاۃ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے ابوالدرداءؓ اور سلمان فارسی کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

خلافت عثمانی میں ابوالدرداءؓ شام کے قاضی مقرر کئے گئے۔ آپ اہل شام کے مفتی اور اہل فلسطین کے فقیہ تھے۔ ابوالدرداءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے آپ کی زوجہ محترمہ ام الدرداءؓ اور بیٹے بلال نے روایت کی ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۷۹ ہے۔ مسروق آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میں نے رسول کریم ﷺ کا علم چھ آدمیوں کے پاس پایا۔ ان میں سے ایک

ابودرداءؓ ہیں۔“

آپ نے ۳۲ھ میں دمشق کے قیام کے دوران میں انتقال فرمایا۔

⑥ طبقہ تابعین

طبقہ صحابہ میں سے چند مشہور و معروف صحابہ کا تذکرہ کر لینے کے بعد طبقہ تابعین میں سے چند حضرات کا اختصار کے ساتھ تعارف کروایا جاتا ہے:

6.1 سعید بن مسیب

آپ کا نام سعید بن المسیب ابن حزن مخزومی ہے۔ آپ کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ آپ خلافت فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طلب علم کا شوق تھا اور اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے سفر و سیاحت کا آغاز کر دیا۔ کھول دمشق آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”میں نے علم کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ مگر سعید مسیب سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔“

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ:

”میرے نزدیک طبقہ تابعین میں سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ جب سعید کسی بات کو سنت کے مطابق قرار دیں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ سعید طبقہ تابعین میں سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہیں۔“

آپ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، زید بن ثابتؓ، اور حضرت عائشہؓ سے براہ راست استفادہ کیا۔ جن میں سے سالم بن عبد اللہ زہری، قتادہ، شریک قائل ذکر ہیں۔ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج ۵، ص ۸۸)

6.2 نافع مولیٰ ابن عمر

آپ کا نام نافع بن ہرمز ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ اور نسبت مدنی ہے۔ آپ عبد اللہ بن عمر کی خدمت میں

تیس سال تک رہے۔ ابن عمرؓ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

”نافع عنایت کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا۔“

یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

”نافع کا تعلق دیلم سے تھا اس لیے ان میں تلاپن پایا جاتا تھا۔“

امام مالک نے نافع سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ امام نسائی کے بقول امام مالک نافع کے قریب ترین اور ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ نافع نے عبد اللہ بن عمرؓ کے علاوہ ابوسعید خدریؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے مسند روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں عبد اللہ بن دینار، زہری، اوزاعی، ابن ابی حنیفہ، صالح بن کیسان اور ابن جریج کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نافع کو بہت چاہتے تھے۔ ایک شخص نے نافع کے عوض ان کو تیس ہزار کی پیشکش کی تھی مگر آپ نے اس خطیر رقم کو ٹھکرا دیا اور رضائے الہی کے لیے نافع کو آزاد کر دیا۔ عمر بن عبد العزیز نے حدیث اور فقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ کو مصر بھیجا تھا۔ ۷۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۱۵۰)

6.3 محمد بن سیرین

آپ بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ آپ کے والد سیرین انس بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت انسؓ نے ان کو حضرت خالد بن ولیدؓ سے خریدا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے عراق کے شہر ”عین التمر“ میں مقام انبار کے نزدیک ان کو قیدی بنایا تھا۔ حضرت انسؓ نے سیرین کو کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ ابن سیرین کی والدہ کا نام صفیہ تھا جو حضرت ابو بکرؓ کی آزاد کردہ تھیں۔ محمد بن سیرین خلافت عثمان کے آخری سال میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ تک حیات رہے۔ تیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ ابن عباسؓ، ابوالدرداءؓ، عمران بن حصین اور حضرت عائشہؓ کی روایات آپ مسند

بیان کرتے ہیں۔ البتہ زید بن ثابتؓ، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ اور حذیفہ بن یمانؓ سے آپ نے براہ رسالت روایات سنی ہیں۔ اور ان کی روایات آپ سنداً بیان کرتے ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں شعی، اوزاعی، عاصم الاحول، مالک بن دینار اور خالد الحذاء قابل ذکر ہیں۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”محمد بن سیرین بڑے ثقہ، قابل اعتماد، بہت بڑے امام اور بہت بڑے عالم

تھے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ بغداد: ج ۵، ص ۳۳۱)

16.4 ابن شہاب زہری

آپ کا نام محمد بن مسلم بن عبد اللہ ہے۔ آپ بہت بڑے عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ لیث بن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”میں نے زہری سے زیادہ بڑا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ آپ جب احکام سے

متعلق روایات پر بحث کرتے تو معلوم ہوتا کہ آپ کا تعلق اسی مجال سے ہے

لیکن جب تفسیر اور حدیث کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے تو پتہ چلتا کہ آپ

ہر فن میں اپنی مثال آپ ہیں۔“

زہری حجاز اور شام کے درمیانی علاقہ ”ایلہ“ نامی گاؤں میں رہتے تھے مگر آپ کی شہرت اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی تھی۔ آپ علماء حجاز اور شام کا مرکز اور مرجع تھے۔ آپ نے سعید بن المسیب کی صحبت میں شام کے ایک سرحدی گاؤں ”شعبدا“ میں آٹھ سال گزارے اور اسی جگہ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ زہری جو روایات اپنے شیوخ سے اخذ کرتے تھے انہیں اپنے پاس لکھ لیا کرتے تھے۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں:

”میں اور زہری دونوں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ زہری نے مجھے کہا: آؤ!

حدیثیں لکھ لیا کریں۔ پھر کہا: اقوال صحابہ بھی لکھیں گے۔ میں نے اس کا مشورہ

نال دیا۔ وہ لکھتے رہے اور میں نے نہیں لکھا۔ اس لیے ان کے پاس علم محفوظ رہا

اور ہم بھول گئے۔“

زہریؒ اپنے دور کے بہت بڑے حافظ اور ضابط تھے۔ عمرو بن دینار آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”میں نے حدیث نبوی ﷺ کی روایت باللفظ کا زہری سے زیادہ اہتمام کرنے والا نہیں دیکھا۔“

زہری اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ حدیث کے الفاظ میں معمولی تغیر بھی رونما نہ ہو۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۲۰۰ ہے جس میں آدھی سے زیادہ سند متصل کے ساتھ ہیں۔ زہری نے عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن جعفر، سہل بن سعد، عروہ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح سے روایات اخذ کی ہیں۔ عبادہ بن صامت، ابو ہریرہ اور رافع بن خدیج کی جو روایات آپ نے بیان کی ہیں وہ ساری مرسل ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۱۰۲)

6.5 سعید بن جبیر

آپ کا نام سعید بن جبیر اسدی کوفی اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ، عابد، زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ سفیان ثوری آپ کو ابراہیم خنی پر ترجیح دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:

”تفسیر کا علم سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک، یعنی ان چار علماء سے حاصل کرو۔“

جب عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کوفہ کے قاضی بنائے گئے تو سعید بن جبیر ان کے کاتب تھے۔ پھر ابو بردہ بن ابو موسیٰ کے کاتب مقرر ہوئے۔ آپ ۹۵ھ تک حیات رہے۔ سعید بن جبیر نے عبد اللہ بن زبیرؓ، انس بن مالک، اور ابو سعید خدریؓ سے براہ راست روایات اخذ کیں۔ البتہ آپ کا سماع ابو ہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں۔ اس لیے سعید جب ان سے روایت کرتے ہیں تو وہ روایت مرسل ہوتی ہے۔ یحییٰ بن سعید آپ کی مراسیل کے بارے میں کہتے ہیں:

”سعید بن جبیر کی مرسل روایات مجھے عطاء کی مرسل روایات سے زیادہ عزیز ہیں۔“

سعید بن جبیر سے مندرجہ ذیل حضرات نے بطور خاص استفادہ کیا اور روایات اخذ کیں۔ اعمش، منصور بن معمر، یعلیٰ بن حکم ثقفی، سماک بن حرب۔

میمون بن مہران کہتے ہیں: سعید بن جبیر نے اس حالت میں وفات پائی کہ ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ج ۴، ص ۱۸۲)

6.6 امام ابوحنیفہ

آپ کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کنیت ابوحنیفہ ہے اور اس کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ تابعی ہیں۔ کیونکہ آپ نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن ابی اونی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔

نوٹ: امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱۳ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

⑦ اتباع تابعین

طبقہ تابعین میں سے چند اہم اور معروف و مشہور تابعین کا مختصر تذکرہ کر لینے کے بعد اب اتباع تابعین میں سے ان حضرات کا تعارف کرایا جاتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بنیادی اور اہم کام کیا۔

7.1 امام مالک بن انس

آپ کا نام مالک بن انس بن عامر ہے۔ چونکہ آپ یمنی سلاطین میں سے ایک سلطان ذی الصبح کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اسی کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ امام شافعی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”مالک تابعین کے بعد خدا کی مخلوق پر حجت ہیں۔“

نوٹ: امام مالک کے بارے میں آپ کو رس نمبر ۲، یونٹ نمبر ۱ میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک بار پھر اس یونٹ کا مطالعہ کر لیجئے۔

7.2 امام شافعی

آپ کا نام محمد بن ادريس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے۔ شافع کی جانب نسبت کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قرشی، مطلبی اور مکی ہیں۔ آپ کی والدہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں۔

امام شافعی غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ مکہ ہی میں آپ نے طلب علم کے مراحل طے کئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مکہ کے ایک مشہور قاری اسماعیل بن قسطنطین سے تجوید کا فن سیکھا۔ امام اہل مدینہ مالک بن انس سے تجوید کا فن لیا اور مؤطا کی ساری روایات زبانی یاد کیں۔ امام شافعی نے سفیان بن عیینہ اور عبد الملک بن ماحشون سے بھی حدیث کے مجال

میں استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ نے مسلم بن خالد زنجی سے بھرپور استفادہ کیا۔ مسلم بن خالد زنجی نے آپ کو اس وقت فتویٰ نویسی کی اجازت دی تھی جب آپ کی عمر محض بیس سال تھی۔

حدیث وفقہ کے علاوہ امام شافعی کو لغت کے اسرار و رموز پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ بلند پایہ شاعر اور مناظر تھے۔ آپ نے مدینہ اور کوفہ میں قائم دونوں مراکزِ علم سے خوشہ چینی کی۔ آخر میں جب مصر کا سفر کیا تو وہاں کے مراکز کی روایات بھی حاصل کیں۔

امام شافعی نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں بنیادی مواد فراہم کیا۔ آپ کی مشہور ترین کتاب ”الرسالۃ“ ہے جو آپ نے عبدالرحمن بن مہدی کی استدعا پر تحریر کی۔ اس کا موضوع اصول الفقہ ہے۔ اسی طرح آپ کی کتاب ”کتاب الأم“ بھی بڑی شہرت رکھتی ہے۔ امام شافعی کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں جنہیں شہرت اور مقبولیت ملی وہ درج ذیل ہیں:

امام احمد بن حنبل، ابو عبید قاسم بن سلام، امام حمیدی، ابو ثور ابراہیم بن خالد بغدادی، یوسف بن یحییٰ البویطی، حرملہ بن یحییٰ اور حسن بن محمد زعفرانی۔

امام شافعی کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا:
”جس شخص نے بھی دوات اور قلم سنبھالا، امام شافعی کے احسانات اس کی گردن پر ہیں۔“

7.3 امام سفیان ثوری

آپ کا نام سفیان بن سعید بن مسروق کو فی اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ کے والد سعید بن مسروق اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ حدیث نبوی کے ضبط اور روایت کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے حدیث نبوی ﷺ کے ضبط اور روایت میں اس حد تک شہرت پائی کہ شعبہ بن حجاج، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن معین جیسے محدثین نے آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب دیا۔ خطیب بغدادی آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”سفیان ثوری ایک عظیم امام اور حجۃ الاسلام کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی امامت پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ میں حفظ و اتقان، زہد و تقویٰ اور معرفت کے اوصاف اس حد تک موجود تھے کہ اس ضمن میں کسی تائید اور توثیق کی ضرورت نہیں۔“

سفیان ثوری نے سلیمان بن مہران، اعمش، عبد اللہ بن دینار، عاصم الاحول ابن المنکدر اور دیگر علماء حدیث سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: عبد الرحمن اوزاعی، مسعر بن کدام، ابان بن عبد اللہ حمصی، اور علی بن جعد۔

عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں:

”میں نے گیارہ سو (۱۱۰۰) اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا مگر کسی کو بھی سفیان ثوری سے افضل اور برتر نہ پایا۔ ایک شخص نے پوچھا: ابو عبد اللہ! آپ نے سعید بن جبیر جیسے علماء کو دیکھا ہے اور پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں؟..... ابن مبارک نے فرمایا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ میں نے سفیان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔“

سفیان ثوری کا انتقال بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوا۔

7.4 سفیان بن عیینہ

آپ کا نام سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی کوفی اور کنیت ابو محمد ہے۔ ستاسی (۸۷) تابعین سے آپ کی ملاقات ثابت ہے جن میں ستر (۷۰) وہ حضرات ہیں جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شیوخ میں امام جعفر صادق، حمید الطویل، عبد اللہ بن دینار، ابو الزناد اور صالح بن کیسان جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں اعمش، مسعر بن کدام، عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، اور علی بن مدینی قابل ذکر ہیں۔

سفیان بن عیینہ ۱۶۳ھ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے۔ آپ مکہ میں اہل جاز کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ حافظ ابن حجر آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”آپ بڑے حافظ، فقیہ، امام، حجت اور ثقہ تھے۔ آپ کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا اس لیے روایات میں تدلیس کر جاتے تھے مگر آپ کی تدلیس صرف ثقہ رواۃ تک محدود تھی۔“

سفیان بن عیینہ نے سات ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ امام شافعی نے آپ کے بارے میں فرمایا: ”اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو اہل جاز کا علم رخصت ہو گیا ہوتا۔“

آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۱۶۸ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر اکیانوے سال تھی۔

7.5 لیث بن سعد

آپ کا نام لیث بن سعد بن عبد الرحمن اور کنیت ابو الحارث ہے۔ آپ قشند میں ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ دیار مصر کے عظیم محدث تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری وسائل سے بھی نوازا تھا۔ سالانہ آمدنی بیس ہزار دینار سے زائد تھی مگر اس کے باوجود آپ کے مال پر کبھی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی کیونکہ آپ سب مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے لیث بن سعد سے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام سفیان ثوری اور دیگر علماء حدیث نے آپ کو ثقہ اور عادل قرار دیا ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں:

”لیث بن سعد، امام مالک سے بڑے فقیہ تھے مگر ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا۔“

امام مالک اپنی تالیفات میں جہاں یہ کہتے ہیں کہ ”پسندیدہ اہل علم نے مجھے بتایا“ تو اس سے ان کا اشارہ لیث بن سعد کی جانب ہوتا ہے۔ لیث بن سعد نے نافع، زہری، سعید المقبری، اور یزید بن ابی حبیب

سے روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے عبد اللہ بن مبارک، عبد اللہ بن وہب اور اس طبقہ کے دیگر رواۃ نے استفادہ کیا۔ ۱۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳)

خود آزمائی ②

- ۱- حضرت ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور ابو سعید خدریؓ کا تعلق کس طبقہ سے ہے ان تینوں صحابہ کے بارے میں ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- ۲- عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، ابوذر غفاریؓ، سعد بن ابی وقاصؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو الدرداءؓ کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجئے۔
- ۳- سعید بن مسیب، نافع اور محمد ابن سیرین کا تعلق رواۃ حدیث کے کس طبقہ سے ہے۔ ان تینوں حضرات کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔
- ۴- سعید بن جبیر، اور امام ابو حنیفہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کی علمی خدمات کی وضاحت کیجئے۔
- ۵- امام مالک بن انس، اور امام شافعی کی شہرت اور مقبولیت کس وجہ سے ہے۔ ان دونوں آئمہ کے بارے میں تبصرہ کیجئے۔



یونٹ نمبر ⑧

تاریخ اور تاریخ حدیث کی اہمیت

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

- 245 یونٹ کا تعارف
- 246 یونٹ کے اغراض و مقاصد
- ① تاریخ اور تاریخ حدیث
- 247 1.1 اخبار مع اسناد
- 248 1.2 حدیث اور تاریخ کا باہمی تعلق
- 249 1.3 طبقات اور مسلمان علماء
- 251 1.4 خبر کی معروضیت
- 253 ② تاریخ کے بنیادی اصول اور علماء اسلام
- 253 2.1 تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
- 254 2.2 تاریخ کے فوائد
- 261 2.3 علم تاریخ اور علم طبقات
- 262 2.4 رِوَاۃ حدیث پر کلام کرنے کا جواز

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ”تاریخ اور تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت“ سے ہے۔ مسلمان علماء میں سب سے پہلے جس جماعت نے تاریخ کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ دی وہ علماء حدیث کی جماعت ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی جانچ پڑتال میں خارجی نقد کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ حدیث کی صحت اور سقم کے بارے میں عام طور پر جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ اس کے رواۃ اور رجال کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اسناد پھیلنا اور بڑھنا شروع ہو گئیں اور اسناد کی وجہ سے بعض لوگوں نے حدیث کے ذخائر میں من گھڑت اور بے بنیاد متون کو شامل کرنے کی کوشش کی تو علماء حدیث میں سے ایک جماعت نے اپنی ساری توجہ اس جانب مبذول کر دی۔ امام عبد اللہ بن المبارک، امام علی بن المدینی، امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل نے رواۃ حدیث کے بارے میں جانچ پڑکھ کا آغاز کیا۔ ان حضرات سے پہلے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے بھی رواۃ حدیث پر کلام کیا اور ان کی درجہ بندی کی۔ امام عبد اللہ بن المبارک، امام علی بن المدینی اور امام یحییٰ بن معین کا تعلق چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے مکتب سے رہا اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ نے جب علوم و فنون کے مختلف مجال اختیار کئے اور ہر ایک نے اپنے لیے خاص میدان متعین کیا تو ان حضرات نے علم الرجال کی طرف توجہ کی۔ امام ابن معین کے بارے میں علماء حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ اس فن کے ماہر تھے۔ اسی طرح علی بن المدینی اور عبد اللہ بن المبارک بھی فن رجال کے مرد میدان تھے۔ بعد میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے ان حضرات کے کام کو آگے بڑھایا۔ امام بخاری نے ”تاریخ“ میں بہت وقیع اور مفید کام کیا۔ آپ نے جس طرح اپنی ”صحیح“ کو بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ ترتیب دیا اسی طرح اپنی ”تاریخ“ کو بھی انتہائی توجہ اور انتہاک کے ساتھ مرتب کیا۔ اسی طرح امام نسائی نے بھی رواۃ حدیث کے لئے بہت کڑی شرائط مقرر کیں اور امام نسائی کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی شرط امام بخاری کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔ اس یونٹ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ کو متعلقہ موضوع پر بنیادی اور اساسی مواد آسان اور عام فہم زبان میں فراہم کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا توجہ اور انتہاک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇨ تاریخ اور تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت پر گفتگو کر سکیں۔
- ⇨ اخبار مع اسناد کے آغاز اور ارتقاء پر بحث کر سکیں۔
- ⇨ فن طبقات اور مسلمان علماء کے اس فن کی ترویج میں کردار پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇨ خبر کی معروضیت اور مؤرخ کے کردار کی وضاحت کر سکیں۔
- ⇨ تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کر سکیں۔
- ⇨ تاریخ کے فوائد پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔
- ⇨ رواۃ حدیث پر جرح کرنے کے جواز سے متعلق علماء حدیث کے اقوال پیش کر سکیں۔

① تاریخ اور تاریخ حدیث

اسلامی دین اور معاشرہ کی داخلی ضروریات نے جن علوم کو ایجاد کیا ان میں علم تاریخ بھی ہے۔ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل اور صحابہ کرامؓ کے آثار و اخبار کو جو مثالی حیثیت اور قانونی اہمیت حاصل ہے اس کی کسی دوسرے دین اور معاشرہ میں مثال نہیں ملتی۔ حال کے لیے ماضی کی اہمیت بلکہ تقدس کا، اور شریعت اور معاشرہ کے تسلسل اور ارتقاء کا جو نقش اول اول مسلمانوں کے دل پر بیٹھا اس نے انہیں فوری طور پر حوادث و واقعات، سیر و سوانح اور اقوال و آثار کو محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شعور دلایا۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ ماضی کے علم کا ذریعہ ”خبر“ ہے اور ”خبر“ کا وقار و اعتبار ”طریق روایت“ سے متعین ہوتا ہے اس طرح کہ ایک عینی شاہد واقعہ کی خبر دے اور وہ خبر معروف و مشہور اور قابل اعتماد راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ جو واقعہ خود اپنے سامنے کا نہ ہو اس کے بارے میں دوسرے لوگوں کے چشم دید بیان اور ان کے ضبط و عدالت پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی قابل اعتماد طریقہ عقل کے نزدیک متصور نہیں۔ انسان ہمیشہ سے اپنے روزمرہ کے معاملات میں شہادت پر بھروسہ کرتا آیا ہے لیکن مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کے سلسلہ میں شہادت اور روایت کو محفوظ رکھا جائے اور اس کی چھان بین کی جائے۔

1.1 اخبار مع اسناد

الغرض مسلمانوں نے اپنی مخصوص دینی ثقافت، قومی مزاج اور فطری عقل و ذہانت کے مجموعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اخبار مع اسناد جمع کرنا شروع کیں۔ ان خبروں کے سانچے میں جزوی واقعات ہوتے ہیں۔ ہر خبر مستقل ہوتی ہے۔ طرز بیان کم و بیش ادبی ہوتا ہے۔ بسا اوقات نظم و نثر ملی جلی ہوتی ہیں۔ البتہ اخبار کے مجموعے میں ربط و تسلسل مفقود ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو بس اتنا جتنا ایک قصیدے کے اشعار میں ہوتا ہے۔ ہر خبر کے ساتھ اس کی سند جدا گانہ ہوتی ہے۔

خبر مع سند کا یہ طریقہ بالاتفاق اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے۔ اسلام سے پہلے نہ تو یہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اور نہ پڑوس کی متمدن قوموں میں۔ عربوں میں ایام (جنگوں) سے متعلق قبائل کی اپنی روایات ہوتی تھیں جو واقعات کو فخر کے رنگ میں پیش کرتی تھیں۔ سند کا کوئی اہتمام نہ تھا اور نہ کسی کو اتنی فرصت تھی کہ ان روایات کی صحت کو علمی طریقہ پر جانچے۔ ان کا مقصد تو صرف مسلسل جہد للبقاء میں لہو گرمانا تھا۔ یمن کئی صدیوں تک تجارت، تمدن اور تہذیب کا مرکز رہا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں کسی تاریخی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ ایران اور یونان میں کتابت کے ذریعہ تاریخ کو محفوظ کرنے کا رواج تھا لیکن سند کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ دونوں قوموں کے ہاں تاریخ ٹھوس حقائق اور مستند واقعات سے عبارت نہ تھی۔ بلکہ دیو مالا، خرافات اور ہر قسم کی خیال آرائی اور من گھڑت واقعات پر مشتمل تھی۔

خبر مع سند کے طریقے کو دین اور شریعت کی خاطر مسلمانوں نے سب سے پہلے حدیث کے لیے استعمال کیا، چنانچہ اس کا بھی معیار وہی رکھا جو شریعت میں قابل اعتماد ہو۔ اس معیار کو بروئے کار لانے کے لیے کئی اور علوم و فنون وجود میں آئے جن میں تاریخ اور اسماء الرجال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سند بے معنی ہے اگر رجال سے واقفیت نہ ہو۔ اور رجال سے واقفیت غیر مکمل اور غیر مفید رہے گی تا وقتیکہ ان رجال کے زمانے کے تمام حالات نظر میں نہ ہوں۔ لسانی علوم، لغت و شعر و ادب کا بھی قرآن و حدیث سے ایسا ہی تعلق ہے۔ تاریخ، ادب ہی کی ایک شکل ہے اور ادب تاریخ کا مظہر بھی ہے اور مآخذ بھی۔

1.2 حدیث اور تاریخ کا باہمی تعلق

حدیث اور تاریخ کے قریبی ارتباط پر نظر رکھتے ہوئے توقع اس بات کی ہو سکتی تھی کہ تاریخ وہی قالب اختیار کرے جو حدیث کا قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ تاریخ بھی ”خبر مع سند“ کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی۔ جب اخبار کے ڈھیر لگ گئے تو ان کی تصنیف و تالیف یعنی ایک اصول پر ترتیب و تنظیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اس مسئلے کے جتنے بھی حل ممکن تھے ان کی طرف توجہ کی اور جس حل کو جس حد تک مفید مطلب پایا اس کو اسی حد تک رواج دیا۔

راویوں کے سلسلہ کو دیکھئے: اس کی کڑیاں ”طبقات“ کی شکل میں علیحدہ کی جاسکتی ہیں۔ یہ عمودی تقسیم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک افقی تقسیم ”بلدان“ (شہروں) کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی وہ صنف جو ”طبقات“ کہلاتی ہے فن حدیث سے بہت ہی قریب ہے۔ دوسرا طریقہ جو باسانی ہر ایک کے خیال میں آتا ہے یہ ہے کہ اخبار کو ”سنین“ یعنی ماہ و سال کی ترتیب سے مرتب کیا جائے۔ تیسرا طریقہ جس کی طرف ذہن منتقل ہوتے دیر نہیں لگتی یہ ہے کہ ”دول“ یعنی حکمران خاندانوں کے عہد حکومت کے لحاظ سے اخبار کو مرتب کیا جائے۔ مسلمانوں کے ہاں ابتداء ہی سے یہ سبھی طریقے ملتے ہیں۔ طبقات کی کتابوں میں بسا اوقات عمودی اور افقی دونوں تقسیمیں یک جا ہیں۔ ”سنین“ کا طریقہ زیادہ رائج ہوا اور دول کا کم تر۔ کہیں کہیں ”سنین“ اور ”دول“ دونوں کے لحاظ سے ملی جلی ترتیب بھی ملتی ہے۔

1.3 طبقات اور مسلمان علماء

طبقات کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ یہ خالص اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے لیکن باقی دو طریقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ ”سنین“ کی ترتیب یونانیوں کے ہاں رائج تھی اس لیے مسلمانوں نے وہیں سے لی ہوگی۔ اسی طرح ”دول“ کی ترتیب ایرانیوں کے یہاں مستعمل تھی اس لیے وہیں سے آئی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے یونانی سے جو ترجمے کئے، وہ حکمت، فلسفہ اور علوم سے متعلق تھے۔ یونانی تاریخ و ادب پر مسلمانوں نے سرسری نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ پھر بھی ”سنین“ کا طریقہ اپنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نے شام کے کسی راہب سے باتوں باتوں میں سن لیا ہوگا!!..... یہ صحیح ہے کہ ایرانیوں کے ہاں ”دول“ کی ترتیب رائج تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں سند شمار کرنے کا کوئی مستقل اور دائمی نظام تھا لیکن کیا یہ بات اس سے کہیں زیادہ نمایاں نہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں نسب کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے ساتھ ہی ساتھ انساب کا ایک مکمل علم تھا اور ہاں! دیکھئے بعض تاریخیں مثلاً بلاذری کی ”انساب الاشراف“ نسب ہی کی ترتیب پر مرتب ہوئی۔ پھر حکمران خاندانوں پر توجہ کا مرکوز ہونا کون سی ایسی انوکھی بات ہے کہ اس کا سرا ایران میں تلاش کیا جائے؟!..... اسی طرح مسلمانوں نے جب اخبار جمع کرنا شروع کیں تو ان کے لیے ”مبعث“ یعنی

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک حد فاصل قرار پائی۔ آغاز اسلام سے مسلمانوں نے اپنی تاریخ اپنے امتیازی اصول اور مخصوص نبج پر منضبط اور مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ امتیازی اصول اور مخصوص نبج جس تحقیق و تدقیق کے ضامن تھے وہ کسی اور قوم یا کسی اور دور کی تاریخ کے سلسلہ میں ممکن نہ تھی۔ چنانچہ جب فتوحات کی وسعت اور علوم کی ترقی کی بدولت قبل از اسلام اور غیر مسلم اقوام کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دینی محرکات یہاں بھی کارفرما ہوئے۔ قرآن مجید میں مبعث کی حد فاصل سے پیچھے کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بیشتر انبیاء اور بہت سی قدیم اقوام کا ذکر ہے اس لیے ”مبتدا“ یعنی ابتدائے آفرینش سے مبعث تک کی تاریخ جمع کرنا ایک طرح سے قرآن مجید کی خدمت میں داخل ہے لیکن قرآن میں تو صرف اشارے ہیں۔ اور جو تفصیلات اخلاقی نتائج کے استنباط کے لیے غیر ضروری ہوں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مبتداء کی تاریخ کا مآخذ کیا ہو سکتا ہے؟..... کیا اس بابت بھی انہی اصولوں کے مطابق چھان بین کی جاسکتی ہے جو مبعث اور بعد از اسلام کی تاریخ کے لیے وضع کئے گئے ہیں؟..... بڑی پس و پیش کے باوجود اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تحقیق کے امکان کی بابت سوال کا جواب نفی میں دیا جائے اور اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں جو روایات تورات اور اناجیل کے حوالے سے پائی جاتی ہیں انہیں جوں کا توں نقل کر لیا جائے۔ یہی روایات ہیں جو ”اسرائیلیات“ کے نام سے نہ صرف ہماری تاریخوں میں بلکہ تفاسیر میں بھی بھری پڑی ہیں۔ ان کے مرتبے کی بابت کبھی کوئی شک نہیں رہا یعنی ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا لیکن چونکہ لے دے کر بھلا برا یہی ایک مآخذ ہے اس لیے اسے تمام تر ضائع بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ”ایام العرب“ اور یمن کی تاریخ کے ساتھ بھی یہی رذیہ اختیار کرنا پڑا۔ بالخصوص یمن کی تاریخ تو بالکل افسانوی طرز کی ہے۔ رہیں دوسری قومیں تو وہ خود اپنے بارے میں جو کچھ بتائیں اس کو نقل کرنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ بس ایک عقل مند شخص کو اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ کے ذیل میں جو کچھ کہیں سے نقل کیا جائے وہ سب تحقیق طلب ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ جن اصولوں پر مرتب کی وہ تحقیق کے کام کو آسان بناتے ہیں۔ دوسری قومیں، جو ان اصولوں سے نا آشنا ہیں ان کی تاریخ ہمیشہ کے لیے دھندلی ہی رہے گی۔

اسلام سے پہلے خود عربوں کے یہاں تاریخ کا تصور بس ایک قصہ اور داستان کا سا تھا۔ جسے یا تو دشمن کے خلاف کاروائیوں میں دل بڑھانے کے لیے یا آپس میں بیٹھ کر دل بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ خود اسلام کے زمانے میں یمن کی افسانوی تاریخ سے یہی کام لیا گیا۔ ایران کی تاریخ تو خاص طور پر اس مقصد کے لیے موزوں سمجھی گئی۔ قرآن مجید کے توڑ کے لیے رستم و اسفندیار کے قصے مجلسوں میں سنائے گئے اور جس طرح قرآن کو شعر کہا گیا۔ اسی طرح ”اساطیر الاولین“ بھی کہا گیا۔ اسلام نے ان دونوں تہتوں کا انکار کر کے زندگی کے حقائق اور تاریخ کے ”واقعات“ کو از روئے عقل سمجھنے اور سمجھ کر فرد اور معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی اور حقیقت اور ”واقعہ“ کی چھان بین اور جستجو کا بیج اسلام ہی نے مسلمانوں کے ذہن میں بویا اس کے آثار صرف تاریخ ہی میں نمایاں نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی جلوہ گر ہیں۔

1.4 خبر کی معروضیت

”خبر“ کا طریقہ، خالصتاً معروضی ہے۔ راوی کا فرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ واقعہ بیان کر دے۔ مؤرخ کا یہ کام ہے کہ وہ اخبار کو جمع کر دے۔ نہ تو راوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے اور داخلی تاثرات کو خبر میں شامل کرے اور نہ ہی مؤرخ اخبار جمع کرتے وقت ایسا کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر ایک واقعہ سے متعلق دو متضاد یا مختلف خبریں ہوں تو مؤرخ ان دونوں کو نقل کر کے ایک کو قوی اور دوسری کو ضعیف بتا دیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب ایک عہد کے متعلق اخبار جمع ہو جائیں تو بعد میں آنے والے مؤرخ ان میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ بہت کیا تو یہ کہ پیشرو مؤرخین کے جمع کردہ اخبار میں سے اسناد حذف کر کے واقعات کے بیان میں کچھ اختصار اور ربط و تسلسل پیدا کر دیا۔ ہاں! اخبار کا سلسلہ جہاں پیشرو مؤرخین ختم کرتے ہیں بعد میں آنے والے وہاں سے شروع کر کے ”ذیل“ لکھتے ہیں۔ یعنی بعد کے دور کے اخبار اس بیج پر جمع کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ ذیل کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تاریخ میں خبر ہی خبر کا دور دورہ رہا۔ یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا گیا کہ اس میں ”بحث و نظر“ کا کوئی کام نہیں۔ اس لیے اس کو ادب اور ثقافت عامہ کا ایک ایسا جزو قرار دے دیا گیا جس کو باقاعدہ حلقہ درس

میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پڑھنے والے خود ہی اپنے طور پر پڑھ لیا کرتے تھے بیشتر مؤرخین اپنے بہترین اوقات کسی دوسرے علم میں بحث و نظر کے لیے مخصوص کرتے تھے۔ جب دماغ سوزی سے تھک جاتے تو تفریح کے لیے تاریخ کا ہلکا پھلکا کام بھی کر ڈالتے تھے۔

تاریخ کے لیے دماغ سوزی اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کی ضرورت نہ ہونا اور بات ہے لیکن علم تاریخ کے ضروری، مفید اور دلچسپ ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ایک تو دینی علوم بالخصوص حدیث اور اسماء الرجال میں تاریخ کی مدد ناگزیر تھی۔ دوسرے حکام، عمال، امراء اور وزراء کے لیے تاریخ کی سبق آموزی مسلم تھی۔ ویسے بھی عام مجلسوں میں تاریخی معلومات سے ایک انسان کی تہذیب و شانگی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ نصاب تعلیم میں اس کا کوئی خاص اہتمام ہو تاریخ کا علم ترقی کرتا گیا اور اس کا رواج بڑھتا گیا۔

خود آزمائی ①

- (۱) تاریخ حدیث کی اہمیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اپنی معلومات ترتیب کے ساتھ بیان کیجئے۔
- (۲) اخبار مع اسناد سے کیا مراد ہے۔ مسلمان علماء نے سند کی اہمیت پر کیوں زور دیا۔ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- (۳) حدیث اور تاریخ کے باہمی ربط کی بنیادی وجوہات کی نشاندہی کیجئے۔
- (۴) ”طبقات“ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمان علماء کی ایجاد ہے۔ اس موضوع پر اجمالی تبصرہ کیجئے۔
- (۵) خبر کی معروضیت سے کیا مراد ہے؟ کیا کوئی مؤرخ اپنی طرف سے خبر کے متن میں اضافہ کر سکتا ہے۔ خبر کے اس پہلو پر گفتگو کیجئے۔

② تاریخ کے بنیادی اصول اور علماء

مسلمان علماء نے بڑی ہی ٹھوس بنیادوں پر علم تاریخ کی شاندار عمارت قائم کی یہ بنیادیں وہ ہیں جو عقل کے نزدیک پوری طرح قابل اعتماد ہیں اور دیانت و امانت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں۔ جو جذبہ اس عمارت کی تعمیر میں کارفرما تھا وہ دین کے تحفظ کا جذبہ تھا اسی وجہ سے تاریخ کے سر پر تادیرو علوم حدیث کا سایہ رہا۔ مسلمانوں کو حقیقت اور واقعہ سے ایسا شغف رہا کہ ان کا ادب بھی صدیوں تک قصہ و خرافات اور دیو مالائی تخیلات کے بجائے تاریخ سے وابستہ رہا اور جب بھی تاریخ میں قصہ و خرافات کا رنگ آیا تو اسے شدید نفرت سے منادیا گیا۔ قصاص کے خلاف نہ صرف تادیب بلکہ تعزیری کارروائیاں عمل میں آئیں۔ خبر اور اس کی روایت کے اعلیٰ معیار کو شدت کے ساتھ برقرار رکھتے ہوئے جہاں تک ترتیب و تصنیف کا تعلق ہے کوئی ممکن صورت ایسی نہیں جسے مسلمانوں نے نہایت سلیقہ سے نہ آزمایا ہو۔

2.1 تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

علامہ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوبہری (م ۳۹۸ھ) اپنی کتاب ”صحاح“ میں لکھتے ہیں:

”تاریخ کے معنی ہیں وقت بتانا۔ تاریخ اور تواریخ دونوں ایک ہیں۔ ”ارخت“

بھی بولتے ہیں اور ”ورخت“ بھی کہا جاتا ہے۔“

ابو منصور مہوب بن احمد الجوالیقی (م ۵۳۹ھ) اپنی کتاب ”المعرب من الکلام الأعجمی“ میں

لکھتے ہیں کہ:

”تاریخ“ جو عام طور سے لوگ لکھتے ہیں، خالص عربی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں

نے اہل کتاب سے لیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ ہجرت کے سن سے بتائی جاتی

ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس کے لکھنے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد سے آج

تک وہی تاریخ چلی آتی ہے۔“

اصطلاح میں تاریخ کے معنی ہیں، وقت بتا کر سارے احوال کو متعین کرنا۔ مثلاً راویوں کی ولادت، وفات، صحت، عقل و بدن، رحلت، حفظ و یادداشت، سچائی پر اعتماد (توثیق) اور عدم اعتماد (تجرح)، الغرض اس قسم کی تمام وہ باتیں جو ابتدائی، درمیانی اور مابعد زمانے میں ان کے حالات کی جستجو سے برآمد ہوتی ہیں۔ اسی ذیل میں مختلف حوادث اور بڑے بڑے واقعات بھی آتے ہیں:

2.2 تاریخ کے فوائد

(۱) تاریخ کا فائدہ یہ ہے کہ سب باتوں کا صحیح علم حاصل ہو جائے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دو خبریں جن میں تعارض ہو اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کے علم کا ایک ذریعہ تاریخ ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایسا وقت بتایا جائے جو بعد کا ہو مثلاً: میں نے اس کو اس کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا تھا یا اسی سے ملتی جلتی کوئی اور بات۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روایت کسی بعد کے صحابی کی ہو اس کی تصریح کبھی کبھی راوی خود ہی کر دیتا ہے مثلاً آخر آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کے کھانے کے سبب وضوء کرنا چھوڑ دیا تھا جو آگ پر تیار کی گئی ہوں۔ ایسا ہی حضرت عائشہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے قبل تو جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو غسل کرنے لگے اور حضرت عائشہ کے علاوہ دوسروں کو بھی آپ نے اس کی ہدایت دی۔

(۲) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت بعض ”مختلطن“ (گڈ مڈ کرنے والوں) کے حوالے سے پہنچی ہے وہ پرانی (یعنی ضبط میں کمی آنے سے پہلے کی) ہے یا بعد کی۔

(۳) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس شخص سے روایت کر رہا ہے اس سے کبھی ملا نہیں ہے بلکہ یا تو جھوٹ بول رہا ہے یا ارسال کر رہا ہے۔ اسی سے یہ پتہ لگتا ہے کہ سند میں کیا انقطاع ہے یا اعضاء یا تدلیس یا ارسال۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا خفی۔ کیونکہ تاریخ سے مثال کے طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے اس کا ہم عصر نہیں یا ہم عصر تو ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں، اس لیے

کہ دونوں مختلف شہروں سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں میں سے کوئی نہ تو دوسرے شہر گیا نہ حج یا دیگر مواقع پر اس سے ملا۔ حالانکہ اس نے وہ حدیث بطور اجازۃ یا کتابتہ حاصل نہیں کی۔

جب بعض حفاظ حدیث کو یونس بن محمد المودب کے لیث بن سعد سے روایت کرنے میں اشکال نظر آیا اور خیال یہ ہوا کہ ان دونوں کے مابین سلسلہ منقطع ہے اس لیے کہ وہ مختلف شہروں کے تھے تو حافظ یوسف بن عبد الرحمن مزی (م ۷۴۲ھ) نے کہا: ”ممکن ہے وہ حج کے موقع پر ملے ہوں۔“ پھر کہا: ”بلکہ ممکن ہے بغداد میں ملے ہوں جب لیث بن سعد ایک خاص کام سے وہاں گئے تھے۔“ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ حافظ ابو بکر احمد بن علی، الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) کو امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) سے روایت کرنے والوں میں درج کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تو امام مالک کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سفر کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ ان کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے۔ اسی طرح حافظ محمد بن محمود بن النجار (م ۶۴۳ھ) نے محمد بن الجہم السوسی کے حالات زندگی کو محمد بن الجہم الشامی کے ساتھ گڈ بڈ کر دیا اور السوسی کی سند سے ایک قصہ بیان کیا جسے انہوں نے المہدی باللہ بن الواثق سے سنا کہ اپنے والد (الواثق) کی خلافت کے زمانے میں وہ ان کے سامنے حاضر ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ بہت بڑا سہو ہے اس لیے کہ دراصل شامی نے اس قصہ کو سوسی کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سنا اور مہدی کے والد الواثق کی موت سوسی کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد ہوئی۔

حافظ عبد الکریم بن احمد السمعانی (م ۵۶۲ھ) کو اپنی کتاب ”الأنساب“، باب القذاحی میں یہ شبہ ہوا کہ عبد اللہ بن میمون القذاح نے امام اسماعیل بن جعفر الصادق کی موت کے بعد ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کو امام علی بن محمد، ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) نے یوں رد کیا کہ اسماعیل اپنے والد امام جعفر صادق کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ قذاح ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس صورت میں کہ ان کے والد معلوم و موجود ہوں۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد الجماعی المتقدسی (۶۰۰ھ) نے ”الکمال“ میں جو یہ لکھا ہے کہ جابر بن نوح الحمائی (۲۰۳ھ) میں فوت ہوئے۔ تو حافظ مزنی نے اسے خطا پر محمول کرتے ہوئے کہا ایسا نہیں بلکہ سن ۱۸۳ھ ہے۔ اس کے رد میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ شیخ مزنی نے اپنی کتاب میں جو غلطیاں کی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ وہ عبدالغنی کی تائید میں امام زہری کا اور امام احمد بن حنبل کو جو شیخ حمائی سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں یہ قول لاتے ہیں کہ شیخ حمائی نے ۱۸۶ھ کے بعد ہی سفر کیا ہے۔ اسی طرح شیخ حمائی سے روایت کرنے والوں میں شیخ احمد بن بدیل القاضی (م ۲۵۸ھ) اور شیخ محمد بن طریف البجلی (م ۲۴۰ھ) ہیں اور ان دونوں نے ۱۹۰ھ کے بعد ہی حدیث سنی۔ ان سب وجوہ سے ”الکمال“ کے مصنف کا قول قابل ترجیح قرار پاتا ہے۔

کچھ حضرات نے مجمع بن یعقوب بن مجمع بن یزید بن جاریہ الانصاری کی وفات ۱۶۰ھ میں بتائی ہے۔ حافظ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) کو اس میں تامل ہے اس لیے کہ قتیبہ بن سعید (م ۲۳۱ھ) کا سفر ۷۰ھ کے بعد ہی ہوا۔ البتہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے۔

امام سفیان بن سعید الثوری (م ۱۶۲ھ) کہتے ہیں: جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے مقابلہ میں تاریخ کو لا کھڑا کیا۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ کذا امین کے خلاف کوئی چیز اتنی کارگر نہیں جتنی تاریخ۔ ایک شیخ سے جب یہ پوچھا جائے کہ آپ کس سن میں پیدا ہوئے اور وہ اپنی پیدائش بتا دے ساتھ ہی ہمیں اس (کے شیخ) کی وفات کا بھی، جس سے وہ نسبت رکھتا ہے علم ہو جائے تو پھر ہم اس کا جھوٹ سچ پہچان لیتے ہیں۔

حفص بن غیاث القاضی (م ۱۹۶ھ) سے منقول ہے کہ ”جب تم کسی شیخ کی باتوں میں شک کرو تو دونوں عمروں سے اس کی جانچ پڑتال کر لو یعنی حساب لگا لو خود اس کی عمر کا اور جس سے وہ روایت کرتا ہے اس کی عمر کا“۔ شیخ اسماعیل بن عیاش (م ۱۸۲ھ) نے ایک شخص سے امتحان پوچھا: تم نے خالد بن معدان سے کس سال میں حدیث لکھی؟ اس نے جواب دیا: ۱۱۳ھ میں۔ اس پر انہوں نے کہا: اچھا تو

سہیل بن ذکوان ابوالسندی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور یہ بتایا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے واسط میں ملے تھے۔ دیکھئے! یہ جھوٹ کا کیا نرالا انداز ہے۔ حضرت عائشہؓ کو حجاج کے شہر واسط کی بنا ڈالنے سے بہت پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ (حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۸ء میں ہوئی اور حجاج بن یوسف نے ۸۳ء اور ۸۶ء کے درمیان واسط کی بنیاد ڈالی)۔

اسی قسم کا قول احمد بن جعفر النادوی (م ۳۳۶ھ) کا ہے کہ امام سلیمان بن مهران، لا اعمش (م ۱۲۸ھ) نے ابو بکرۃ، نفع بن الحارث اٹھسی کی رکاب تھامی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ فاش غلطی ہے اس لیے کہ امام اعمش کی پیدائش ۶۱ھ یا ۵۹ھ کی ہے اور ابو بکرۃ اٹھسی کی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔ اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو ان کی پیدائش سے تقریباً دس سال پہلے وفات پا چکا ہو اس کی رکاب تھامے۔ حافظ ابن حجر نے مزید فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن ابی بکرۃ کی رکاب تھامی۔ ”ابن“ کا لفظ تو چھوٹ گیا اور باقی لکھا رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب بھی ہے کہ مزی جو اپنے حفظ اور ملکہ نقد کے لیے مشہور ہیں کیسے اس سے بے خبر رہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں درج ہے کہ معلیٰ بن عرفان نے کہا: ابو اکل شقیق بن سلمہ (م ۷۹ھ) نے مجھ سے خبر بیان کرتے ہوئے کہا: ”صفین میں عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے مقابلے میں آئے۔“ اس پر ابونعیم یعنی الفضل بن دکین (م ۲۱۹ھ) جو کہ معلیٰ سے حکایت کرتے ہیں کہتے ہیں: کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے؟ یہ اس بنا پر کہ ابن مسعودؓ خلافت عثمانؓ کے خاتمے سے تین سال قبل ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ اور جنگ صفین اس کے دو سال بعد حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ پس یہ ممکن نہیں کہ ابن مسعودؓ جنگ صفین میں ان کے مقابل آئے۔

اس قسم کی ایک بات یہ ہے کہ بعض حفاظ نے ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کے مذہب ”جریری“ کی نسبت محمد بن جریر الطبری (م ۱۶۳ھ) کی طرف بتائی ہے حالانکہ ابراہیم تو ابن جریر کے اساتذہ کے

طبقہ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تاریخ پیدائش اور وفات سے پتہ چلتا ہے۔

(۴) علم تاریخ کے ذریعہ ان غلطیوں کا بھی پتہ لگ جاتا ہے جو محققین (ہم نام رواۃ) کے سلسلہ میں واقع ہوتی ہیں۔ اس طور پر کہ ایک بات دوسرے کے پلے ڈال دی جائے جبکہ دونوں میں سے ایک کی پیدائش دوسرے کی وفات کے بعد ہو۔ مثلاً احمد بن نصر بن زیاد الہمدانی، جنہوں نے ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ ان کی بابت یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ احمد بن نصر الدادی ہیں جن کی وفات ۴۰۲ھ میں ہوئی۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) بسا اوقات تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ خطوط اور دستاویزات وغیرہ میں کیا رد و بدل کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ پتہ چل جائے کہ جس حاکم کی طرف ثبوت یا گواہ یا اسی قسم کے دیگر امور منسوب کئے گئے ہیں وہ خط یا دستاویز کی مندرجہ تاریخ سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بعض یہودیوں نے ایک خط پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خط ہے جس میں انہوں نے اہل خیبر کو جزیہ کی معافی دی ہے۔ اس پر صحابہؓ کی شہادت تھی اور یہودیوں کا کہنا تھا کہ (وہ خط) حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۴۴۷ھ میں خط القائم کے وزیر رئیس الروساء ابو القاسم علی بن الحسن (م ۴۵۰ھ) کے پاس پہنچا تو انہوں نے الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ جعلی ہے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں معاویہؓ کی شہادت ہے جو فتح مکہ (۸ھ) کے دن اسلام لائے تھے جبکہ فتح خیبر کا سال ۷ھ ہے۔ اس میں سعد بن معاذ کی بھی شہادت ہے حالانکہ وہ فتح خیبر سے دو سال قبل بنو قریظہ کی لڑائی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بات وزیر کو بہت پسند آئی اس نے خطیب بغدادی کے تجزیہ کو مان لیا اور قرار دیا کہ یہ خط جعلی اور بے بنیاد ہے۔ خط کے جعلی ثابت ہونے کی وجہ سے یہودیوں کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔

عبدالکریم بن محمد الرافعی (م ۶۲۳ھ) اپنی کتاب تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عمر ابن

سرتج (م ۳۰۶ھ) سے خیبر کے یہودیوں کے اس دعویٰ کی بابت پوچھا گیا کہ آیا حضرت علیؑ نے ان کو جزیہ کی معافی لکھ کر دی تھی تو انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان راوی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔

جب خطیب بغدادی نے مذکورہ بالا تجزیہ کیا تو رئیس الروساء ابو القاسم نے اس خط کے جعلی ہونے کی بابت ایک رسالہ لکھا اور ابو طالب طاہر بن عبد اللہ الطبری (م ۴۵۰ھ)، ابو نصر عبد السید بن محمد الصباغ (م ۴۷۷ھ)، محمد بن محمد البیضاوی (م ۴۶۸ھ)، محمد بن علی الدامغانی (م ۴۷۸ھ) اور دیگر معاصر ائمہ نے اس پر اپنی تصدیق ثبت کی۔

المعانی بن زکریا انہروانی (م ۳۹۰ھ) نے اپنی کتاب ”المجلیس“ میں معمر بن شبیب بن شیبہ کی سند سے لکھا ہے کہ انہوں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے شافعی کا ہر بات میں امتحان لیا اور باکمال پایا۔ صرف ایک بات رہ گئی ہے کہ میں ان کو اتنی بید پلا کر دیکھوں جتنی ایک اچھے عقل مند انسان کو مغلوب کر دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام شافعی کو بلایا اور نبیذ پلائی لیکن امام شافعی کے ہوش و حواس ویسے کے ویسے رہے اور ان کے استدلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

شیخ المعانی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”اللہ ہی جانے یہ کہاں تک سچ ہے۔“ ہمارے شیخ اپنی کتاب ”لسان“ میں فرماتے ہیں: جس کو تاریخ سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ اس پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا کہ یہ سب جھوٹ ہے، وجہ یہ ہے کہ امام شافعی دوسری صدی ہجری کے اختتام پر مصر پہنچے تھے۔ مامون اس وقت خراسان میں تھا۔ اس کے بعد امام شافعی نے مصر میں اسی سال انتقال کیا جس سال کہ مامون خراسان سے عراق آیا۔ یہ ۲۰۴ھ تھا۔ الغرض امام شافعی کی مامون الرشید سے اس کے عہد خلافت میں ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ پھر یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے کہ امام شافعی ایسے فعل کے مرتکب ہوں گے۔ جب کہ ان کا قول یہ تھا کہ: ”اگر ٹھنڈے پانی سے میرے اخلاق میں خرابی پیدا ہو تو میں گرم پانی کے سوا دوسرا پانی نہ پیوں۔“

(۶) تاریخ راوی کی یادداشت اور حفظ کی بھی ایک دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً وہ روایت میں کہتا ہے: یہ پہلی روایت

ہے جو میں نے اپنے فلاں شیخ سے سنی۔“ یا فلاں آخری راوی ہے جو فلاں شیخ سے روایت کرتا ہے۔“ یا ”فلاں موقع پر میں نے اسے ایسا کر جتے ہوئے دیکھا۔“ یا ”میں نے فلاں شیخ سے روایات اخذ کیں اس دور سے پہلے جب وہ ثقہ اور عادل نہ رہا۔ یا اس دور سے پہلے جب اس کے حفظ و ضبط میں کمی آئی۔“ متون اور نصوص حدیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً پہلی چیز جو (نبوت کے سلسلہ میں) رسول اللہ ﷺ کو پیش آئی وہ سچا خواب ہے۔“ یا ”سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ فلاں آیت ہے۔“ یا ”پہلی مسجد جو یلحاظ تعمیر مقدم ہے وہ مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد اقصیٰ۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمادیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے۔“ یا ”پہلا بچہ جو اسلام کے دور میں یعنی مدینہ میں پیدا ہوا وہ عبد اللہ بن الزبیر ہیں۔“ یا ”جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ پیر کے دن میری پیدائش ہوئی۔“ اسی طرح صحابہ کرام کا یوں کہنا کہ ہم ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ حبشہ پہنچے یا خیبر کی لڑائی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان ان باتوں سے منع فرمایا۔

اس سے ملتی جلتی اور بہت سی روایات ہیں مثلاً یوں کہنا کہ ”قبل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو“ اس قسم کے نصوص کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کئی حضرات نے ”اوائل“ (اولیات) کو جمع کر کے کتابی شکل دی ہے۔ ابو زکریا مندہ (۵۱۱ھ) نے ”آخر الصحابة موتاً“ کو موضوع بنایا ہے۔ بعض متاخرین نے علی الاطلاق ”اواخر“ پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور چونکہ متون و مصادر حدیث میں اس قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے عبد الرحمن بن عمر البلقینی (۸۲۳ھ) نے اس پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے۔

”التبر المسبوك“ کے مقدمہ میں حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

”علم تاریخ حدیث نبوی ﷺ کے فنون میں سے ہے۔ یہ اتنا عمدہ اور دلچسپ فن ہے کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں بشرطیکہ اس میں سیدھا اور مناسب راستہ اختیار کیا جائے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے اس کا اثر بہت گہرا ہے اور شریعت کے لیے اس کا فائدہ مسلم ہے۔ بڑے پائے اور مرتبہ کے لوگ اس

کے ذریعہ تاریخ اور منسوخ کو پہچانتے ہیں۔ اسی سے ملاقات کا دعویٰ کرنے والے کا جھوٹ کھلتا ہے اور اوپر تک سلسلہ قائم کرنے میں وہ جس تحریف کا مرتکب ہوتا ہے وہ سامنے آ جاتی ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ جس شیخ سے وہ روایت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ خود اس کی پیدائش سے پہلے ہی مر چکا ہوتا ہے۔ یا اس کے حفظ و ضبط میں کمی آ چکی ہوتی ہے اور علماء رجال کے ہاں قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ وہ اپنے شہر سے باہر نہیں گیا اور جو اس سے روایت کرنے کا مدعی ہے وہ کبھی اس کے شہر میں داخل نہیں ہوا۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

”فن تاریخ کی برتری اور اہمیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی ”تاریخ“ مدینہ منورہ میں روضہ نبوی ﷺ کے پاس تالیف کی۔ آپ چاندنی راتوں میں لکھا کرتے تھے اور ”تاریخ“ کو اور ”صحیح“ کو برابر درجہ دیتے تھے۔ وہی ”صحیح“ جس کے ابواب قبر نبوی ﷺ اور منبر نبوی ﷺ کے مابین جگہ بدل بدل کر لکھتے تھے اور ہر عنوان پر دو رکعت ادا کرتے تھے۔ تاریخ اور حدیث کا رشتہ لازم و ملزوم کا ہے اس لیے کہ حدیث کی قدر و قیمت پہچاننے کا تاریخ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔“

2.3 علم تاریخ اور علم طبقات

امام ابن جماعة، عبدالعزیز بن محمد (م ۷۶۷ھ) کہتے ہیں:

”ایک چیز جو مشکل بھی ہے اور ضروری بھی وہ یہ کہ علم تاریخ اور علم طبقات کا فرق سمجھا جائے۔ اور ان دونوں کے موضوع اور مقصود میں جو فرق ہے وہ بھی معلوم رہے۔“

آپ لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اصل میں تو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ مختلف اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔“

حافظ سخاوی اس ضمن میں کہتے ہیں:

”دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ راویوں کا حال بیان کرنے کی حد تک دونوں ایک ہیں۔ اس کے بعد تاریخ صرف واقعات کو لیتی ہے اور طبقات میں یہ ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر ایک بدری (جنگ بدر میں شریک) ہے جس کی وفات اس شخص کے بعد ہوئی جو غزوہ بدر میں شریک نہ تھا۔ تاہم اس بعد میں مرنے والے کا ذکر پہلے ہوگا۔“

اصول تو یہی ہے لیکن متقدمین کے بعد جو مؤلفین آئے انہوں نے اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور وہ طبقہ میں شمولیت کے لیے وفات کے قرب کا لحاظ کرتے ہیں۔ بعض متاخرین نے تاریخ اور طبقات میں یہ فرق بتایا ہے کہ تاریخ اصل میں پیدائش اور وفات بتانے کا اہتمام کرتی ہے اور ضمنی طور پر حالات زندگی سے بحث کرتی ہے۔ اس کے برخلاف طبقات میں اصل اہتمام حالات زندگی کا ہوتا ہے اور ضمنی طور پر پیدائش اور وفات کا لیکن اس فرق میں اتنا زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔

2.4 رواد حدیث پر جرح کرنے کا جواز

بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ متاخرین کے لیے رواد پر جرح کرنا اور ان کے بارے میں کلام کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ غیبت میں داخل ہے اور چونکہ وہ روایات جن کی خاطر اس امر کی اجازت تھی ان کے جمع کرنے کا کام پہلے ہی انجام پا چکا ہے اس لیے اب یہ سب بے فائدہ ہے۔ ابو عمر، محمد بن عثمان بن المرباط (م ۷۵۲ھ) کا کہنا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جرح لا حاصل ہو کر رہ گئی ہے۔ اس موقف کے حامل حضرات بڑی بے باکی کے ساتھ محدثین پر عیب لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بعد کے مؤرخین جیسے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہاں جو معائب کا ذکر ہے یہ محض غیبت ہے۔ حافظ سخاوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”جرح کے جواز میں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ مبنی بر نصیحت اور مبنی بر حقیقت ہو۔ اس کو روایت تک بھی محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لیے کہ بہت سے ایسے مواقع بتائے گئے ہیں جہاں کسی شخص کے بارے میں اس کو بری لگنے والی بات کہی جاسکتی ہے اور ایسی بات عیب میں شمار نہیں ہوگی بلکہ فرض اور نصیحت وغیرہ خواہی کے درجہ میں ہوگی۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کو کچھ اختیارات حاصل ہوں اور وہ ان کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دیتا ہو یا اہلیت ہی نہ رکھتا ہو یا یہ کہ فاسق اور غیر سنجیدہ ہو یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو تو اس کا ذکر کیا جائے گا تاکہ وہ شخص ہٹایا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مقرر کیا جائی جو اہل اور مستعد ہو۔“

امام احمد بن حنبل کو جب عسکر بن محمد بن حسین ابو تراب بخشی (م ۲۴۵ھ) نے جرح سے روکتے ہوئے کہا: ”دوسروں کی غیبت نہ کیجئے“ تو امام احمد نے جواب دیا: خدا تمہیں سمجھے، یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو روزہ اور نماز سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ اور ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ یہی وجہ ہے کہ جرح، حرام غیبت سے مستثنیٰ ہے بلکہ مسلمانوں کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ اس کو ضرورت کے پیش نظر واجبات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام یحییٰ بن معین (م ۲۴۳ھ) کا کہنا ہے کہ ہم ان لوگوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں جو جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں:

”جب سے میں نے یہ سنا کہ غیبت حرام ہے کسی کی غیبت نہیں کی۔“

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بکر بن منیر کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

”میں نے امام بخاری کو کہتے سنا ہے کہ مجھے امید ہے جب میں خدا سے ملوں گا تو مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کی بابت کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔“

جب امام بخاری کے وراثت، محمد بن ابی حاتم نے ان کو یہ کہتے سنا کہ: ”آخرت میں مجھ سے جھگڑنے والا کوئی نہ ہوگا۔“ تو انہوں نے امام بخاری سے بعینہ یہ لفظ کہے: ”بعض لوگ آپ کی تاریخ سے خوش نہیں ہیں کہتے ہیں اس میں لوگوں کی غیبت پائی جاتی ہے۔“ امام بخاری نے یہ سن کر کہا: ہم تو صرف ان باتوں کے روایت کرنے

والے ہیں۔ اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ نہیں کہا ہے۔ امام بخاری رواۃ پر جرح کرتے وقت بہت محتاط رہتے ہیں۔ اکثر اتنا ہی کہتے ہیں ”یہ محل نظر ہے“۔ ”اس کے بارے میں لوگ خاموش ہیں“۔ ”اس کو لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے“۔ یا ایسی ہی کوئی اور بات۔ آپ کسی راوی کے بارے میں بہت کم یوں کہتے ہیں کہ فلاں جھوٹا ہے۔ حدیثیں گھڑتا ہے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں: ”فلاں نے اس کو جھوٹا بتایا ہے“۔ ”فلاں نے اس پر الزام لگایا ہے“۔

جو حضرات جرح کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو شریعت کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا حق بہر حال مقدم ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: کیا آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ سے جھگڑیں گے؟۔ اس کے جواب میں امام قتان نے فرمایا: یہ لوگ مجھ سے جھگڑیں یہ میرے نزدیک کہیں بہتر ہے اس سے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ میں نے ان کی حدیث کا بچاؤ نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی سے جب جرح رواۃ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا: محدث کے فن کا تو اصل کام ہی جرح و تعدیل ہے جو شخص اس بات پر محدث کو برا کہے کہ وہ کھلم کھافتی کرنے والے کی برائی ظاہر کرتا ہے یا ان لوگوں کی برائی بیان کرتا ہے جن میں ناپسندیدہ عیوب ہوتے ہیں تو وہ جاہل اور کم فہم ہے۔ یا پھر ان ناپسندیدہ لوگوں کی برائیوں میں شریک ہے اور ڈرتا ہے کہ ان کی بابت جو کچھ کہا جائے اس کا اطلاق خود اس پر نہ ہو۔

خود آزمائی ②

- (۱) علماء اسلام نے تاریخ کے بنیادی اصولوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ وضع کیا۔ اس کی وجوہات اور اسباب پر بحث کیجئے۔
- (۲) تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔
- (۳) تاریخ کے فوائد کئی حوالوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ ان فوائد پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- (۴) علم تاریخ اور علم طبقات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اجمالی تجزیہ کیجئے۔
- (۵) رواۃ حدیث پر جرح کرنے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء حدیث کے اقوال پیش کیجئے۔



پونٹ نمبر ۹

علماء رجال

www.kitabosunnat.com

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

269	یونٹ کا تعارف
270	یونٹ کے اغراض و مقاصد
271	① علماء رجال
271	1.1 طبقہ نمبر ۱ کے رواۃ
272	1.2 طبقہ نمبر ۲ کے رواۃ
273	1.3 طبقہ نمبر ۳ کے رواۃ
274	1.4 طبقہ نمبر ۴ کے رواۃ
274	1.5 طبقہ نمبر ۵ کے رواۃ
275	1.6 طبقہ نمبر ۶ کے رواۃ
275	1.7 طبقہ نمبر ۷ کے رواۃ
276	1.8 طبقہ نمبر ۸ کے رواۃ
278	1.9 طبقہ نمبر ۹ کے رواۃ
278	1.10 طبقہ نمبر ۱۰ کے رواۃ
279	1.11 طبقہ نمبر ۱۱ کے رواۃ
281	1.12 طبقہ نمبر ۱۲ کے رواۃ
283	1.13 طبقہ نمبر ۱۳ کے رواۃ
283	1.14 طبقہ نمبر ۱۴ کے رواۃ
284	1.15 طبقہ نمبر ۱۵ کے رواۃ

285	1.16 طبقہ نمبر ۱۶ کے رواۃ
286	1.17 طبقہ نمبر ۱۷ کے رواۃ
287	1.18 طبقہ نمبر ۱۸ کے رواۃ
288	1.19 طبقہ نمبر ۱۹ کے رواۃ
291	1.20 طبقہ نمبر ۲۰ کے رواۃ
292	1.21 طبقہ نمبر ۲۱ کے رواۃ
293	1.22 طبقہ نمبر ۲۲ کے رواۃ
295	1.23 طبقہ نمبر ۲۳ کے رواۃ
296	1.24 طبقہ نمبر ۲۴ کے رواۃ

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق علماء رجال سے ہے۔ اس سے پہلے آپ تاریخ حدیث کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ علماء حدیث کے ہاں رِوَاۃ حدیث کی جو تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ یہ بہت وسیع لٹریچر پر مشتمل ہے۔ ہر دور کے علماء نے اس میدان میں کام کیا ہے اور اس طرح ہزاروں تالیفات وجود میں آئی ہیں۔ اس وقت حدیث سے متعلق جتنے بھی علماء پہلی صدی سے لے کر آج تک گزرے ہیں ان سب کی تاریخ الحمد للہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علم رجال وہ مفرد علم ہے جو مسلمان علماء کی ایجاد اور خاصہ ہے۔ ڈاکٹر سپرنگر نے اسی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ علم مسلمانوں کے علاوہ اور کسی قوم کے پاس نہیں۔ اور مسلمان اس علم پر جتنا چاہیں فخر کر سکتے ہیں۔ حدیث کے طلبہ کے ضروری ہے کہ وہ علم رجال اور علماء رجال کے بارے میں پوری طرح جانتے ہوں۔ ہمارے ہاں بد قسمتی سے طلبہ اس جانب بہت کم توجہ دیتے ہیں علم رجال اور اس علم سے تعلق رکھنے والے علماء کے بارے میں ہمارے طلبہ کو بہت کم آگاہی ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء رجال میں سے جو معروف اور مشہور حضرات ہیں ان کے بارے میں کم از کم طلبہ کو بنیادی معلومات حاصل ہوں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ ابتدائی نو صدیوں کے علماء رجال کا مختصر تعارف طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور ان علماء کی تالیفات کا تذکرہ بھی کیا جائے تاکہ جو طلبہ اس مجال میں آ کر مزید کام کرنا چاہیں وہ اس کی بنیاد پر اصل مصادر اور مآخذ تک رسائی حاصل کر سکیں آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں۔ اور پوری توجہ کیساتھ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇐ علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۱ کے رِوَاۃ کی فہرست تیار کر سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۲ کے رِوَاۃ اور ان کی خصوصیات بتا سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۳ سے طبقہ نمبر ۶ تک کے رِوَاۃ کی خدمات پر بحث کر سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۷ تا طبقہ نمبر ۹ کے رِوَاۃ اور ان کی مرتب کردہ تالیفات کے بارے میں تفصیل بتا سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۱ کے رِوَاۃ میں سے اہم ترین علماء رجال کا تعارف کروا سکیں۔
- ⇐ علماء رجال کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۱۰ تا طبقہ نمبر ۱۲ کے رِوَاۃ کی تالیفات کی اہمیت اور افادیت واضح کر سکیں۔
- ⇐ طبقہ نمبر ۱۳ تا طبقہ نمبر ۲۴ کے رِوَاۃ کی ایک تفصیلی فہرست تیار کر سکیں۔

① علماء رجال

رجال اور روادۃ حدیث سے بحث کرنے والے علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان سب کا تذکرہ کرنا اور ان کی خدمات پر گفتگو کرنا یونٹ میں بہت مشکل ہے۔ علماء رجال اور ان کی خدمات سے واقفیت چونکہ حدیث کے طلبہ کے لیے نہایت ضروری ہے اس لیے یہاں اختصار کے ساتھ ان حضرات کے نام طبقات کی ترتیب کے مطابق جمع کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طلبہ کے سامنے اس فن سے متعلق خدمات و آثار کی ایک جھلک آجائے۔

حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب ”الکامل“ کے مقدمہ میں اپنے دور تک بہت سارے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم انہی کی پیروی کرتے ہوئے ان علماء کا تذکرہ کریں گے۔

1.1 طبقہ نمبر ۱: صحابہ کرامؓ

۱- ابو حفص عمر بن الخطاب القرشی، العدوی: خلیفہ راشد، آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس برس پہلے ہوئی اور ۲۳ھ میں مدینہ میں آپ کو شہید کیا گیا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ عمر فاروق پہلی شخصیت ہے جس نے روایت و درایت کے اصولوں کا اہتمام کیا۔

۲- ابوالحسن، علی بن ابی طالب القرشی البہاشی: خلیفہ راشد، آپ ہجرت سے تیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید کئے گئے۔ آپ روادۃ کی روایت کو ہر پہلو سے دیکھنے کے بعد قبول کرتے تھے۔

۳- ابوالعباس عبداللہ بن عباس القرشی البہاشی: آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں قیام طائف کے دوران میں انتقال فرمایا۔ ابن عباس کا شمار طبقہ صحابہ میں ائمہ تفسیر و حدیث میں ہوتا ہے۔

- ۴- ابو یوسف، عبد اللہ بن سلام الاسرائیلی: عبد اللہ بن سلام ۴۳ھ تک حیات رہے۔
- ۵- ابوالولید، عبادۃ بن الصامت الخزرجی، الانصاری: آپ ہجرت سے اڑتھیں سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۳۴ھ میں رملہ فلسطین کے قیام کے بعد انتقال فرمایا۔
- ۶- ابوثمامہ، انس بن مالک، الخزرجی الانصاری: آپ مدینہ منورہ میں ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۹۰ھ کے بعد انتقال فرمایا۔
- ۷- امّ عبد اللہ، عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ: آپ کی پیدائش ہجرت سے نو سال پہلے ہوئی۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے روادۃ حدیث پر بھی کلام کیا اور متون حدیث کی بھی جانچ پڑتال کی۔

1.2 طبقہ نمبر ۲: تابعین

تابعین میں سے حافظ ابن عدی نے چند حضرات کا ذکر کیا ہے جیسے ابو عمرو، عامر بن شراحیل الشعمی الکوفی (م ۱۰۳ھ)، ابوبکر محمد بن سیرین البصری (م ۱۱۰ھ)، ابو محمد سعید بن المسیب المدنی (م ۹۳ھ)، ابو عبد اللہ سعید بن جبیر الکوفی (م ۹۵ھ)۔ لیکن ان کے بعد آنے والوں کی بہ نسبت ان میں ایسے روادۃ کم ہیں جن پر کلام کیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے شیوخ و اساتذہ ایسے ہیں کہ ان میں ضعف بہت کم پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر تو ان میں سے صحابہ ہیں جن کی عدالت اور ثقاہت مسلم ہے اور جو صحابہ نہیں ہے ان میں بھی اکثر ثقہ اور عادل ہیں۔ پہلے قرن (دور) میں جو صحابہ اور کبار تابعین پر ختم ہوتا ہے بمشکل ہی کوئی ضعیف راوی اس دور میں ملتا ہے۔ اکادکا کی بات اور ہے جیسے الحارث بن عبد اللہ الاعور اور مختار بن ابو عبیدہ کذاب۔ جب پہلا قرن (دور) اختتام پذیر ہوا اور دوسرا قرن (دور) آیا تو اس کے شروع ہی میں متوسط تابعین میں چند ایسے ”ضعیف“ راوی پائے گئے جن کو احادیث کے ٹھیک یاد رکھنے اور روایت کرنے کے بارے میں بسا اوقات ضعیف قرار دیا گیا۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ وہ موقوف روایات کو مرفوع بنا ڈالتے ہیں۔ اور ارسال تو بہت زیادہ کرتے ہیں اور غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابو

ہارون، عمارۃ بن جویں العبدی البصری (م ۱۳۳ھ) کی مثال ہے۔ جب طبقہ وسطی کے تابعین کا دور ختم ہوا اور تبع تابعین کا دور شروع ہوا تو کئی علماء نے توثیق اور ترجیح کے بارے میں بولنا شروع کیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت (م ۱۵۰ھ) نے کہا: میں نے جابر بن یزید الجعفی (م ۱۲۸ھ) سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ امام ابو محمد سلیمان بن مہران الاعمش (م ۱۳۸ھ) نے بھی چند رواۃ کو ضعیف اور چند کو ثقہ بتایا۔ امام شعبہ بن الحجاج البصری (م ۱۶۰ھ) نے بھی رجال کو پرکھا۔ امام شعبہ بڑے محتاط تھے اور ثقہ رواۃ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔ یہی حال امام مالک بن انس الاصبھی (م ۱۷۹ھ) کا تھا۔ اس دور میں جن علماء کا سکہ چلتا تھا اور جن کی بات آنکھیں بند کر کے قبول کی جاتی تھی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

1.3 طبقہ نمبر ۳:

- ۱- ابو عروہ، معمر بن راشد الأزدی البصری السبئی: آپ ۹۵ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳ھ میں صنعاء میں قیام کے دوران انتقال کیا۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ حدیث میں آپ نے ایک ”جامع“ مرتب کی لیکن اس کا نسخہ اب مایاب ہے۔ البتہ آپ کی روایات مصادر حدیث میں بکثرت پھیلی ہیں۔
- ۲- ابوبکر، ہشام بن ابوعبد اللہ الدستوائی البصری (م ۱۵۳ھ)
- ۳- ابو عمرو عبد الرحمن بن عمرو بن حکم الاوزاعی الشامی (م ۱۵۷ھ)
- ۴- ابو عبد اللہ عبد العزیز بن عبد اللہ الاصبہانی المدنی (م ۱۶۲ھ)
- ۶- ابوسلمۃ حماد بن سلمۃ بن دینار البصری (م ۱۶۷ھ)
- ۷- ابوالحارث، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ): آپ اپنے دور میں اہل مصر کے امام اور پیشوا تھے۔ مصر میں آپ کا نام انتہائی عقیدت و احترام سے لیا جاتا تھا۔

1.4 طبقہ نمبر ۴:

ان کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل حضرات آتے ہیں:

۱- ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن المبارک المروزی (م ۱۸۱ھ)

۲- ابو معاویہ ہشیم بن بشیر الواسطی البغدادی (م ۱۸۳ھ)

۳- ابوالخلیف ابراہیم بن محمد الفزازی الکوفی (م ۱۸۶ھ)

۴- ابوسعود المعانی بن عمران الأزدی الموصلی (م ۱۸۵ھ)

۵- ابواسماعیل بشر بن المفضل البصری (م ۱۸۶ھ)

۶- ابو محمد سفیان بن عیینہ الکوفی (م ۱۹۸ھ)

انہی کے زمانے میں ایک طبقہ اور تھا جس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

1.5 طبقہ نمبر ۵:

۱- ابوبشر اسماعیل بن ابراہیم ابن علیہ البصری (م ۱۹۳ھ)

۲- ابو محمد عبد اللہ بن وہب المصری (م ۱۹۷ھ)

۳- ابوسفیان وکیع بن الجراح الرواسی الکوفی (م ۱۹۷ھ)

اسی دور میں یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) اور عبد الرحمن بن مہدی البصری (م ۱۹۸ھ) نے رواد حدیث پر خوب کام کیا۔ ان دونوں حضرات نے جس کو ثقہ قرار دیا اس کی ثقاہت مسلم ہوگئی اور جس کو ان دونوں نے ضعیف قرار دیا اس کے ضعف کو علماء نے تسلیم کر لیا۔ اور جس راوی کے بارے میں ان دونوں کی رائے مختلف ہوئی اس میں علماء نے اجتہاد سے کام لیا۔ لیکن ایسے رواد نہ ہونے کے برابر ہیں جن کے بارے میں ان دونوں حضرات کی رائے مختلف رہی ہوگی۔

1.6 طبقہ نمبر ۶:

ان کے بعد وہ علماء جنہیں مسلمہ حیثیت حاصل ہوئی مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱- امام شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الموطی، آپ غزہ فلسطین میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ امام شافعی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روایت و درایت کے اصول و مبادی کو مدون کیا۔ رواۃ اور روایات پر کلام کیا۔ اتصال اور انقطاع کے فرق کو واضح کیا۔

۲- ابو خالد یزید بن ہارون الواسطی (م ۲۰۶ھ)

۳- ابو داؤد سلیمان بن داؤد الطیالسی البصری (م ۲۰۴ھ)

۴- ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الخیر الصنعانی (م ۲۱۱ھ)

۵- ابو عبد اللہ محمد بن یوسف الفریابی (م ۲۱۲ھ)

۶- ابو عاصم، ضحاک بن محمد مغلہ بصری، النبیل (م ۲۱۲ھ)

1.7 طبقہ نمبر ۷:

اس کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

- ۱- ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی المکی (م ۲۱۹ھ)
- ۲- ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسلمۃ القعنسی المدنی البصری (م ۲۲۱ھ)
- ۳- ابو عبید القاسم بن سلام البروی البغدادی (م ۲۲۳ھ)
- ۴- ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری (م ۲۲۶ھ)
- ۵- ابو الولید ہشام بن عبد الملک الطیالسی، البصری (م ۱۳۳ھ)

اس کے بعد جرح و تعدیل اور ”علل“ (روایات کے مخفی عیوب) پر باقاعدہ تصنیف و تالیف کا کام شروع ہوا۔ مواد جمع کیا گیا اور کتابیں لکھی گئیں۔ اور صاف صاف بتا دیا گیا کہ کون وثوق و اعتماد کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، کون عیوب و نقائص سے بالکل صاف اور سالم ہے اور کون کمزور اور سقیم و ناقابل اعتماد ہے۔

مذکورہ بالا شیوخ کے علاوہ اس دور میں ”رجال“ اور ”علل“ کے سب سے بڑے امام ابو زکریا، یحییٰ بن معین البغدادی (م ۲۳۳ھ) تھے۔ حفاظ حدیث روایت حدیث کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اس لیے بعض رجال کے بارے میں آپ کی رائے مختلف ملتی ہے۔

علماء حدیث کے ہاں آپ کو ”مجتہد فی الرجال“ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح استنباط و اجتہاد میں مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے ہیں اسی طرح رجال اور روایت کے بارے میں امام ابن معین کے اقوال مختلف ملتے ہیں۔ امام ابن معین کے طبقہ میں امام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) بھی آتے ہیں۔ امام احمد کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے تلامذہ ”رجال“ کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام احمد جرح و تعدیل کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے اس لیے علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت زیادہ وقعت اور اہمیت دی جاتی ہے۔ ابو عبد اللہ، محمد بن سعد البصری، البغدادی (م ۲۳۰ھ) نے بھی اپنی کتاب ”الطبقات الکبریٰ“ میں رجال پر بحث کی ہے۔ اسی طرح ابو خیمہ، زہیر بن حرب البغدادی (م ۲۳۴ھ) نے بھی رجال سے متعلق متقدمین کے اقوال جمع کئے ہیں جنہیں ان کے بیٹے احمد بن زہیر نے ترتیب دی۔

1.8 طبقہ نمبر ۸:

اس دور کے دوسرے آئمہ جرح و تعدیل حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو جعفر، عبد اللہ بن محمد الفضلی، الحرانی (م ۲۳۳ھ) آپ ”حافظ الجزیرۃ“ کہلاتے ہیں۔ امام ابو داؤد نے آپ کے بارے میں کہا تھا: ”میں نے ابو جعفر النبیل سے بڑھ کر حدیث کا حافظ نہیں دیکھا“۔

- ۲۔ علی بن المدینی، ابو الحسن علی بن عبد اللہ (م ۲۳۴ھ): آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ مستند

اور معتد عالم تھے۔ آپ نے ”علل“ اور ”رجال“ پر بنیادی مواد جمع کیا۔ ”العلل“، ”الاسامی“ و ”الکئی“، ”الطبقات“ اور ”التاریخ“ آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔

۳- محمد بن عبد اللہ بن نمیر البہدانی، الکوفی (م ۲۳۴ھ): آپ کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا تھا: **هُوَ ذُرَّةُ الْعِرَاق**۔ یعنی آپ عراق کے موتی ہیں۔

۴- ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (م ۲۳۵ھ)۔ آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک ”المصنف“ اور دوسری ”المسند“۔ حفظ و ضبط میں آپ کی مثال دی جاتی تھی اور معلومات و مطالعہ میں آپ امام احمد بن حنبل کے پائے کے تھے۔

۵- ابوسعید عبید اللہ بن عمر القواریری، البصری، البغدادی، (م ۲۳۵ھ): آپ کے بارے میں صالح جزرہ نے کہا تھا: **هُوَ أَغْلَمُ مَنْ رَأَيْتُ بِحَدِيثِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ**۔ یعنی جہاں تک میں جانتا ہوں آپ اہل بصرہ کی روایات کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۶- اسحاق بن راہویہ، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم المروزی، نیشاپوری (م ۲۳۸ھ): آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور شیخ تھے۔ امام بخاری نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی ایما و ہدایت پر اپنی ”صحیح“ کو مرتب کیا۔

۷- ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن عماد لا زدی البغدادی الموصلی (م ۲۳۴ھ): آپ ”رجال“ اور ”علل“ کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی تالیفات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۸- ابو جعفر احمد بن صالح الطبری المصری (م ۲۳۸ھ): آپ ”حافظ مصر“ کہلاتے ہیں۔ اپنے دور کے بے مثال محدث تھے۔

۹- ابو موسیٰ، ہارون بن عبد اللہ البغدادی المزازی، المعروف بالحمال (م ۲۳۳ھ): آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

1.9 طبقہ نمبر ۹:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کو فن رجال میں شہرت ملی اور جن کی تالیفات کو مقبولیت حاصل ہوئی حسب ذیل ہیں:

- ۱- ابو یعقوب اسحاق بن منصور المروزی المعروف بالکلوچ (م ۲۵۱ھ)
- ۲- الدارمی، ابو محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمن السمرقندی (م ۲۵۵ھ): آپ کی شہرت ”السنن“ کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ اپنے دور کے ان ائمہ میں سے ہیں جنہیں رجال اور علل کے میدان میں مستند معلومات حاصل تھیں۔
- ۳- الذہلی، ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد بن فارس الذہلی نیشاپوری (م ۲۵۸ھ): آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک ”الزہریات“ اور دوسری ”علل احادیث الزہری“ یہ دونوں کتابیں امام زہری کی روایات پر مشتمل ہیں۔
- ۴- امام بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”الجامع الصحیح“، ”التاریخ الکبیر“، ”التاریخ الاوسط“، ”التاریخ الصغیر“، ”الضعفاء الصغیر“، ”الجامع الصغیر“، ”الجامع الکبیر“، ”المسند الکبیر“، ”التفسیر الکبیر“، ”کتاب العلل“، ”کتاب الاثریہ“، ”کتاب الکفی“ وغیرہ وغیرہ۔
- ۵- حافظ العجلی، ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی (م ۲۶۱ھ): آپ نے طرابلس کا سفر کیا اور پھر وہیں قیام کیا۔ اس لیے نزہیل ”المغرب“ کہلاتے ہیں۔

1.10 طبقہ نمبر ۱۰:

ان محدثین کے بعد جن علماء کو استناد و اعتماد کا درجہ حاصل رہا ان کے نام یہ ہیں:

- ۱- ابو حاتم محمد بن ادريس الرازی (م ۲۷۷ھ): آپ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے۔ محدثین

اپنی تالیفات آپ کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس تالیف کی آپ توثیق کرتے وہ مستند سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے ”المسند“، ”کتاب الزہد“، اور ”الضعفاء“ تین کتابیں تالیف کیں۔

۲۔ ابو حاتم محمد بن ادريس الرازی (م ۲۷۷ھ): آپ جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام ہیں۔ اس فن میں آپ کی معلومات پر متاخرین نے اعتماد کیا ہے۔ آپ کی معلومات اور اقوال کو آپ کے بیٹے عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی نے اپنی کتاب ”الجرح والتعدیل“ میں جمع کیا۔ ”الجرح والتعدیل“ ایسی کتاب ہے کہ اس فن میں اپنی مثال آپ ہے۔ حدیث کا کوئی طالب علم اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

۳۔ امام مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، القشیری، نیشاپوری (م ۲۶۱ھ): آپ کی جو تالیفات علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مشہور ہوئیں وہ یہ ہیں: ”الجامع الصحیح“، ”المسند الکبیر“، ”کتاب التیمیز“، ”کتاب العلل“، ”کتاب سؤالات احمد بن حنبل“، ”کتاب اہام المحدثین“، ”راۃ الاعتبار“ وغیرہ۔

۴۔ قبی بن مخلد، ابو عبد الرحمن قبی بن مخلد الاندلسی القرطبی (م ۲۸۶ھ): آپ اندلس کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ نے احادیث کا جو مجموعہ ”مسند“ کے نام سے مرتب کیا وہ باقی مجموعہ ہائے حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ضخیم مجموعہ تھا۔ اس میں تقریباً اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) روایات تھیں۔ لیکن یہ مجموعہ گردش زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ البتہ اس کی روایات دیگر مصادر میں پھیل گئی ہیں۔

۵۔ ابو زرعة الدمشقی، عبد الرحمن بن عمرو النصری (م ۲۸۱ھ): آپ نے ”تاریخ“ اور ”علل“ پر کتابیں مرتب کیں۔ ”مسائل“ کے نام سے حدیث اور فقہ کی روایات بھی جمع کیں۔

1.11 طبقہ نمبر ۱۱:

ان شیوخ کے بعد جن حضرات کو ”رجال“ کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی۔ وہ یہ ہیں:

- ۱- ابو محمد عبد الرحمن بن یوسف بن سعید بن خراش المروزی البغدادی (م ۲۸۳ھ): آپ نے جرح و تعدیل میں ایک وقیع کتاب مرتب کی۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کو اپنے دور میں وہی مقام حاصل رہا جو ابو حاتم رازی کو اپنے دور میں حاصل تھا۔
- ۲- ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق البغدادی الحرابی (م ۲۸۵ھ)
- ۳- ابو عبد اللہ محمد بن وضاح الاندلسی القرطبی (م ۲۸۹ھ): آپ ”حافظ قرطبہ“ کہلاتے ہیں۔ چین کے معروف و مشہور محدثین کی فہرست میں آپ کا نام آتا ہے۔
- ۴- ابوبکر احمد بن عمرو بن النبیل ابو عاصم، شیبانی بصری (م ۲۸۷ھ): آپ اصہبان کے قاضی رہے۔ آپ کی شہرت دو کتابوں کی وجہ سے ہے۔ ایک ”المسند الکبیر“ اور دوسری ”کتاب السنۃ“۔
- ۵- ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن احمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادی (م ۲۹۰ھ): آپ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ امام احمد کی مسند کے راوی ہیں۔ اس مسند میں امام احمد کی روایات کے علاوہ تقریباً دس ہزار روایات آپ کی ہیں۔
- ۶- صالح جزره، ابو علی صالح بن محمد البغدادی: آپ ۲۰۵ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا آخری حصہ بخارا میں گزارا اور بخارا ہی میں ۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔
- ۷- ابوبکر الہز از احمد بن عمرو بن عبد الخالق البصری (م ۲۹۲ھ): آپ نے دو مسانید مرتب کیں۔ ایک ”المسند الکبیر“ جس کا نام البحر الآخر ہے۔ دوسری ”المسند الصغیر“۔ مسند کبیر میں رواۃ اور روایات پر علت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔
- ۸- ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی البغدادی (م ۲۹۷ھ): آپ نے ”کتاب السنن“ اور ”تاریخ کبیر“ کے علاوہ کئی دیگر کتابیں تالیف کیں۔ لیکن رواۃ حدیث کے بارے میں آپ کی معلومات علماء رجال کے ہاں مستند ہیں۔

۹- ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی: آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ پھر نیشاپور چلے گئے اس کے بعد سمرقند میں جا بے اور وہیں ۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی ”مسند“ علماء کے حلقوں میں رائج اور متداول رہی۔

1.12 طبقہ نمبر ۱۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے رجال اور علل کے میدان میں کام کیا وہ حسب ذیل ہیں:

- ۱- ابوبکر الفریابی، جعفر بن محمد (م ۳۰۱ھ)
- ۲- البردبجی ابوبکر احمد بن ہارون البغدادی (م ۳۰۱ھ)
- ۳- امام نسائی ابوعبدالرحمن احمد بن علی بن شعیب: آپ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی شہرت اگرچہ ”السنن“ سے ہے لیکن رجال میں آپ کی تالیف ”الضعفاء والمتردکون“ بہت اہم اور بنیادی مصدر ہے۔ رواق حدیث کے بارے میں آپ کا رویہ چونکہ بہت احتیاط کا تھا اس لیے سنن اربعہ میں آپ کی سنن کو علماء حدیث پہلا درجہ دیتے ہیں۔
- ۴- ابویعلیٰ احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ): آپ کی شہرت آپ کی ”مسند“ کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ ”رجال“ اور ”علل“ کے ماہرین میں بھی شمار ہوتے ہیں۔
- ۵- ابوالعباس الحسن بن سفیان المنسوی (م ۳۰۳ھ): آپ کی ”مسند“ طلبہ اور علماء کے ہاں متداول رہی۔
- ۶- ابن خزیمہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (م ۳۱۱ھ): آپ کی تین تالیفات مشہور ہیں۔ ایک ”المسند“، دوسری ”الصحيح“ اور تیسری ”المسائل المصنفة“۔ امام ابن خزیمہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا مقام حاصل ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ ”امام الائمہ“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی کتاب ”الصحيح“ کا جو حصہ دستیاب ہے اس کی تقریباً ساری روایات صحیح ہیں۔ اگر یہ پوری کتاب دستیاب ہوتی تو دیگر مصادر حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوتی۔

- ۷- ابن جریر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی تفسیر ”جامع البیان عن وجہ تاویل آی القرآن“ اور ”التاریخ“ کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ کی دیگر تالیفات بھی علماء حدیث کے ہاں مقبول رہیں جیسے ”تہذیب الآثار والسنن“ وغیرہ۔
- ۸- الدولابی ابو بشر محمد بن احمد الرازی الوراق (م ۳۱۰ھ): آپ کی تالیف ”الکئی والاسماء“ بنیادی مصادر میں سے ہے۔
- ۹- ابو عروبة، حسین بن محمد بن ابو معشر، الحرانی (م ۳۱۸ھ): آپ نے تاریخ رواد پر کام کیا اور ”التاریخ“ مرتب کی۔
- ۱۰- ابو الحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصاء الدمشقی (م ۳۲۰ھ)
- ۱۱- امام عقیلی ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی الہکی (م ۳۲۲ھ): آپ کی کتاب ”المضعفاء والمترکون“ علماء حدیث کے ہاں شروع سے لے کر آج تک متداول ہے۔ امام عقیلی چونکہ تشدد ہیں اس لیے علماء حدیث کے ہاں ان کی رائے کو فوراً قبول نہیں کیا جاتا بلکہ جس راوی کو آپ ضعیف قرار دیتے ہیں اس کے بارے میں دیگر علماء رجال کی آراء کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ علامہ عقیلی نے اپنی کتاب میں کئی ایسے شیوخ کو مضعفاء میں شمار کیا ہے جن کی امامت وعدالت اور ثقاہت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

خود آزمائی ①

- ۱- علماء رجال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- ۲- طبقہ نمبر ۱ اور طبقہ نمبر ۲ میں جو رواد آتے ہیں ان کی ترتیب وار فہرست مرتب کیجئے۔
- ۳- طبقہ نمبر ۳ سے طبقہ نمبر ۵ کے رواد اور ان کی تالیفات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجئے۔
- ۴- طبقہ نمبر ۶ سے طبقہ نمبر ۱۰ تک کے رواد حدیث اور ان کی خدمات بیان کیجئے۔
- ۵- طبقہ نمبر ۱۱ اور طبقہ نمبر ۱۲ کے اہم ترین علماء کی تالیفات پر تبصرہ کیجئے۔

1.13 طبقہ نمبر ۱۳:

ان شیوخ کے بعد اس فن کے جن علماء کو شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں:

- ۱- ابن ابی حاتم ابو محمد عبد الرحمن بن ابو حاتم: محمد بن ادريس الرازی (م ۳۲۷ھ): آپ جرح و تعدیل کے مشہور امام محمد بن ادريس الرازی کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی جمع کردہ معلومات اور اقوال کو کتابی شکل دی۔ جس کا نام ”الجرح والتعديل“ رکھا۔ اس کتاب کو علماء حدیث کے ہاں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ شروع سے لے کر آج تک اس کی افادیت اور مقبولیت برقرار ہے۔ امام عبد الرحمن بن ابی حاتم نے ”علل احادیث“، ”المراسل“ اور ”النفیر“ کے نام سے بھی تالیفات کیں۔ ان تمام کتب کو مصادر اور مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔

- ۲- ابوطالب احمد بن نصر البغدادی (م ۳۲۳ھ): آپ امام دارقطنی کے شیخ ہیں۔ امام دارقطنی نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی معلومات کو اپنی تالیفات میں محفوظ کیا۔

- ۳- ابن عقدۃ ابوالعباس احمد بن محمد بن عقدۃ الکوئی (م ۳۳۲ھ)

- ۴- ابوالحسن عبد الباقی بن قانع البغدادی (م ۳۵۱ھ): آپ نے ”کتاب الوفيات“ مرتب کی۔

1.14 طبقہ نمبر ۱۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو اس میدان میں کام کرنے کا موقع ملا، وہ درج ذیل ہیں:

- ۱- ابوسعید عبد الرحمن بن احمد بن یونس الصدقی المصری (م ۳۴۷ھ): آپ نے تاریخ مصر مرتب کی جس میں علماء مصر کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب ”تاریخ صغیر“ کے نام سے لکھی جس میں ان علماء کے حالات جمع کئے جو مصر میں دوسرے علاقوں سے آکر آباد ہوئے۔

- ۲- ابو حاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ): امام ابن حبان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ

کی کتاب ”الصحيح“ بہت عمدہ، مفید اور وسیع تالیف ہے۔ اس کتاب کو چونکہ ابتدائی صدیوں میں مختلف وجوہات کی بنا پر علماء حدیث کے ہاں رواج نہ ملا اس لیے دیگر مصادر حدیث کے مقابلہ میں اس کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کی یہ کتاب مستحق ہے۔ امام ابن حبان کی دوسری تالیف ”الثقات“ ان روات کے بارے میں ہے جو ان کے تجزیہ کے مطابق صحیح اور ثقہ ہیں۔ یہ کتاب بھی بہت ہی مفید اور دلچسپ ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب ”معرفۃ البحر وحین والضعفاء“ اساسی اور بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ”مشاہیر علماء الامصار“ اور ”النفیر“ بھی آپ سے یادگار ہیں۔

۳۔ الطبرانی ابو القاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی (م ۳۶۰ھ): آپ کی شہرت آپ کی تین معاجم کی وجہ سے ہے۔ معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ ان تین کتابوں کو علماء حدیث کے ہاں معاجم ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ امام طبرانی ”رجال“ اور ”علل“ کے ائمہ میں سے ہیں۔

۴۔ حافظ ابن عدی ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ): حافظ ابن عدی علم رجال کے اساطین میں سے ہیں۔ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ روات حدیث کے بارے میں بہت احتیاط کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ اور صرف ان روات پر جرح کرتے ہیں جن پر جرح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت وقعت اور اہمیت حاصل ہے۔ آپ روات حدیث کے بارے میں فیصلہ دیتے وقت نہ تشدد سے کام لیتے ہیں اور نہ تساہل سے۔ بلکہ اعتدال اور احتیاط کو مدنظر رکھتے ہیں۔ آپ کی کتاب ”اکامل فی الجرح والتعديل“ شروع سے لے کر آج تک متداول اور مقبول چلی آ رہی ہے۔ یہ کتاب اسم باسنی ہے۔ رجال کے میدان میں متاخرین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

1.15 طبقہ نمبر ۱۵:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو ”رجال“ اور ”علل“ کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱- ابوعلی حسین بن محمد ماسر جسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ): آپ کی ”المسند المعلل“ ایک ہزار تین سو اجزاء پر مشتمل ہے۔ مسانید میں اتنی ضخیم مسند اور کسی محدث نے مرتب نہیں کی۔ آپ نے ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کی روایات پر بھی کام کیا۔
- ۲- شیخ ابن حیان ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبہانی (م ۳۶۹ھ): آپ نے ”التفسیر“، ”الاحکام“، ”کتاب السنۃ“ اور ”طبقات المحدثین باصبہان“ کے نام سے تالیفات کیں۔
- ۳- ابوبکر الاسامعلی احمد بن ابراہیم الجرجانی (م ۳۷۱ھ): آپ نے ”المستخرج علی صحیح البخاری“، ”المسند الکبیر“ اور ”المعجم“ اور ”مسند عمر“ کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔
- ۴- ابو احمد الحاکم محمد بن محمد بن احمد نیشاپوری (م ۳۷۸ھ): آپ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لیے کہ امام حاکم نیشاپوری آپ کے تلامذہ میں آتے ہیں۔ ”رجال“ اور ”علل“ پر آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک ”کتاب العلل“ اور دوسری ”الاسماء والکنی“۔
- ۵- دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی البغدادی (م ۳۸۵ھ): ”علل“ کے مجال میں آپ کے مقابلہ کا کوئی محدث نہیں گذرا۔ آپ نے ”علل الحدیث“ اور ”الضعفاء والمترکون“ تالیف کی۔ آپ نے صحیحین کی بعض روایات پر کلام کیا اور اس ضمن میں ”التعج علی التحسین“ لکھی۔ اس کے علاوہ ابن حبان کی ”الضعفاء“ پر حواشی لکھے۔

1.16 طبقہ نمبر ۱۶:

- ان شیوخ کے بعد جو علماء اس مجال میں نمایاں ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:
- ۱- حافظ ابن مندہ ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ الاصبہانی (م ۳۹۵ھ): آپ نے تین کتابیں مرتب کیں۔ ”فتح الباب فی الکنی والالقاب“، ”تسمیۃ المشائخ“ اور ”کتاب المعرفة“۔
 - ۲- امام حاکم نیشاپوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الضعی الطہمانی (م ۴۰۵ھ): آپ ”حاکم“ کے لقب

سے مشہور ہیں۔ آپ کی شہرت ”مستدرک“ کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ”کتاب اللعل“، ”کتاب مزکی الاخبار“ اور ”تاریخ نیشاپور“ مرتب کی۔

۳- ابونصر الکلاباذی، احمد بن محمد بن احسین البخاری، الکلاباذی (م ۳۷۸ھ): آپ نے ”الہدایۃ والارشاد فی معرفۃ اهل الثقۃ والسداد“ مرتب کی۔

۴- ابوالمظرف عبدالرحمن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس الأندلسی القرطبی (م ۴۰۲ھ): آپ قرطبہ کے قاضی رہے۔ آپ کی کتاب ”دلائل النبی“ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کرام کے فضائل اور مناقب درج ہیں۔

۵- عبدالغنی بن سعید، ابو محمد، الأزدی، المصری (م ۴۰۹ھ): آپ نے ”المؤتلف والمختلف“، ”مشتبہ النسب“ اور ”الغوامص والمہمات“ مرتب کیں۔ ان تینوں کتابوں کو اساتذہ اور طلبہ کے حلقوں میں مقبولیت حاصل رہی۔

۶- حافظ ابن مردویہ الاصبہانی ابوبکر احمد بن محمد بن مردویہ الصغیر (م ۴۹۸ھ): آپ کو آپ کی تالیف ”المستخرج علی صحیح البخاری“ کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔

۷- حافظ ابوالقاسم، تمام بن محمد، الرازی، الدمشقی (م ۴۱۴ھ): آپ نے ”فوائد الحدیث“ مرتب کی۔

1.17 طبقہ نمبر ۱:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کی خدمات کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن فارس ابی الفوارس البغدادی (م ۴۱۲ھ): آپ کو آپ کی کتاب ”الفوائد المتقاة للعوالی“ کی وجہ سے علماء حدیث کے ہاں شہرت ملی۔

۲- ابوبکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی البغدادی (م ۴۲۵ھ): آپ نے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک

”المستخرج علی الصحیحین“ اور دوسری ”سولات البرقانی وجوابات الدارقطنی“۔

۳- ابو حازم العبدوی، عمر بن احمد بن ابراہیم بن عبدویہ، السعودی، نیشاپوری (م ۴۱۷ھ): آپ نے اپنے دور کے دس شیوخ سے استفادہ کیا اور دس ہزار اجزاء مرتب کئے۔

۴- خلف بن محمد الواسطی، البغدادی (م ۴۰۱ھ): آپ نے ”اطراف الصحیحین“ کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۵- ابوسعود ابراہیم بن محمد بن عبید اللہ مشقی (م ۴۰۱ھ)۔

۶- ابو الفضل الفلکی علی بن حسین بن احمد بن حسن (م ۴۲۷ھ): آپ کی کتاب ”الطبقات“ ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔

۷- ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی (م ۴۲۷ھ): آپ نے ”معرفۃ علماء اہل جرجان“ اور اپنے شیوخ کی ”معجم“ مرتب کی۔

۸- ابوزر الہروی، عبد بن احمد بن محمد نیشاپوری مکی (م ۴۳۴ھ): آپ نے ”معجم“، ”الجامع“، ”مستدرک علی الصحیحین“ اور ”فوائد“ کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۹- ابو یعقوب القراب، اسحاق بن ابراہیم، السرخسی الہروی (م ۴۳۹ھ): آپ نے ”تاریخ السنین“ کے نام سے تاریخ مرتب کی۔ اس میں آپ نے رسول اکرم ﷺ کے دور سے لے کر اپنے دور تک کے علماء کی وفیات درج کیں۔

1.18 طبقہ نمبر ۱۸:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے ”رجال“ پر کام کیا:

۱- ابو محمد حسن بن محمد الخلال البغدادی (م ۴۳۹ھ): آپ نے ”المسند المحرج علی الصحیحین“ اور ”الآمالی“ کے نام سے دو کتابیں تالیف کیں۔

۲- ابو عبد اللہ الصوری محمد بن علی بن عبد اللہ بن محمد بن وحیم الساحلی (م ۴۴۱ھ)

۳- ابوسعید السمان، اسماعیل بن علی بن حسین بن زنجویہ الرازی البصری (م ۴۴۵ھ): آپ نے اپنے دور کے تین ہزار چھ سو شیوخ سے ملاقات کی اور ان کی روایات کو اپنی ”مشیحہ“ میں جمع کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ”الاجم“، ”الموافقة بین اہل البیت والصحابة“ اور ”السلسلات“ کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

۴- ابو یعلیٰ الخلیلی خلیل بن عبد اللہ بن احمد بن ابراہیم بن الخلیل القزویٰ (م ۴۴۶ھ): آپ کی مرتب کردہ تاریخ کا نام ”الإرشاد فی علماء البلاد“ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ”تاریخ قزوین“ لکھی۔

1.19 طبقہ نمبر ۱۹:

ان علماء کے بعد جن اساتذہ نے اس مجال میں کام کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- حافظ ابن عبد البر ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی القرطبی (م ۴۶۳ھ): حافظ ابن عبد البر علماء حدیث کے ہاں ”حافظ الغرب“ کہلاتے ہیں۔ سپین میں آپ نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے بہت بنیادی کام کیا۔ مؤطا امام مالک پر آپ کی شرح ”التمہید لمافی المؤطا من المعانی والأسانید“ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح ”الاستذکار“ اور ”التقصی لحدیث المؤطا“ علمی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے صحابہ کرام کے حوالہ سے ”الاستیعاب فی معرفة الاصحاب“ مرتب کی۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ متاخرین علماء نے اس موضوع پر جتنا کام کیا وہ اس کی بنیاد پر کیا۔

۲- حافظ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (م ۴۵۶ھ): آپ نے ”المحلی“، ”الاحکام فی اصول الاحکام“ اور ”الایصال فی فہم کتاب الخصال“ مرتب کی۔ آپ کی کتابوں کو علماء اور طلبہ کے حلقوں میں تسلسل کے ساتھ پذیرائی حاصل رہی۔

- ۳- حافظ بیہقی ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (م ۴۵۸ھ): آپ کی تین کتابوں کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک ”السنن الکبریٰ“، دوسری ”معرفت السنن والآثار“ اور تیسری ”السنن الصغریٰ“۔ علماء حدیث کے ہاں حافظ بیہقی فنون حدیث میں مہارت کی وجہ سے ضرب المثل ہیں۔ حدیث کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی کتابوں سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔
- ۴- خطیب بغدادی ابوبکر احمد بن علی بن ثابت (م ۴۶۳ھ): آپ نے ”تاریخ بغداد“، ”الکفایۃ فی علم الروایۃ“، ”موضح أوہام الجمع والتفريق“ اور ”تمییز المزیّد فی متصل الأسانید“ جیسی بلند پایہ اور وقیع و مفید تالیفات کیں۔ خطیب بغدادی نے حدیث کے مجال میں جس جس پہلو سے کام کیا وہ بنیادی اور اساسی کام کہلاتا ہے۔ بعد میں آنے والے محدثین نے خطیب کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کیا ہے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے مختلف فنون پر قلم اٹھایا ہے۔
- ۵- ابوالقاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی (م ۴۷۱ھ)
- ۶- شیخ الاسلام ابواسامعیل عبداللہ بن محمد بن علی (م ۴۸۱ھ)
- ۷- ابوصالح المؤذن احمد بن عبدالملک نیشاپوری (م ۴۷۰ھ)
- ۸- حافظ ابن ماکولاء، ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی العجلی بغدادی (م ۴۸۵ھ): آپ کی دو کتابیں علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ ایک ”الإكمال فی رفع الإرتیاب عن المؤلف والمختلف من الأسماء والکنی والأنسب“ اور دوسری ”مستمر الأوهام علی المؤلف والمختلف من أسماء الإعلام“۔
- ۹- قاضی ابوالولید الباجی علیمان بن خلف القرطبی الباجی المالکی (م ۴۷۴ھ): آپ کی قابل قدر تالیفات میں سے ایک: ”الاستیفاء فی شرح المؤطا“، دوسری: ”المنتقى من الاستیفاء“ اور تیسری: ”التعديل والتجريح فیمن روى عنه البخاری فی الصحيح“

ہیں۔ آپ اندلس کے کبار محدثین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ علماء حدیث نے آپ کو ”علامہ“ اور ”حجة“ کے القاب سے نوازا۔

۱۰۔ ابو عبد اللہ الحمیدی، محمد بن فتوح بن عبد اللہ بن فتوح بن حمید الأزدی الأندلسی البغدادی (م ۴۸۸ھ): آپ کی معروف تالیفات یہ ہیں: ”الجمع بین الصحیحین“، ”جذوة المقتبس فی ذکر ولادة الأندلس وأسماء رواة الحديث وأهل الفقه وذوی النباهة والشعر“، اور ”جمل تاریخ الاسلام“۔ آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مصادر حدیث کو جمع کرنے کی طرح ڈالی۔ آپ کے بعد آنے والوں نے آپ کی پیروی کرتے ہوئے مصادر کو جمع کرنا شروع کیا اور اس طرح ”کتب الجمع“ مرتب ہونا شروع ہوئیں۔

۱۱۔ ابن مفوز المعافری، ابوالحسن طاہر بن مفوز بن احمد الشاطبی (م ۴۸۴ھ)

۱۲۔ ابو الفضل بن طاہر المقدسی، محمد بن طاہر بن علی (م ۵۰۷ھ): علماء حدیث کے ہاں آپ ابن القیسر انی کہلاتے ہیں، قیسر یہ شام کی ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”الجمع بین رجال الصحیحین“، ”کتاب أسماء الرجال من الضعفاء“، ”تراجم الجرح والتعديل للدارقطني“، ”تصحیح الكامل لابن عدی“، ”ذخيرة الحفاظ المخرّج على الحروف والالفاظ“، ”مسند أبي ليلى الجعدي“، ”معرفة من لم يخرج له في الصحیحین“، ”أطراف الكتب الستة“، ”المصباح في أطراف المسانيد الستة“، التذكرة في غرائب الأحاديث والمنكرة“۔

۱۳۔ شجاع بن فارس الذہلی، أبو غالب السمر وردی البغدادی (م ۵۰۷ھ): آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک ”اجوبة لسؤالات السلفی عن المشايخ“ اور دوسری ”ذیل تاریخ بغداد“۔

۱۴۔ المؤمن بن احمد بن علی الساجی، ابونصر، البغدادی (م ۵۰۷ھ): ”ساج“ ایک قیمتی لکڑی کا نام ہے۔ آپ چونکہ اس کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ”ساجی“ کہلاتے ہیں۔

۱۵- شیرویه الہروی ابو شجاع شیرویه بن شہردار بن شیرویه الدیلمی الہمدانی (م ۵۰۹ھ): آپ نے ”تاریخ ہمدان“ اور ”فردوس الأخبار بمأثور الخطاب“ کے نام سے دو کتابیں مرتب کیں۔

۱۶- أبو علی الغسانی، حسین بن محمد الجبائی، الأندلسی (م ۴۹۸ھ): آپ نے ”تقید المہمل و تمييز المشکل“ اور ”اسماء رجال سنن ابی داؤد“ کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔

1.20 طبقہ نمبر ۲۰:

اس جماعت کے بعد جن شیوخ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابو الفضل بن ناصر السامی، محمد بن ناصر البغدادی (م ۵۵۰ھ): آپ کی مرتب کردہ ”الامالی“ کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی حاصل رہی۔

۲- قاضی عیاض، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الیحصیٰ المغربي (م ۵۴۴ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”مشارك الانوار علی صحاح الآثار“، ”اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم“، ”الالمام فی ضبط الروایة وتقید السماع“، ”الشفاء بالتعریف بحقوق المصطفیٰ“۔

۳- حافظ السلفی ابو طاهر احمد بن محمد الاصبہانی (م ۵۷۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”معجم مشیخۃ اصہانی“، ”معجم مشیخۃ بغداد“، ”معجم السفر“، ”السلفیات“ (یہ دو سواجزاء پر مشتمل ہے)۔

۴- ابو موسیٰ المدینی محمد بن عمر الاصبہانی (م ۵۸۱ھ): آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں: ”الطولات فی الواہی والموضوع من الحدیث“، ”معرفة الصحابة“، ”الاسماء المشتركة بین الرجال والنساء“۔

۵- حافظ ابن عساكر، ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی (م ۵۷۱ھ): آپ کی شہرت ”تاریخ دمشق“ کی وجہ

سے ہے۔ یہ تاریخ اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ”معجم الشیوخ النبل“ اور ”تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری“ آپ کے آثار میں شامل ہیں۔

۶۔ ابن بشکوال، ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال الانصاری الاندلسی (م ۵۸۷ھ): آپ نے تین کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ایک ”صلة تاریخ ابن الفرطی“۔ یہ علماء اندلس کے بارے میں ہے۔ دوسری ”معرفة العلماء الافاضل“، اور تیسری ”غوامض الاسماء المهمة“۔

1.21 بقہ نمبر ۲۱:

علماء کی اس جماعت کے بعد جن شیوخ نے ”رجال“ پر کام کیا اور ان کی تالیفات کو قبول عام حاصل ہوا ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ عبد الحق الإشعیری ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمن (م ۵۸۱ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”كتاب المعتل من الحديث“، ”الاحکام الکبری“، ”الاحکام الوسطی“، ”الاحکام الصغری“، ”الجمع بین الصحیحین“، ”الجمع بین الكتب الستة“۔

۲۔ حافظ ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی البکری الصدیقی البغدادی (م ۵۹۷ھ): آپ کی جن تالیفات کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی ملی وہ یہ ہیں: ”الضعفاء“، ”الموضوعات“، ”الواہیات“، ”العلل المتناہیة فی الأحادیث الواہیة“، ”المنتظم“، ”تلقیح فہوم اہل الاثر“۔ حافظ ابن الجوزی کی ساری تالیفات بہت وقیع اور مفید ہیں۔ المنتظم کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یہ بہت تفصیلی تاریخ ہے۔ اب تحقیق و تعلیق کے ساتھ لگ بھگ تیس جلدوں میں چھپ کر آئی ہے۔

۳۔ ابن الفخار المالکی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی المالکی (م ۵۹۰ھ)

۴۔ ابو القاسم السہیلی، عبد الرحمن بن عبد اللہ الاندلسی (م ۵۸۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور و معروف کتاب ”الروض الأنف“ کی وجہ سے ہے۔

۵۔ ابوبکر الحازمی محمد بن موسیٰ بن عثمان بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الہمدانی (م ۵۸۴ھ): آپ کی معروف و مشہور تالیف ”الاعتبار فی النسخ والمنسوخ من الآثار“ علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ ”شروط الائمة الخمسة“ بھی بہت مفید اور قابل قدر رسالہ ہے۔

۶۔ عبد الغنی المقدسی ابومحمد عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی الدمشقی (م ۶۰۰ھ): آپ کو آپ کی تین تالیفات کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ ایک ”الکمال فی أسماء الرجال“ دوسری: ”المصباح“ اور تیسری ”نہایۃ المراد“۔ الکمال کی بنیاد پر بعد میں آنے والوں نے کتب ستہ کے رواد پر کام کیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۷۔ حافظ الزہاوی، ابومحمد عبد القادر بن عبد اللہ الزہاوی الموصلی (م ۶۱۲ھ): آپ نے ”الأربعون المتناسبة الاسانید“ مرتب کی۔

۸۔ حافظ ابن مفضل المقدسی علی بن المفضل الاسکندرانی (م ۶۱۱ھ): آپ نے شیخ ابن الاکفانی کی کتاب جامع الوفيات پر ”ذیل“ لکھی۔

1.22 طبقہ نمبر ۲۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے ”رجال“ پر قلم اٹھایا ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

- ۱۔ ابوالحسن بن القطان، ابوالحسن علی بن محمد الفاسی المغربي (م ۶۲۸ھ): آپ کی مشہور تالیف ”بیان الوہم والإیہام الواقعیین فی کتاب الاحکام“ ہے۔ آپ کو دو کتابوں کی وجہ سے شہرت ملی۔ ایک: ”التقیید لمعرفة الرواة والسنن والمسانید“ اور دوسری ”ذیل الإكمال لابن ماکولا“۔

- ۲- ابن الانماطی، ابوطاہر، اسماعیل بن عبداللہ المصری (م: ۶۱۹ھ)۔
- ۳- حافظ ابن نقطہ، ابوبکر، محمد بن عبدالغنی، البغدادی (م: ۶۲۹ھ)۔
- ۴- حافظ ابن الدینیشی ابوعبداللہ محمد بن سعید الواسطی (م: ۶۳۷ھ)۔ آپ نے ”تاریخ واسط“ اور خطیب بغدادی کی تاریخ پر ”ذیل“ مرتب کی۔
- ۵- ابن خلیل الدمشقی، ابوالحجاج یوسف بن خلیل الدمشقی (م: ۶۳۸ھ): آپ نے ”معجم“، ”فوائد“ اور ”عوالی“ تالیف کیں۔
- ۶- حافظ ابن خلفون الأزدی، ابوبکر محمد بن اسماعیل بن محمد خلفون الأندلسی الشبیلی (م: ۶۳۶ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: ”المنتقى في رجال الحديث“، ”المفهم في شيوخ البخاري ومسلم“، ”شيوخ أنس بن مالك“، ”شيوخ أبي داود“، ”شيوخ الترمذی“، ”رفع التماری فیمن تکلم فیہ من رجال البخاری“، ”الثقات“۔
- ۷- ابن النجار ابوعبداللہ محمد بن محمود البغدادی (م: ۶۳۳ھ): آپ نے یہ کتابیں مرتب کیں: ”الکمال فی معرفة الرجال“، ”ذیل تاریخ بغداد للخطیب“، ”نسبة المحدثین إلى الآباء والبلدان“، ”القمر المنیر فی المسند الكبير“۔ اس میں آپ نے ہر صحابی اور اس کی روایت کو نقل کیا ہے۔ ”معجم“ اس میں آپ نے اپنے شیوخ کی روایات نقل کی ہیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے۔
- ۸- حافظ زکی المنذری، ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی المصری (م: ۶۵۶ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور تالیف ”الترغیب والترہیب“ کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ”التکملة لوفیات النقلة“ اور ”مختصر سنن ابی داود“ مرتب کی۔
- ۹- حافظ برزالی، ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الشبیلی الدمشقی (م: ۶۳۶ھ): آپ کو آپ کی مرتب کردہ ”معجم“ کی وجہ سے شہرت حاصل ہے۔

- ۱۰- حافظ الصریفینی، ابو اسحق ابراہیم بن محمد البغدادی دمشقی (م ۶۳۱ھ): آپ نے حافظ ابن عساکر کی کتاب ”المشاہد النبل“ پر مستدرک لکھی۔
- ۱۱- حافظ رشید العطار، رشید الدین ابو الحسین یحییٰ بن علی النابلسی المصری (م ۶۶۲ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی معجم مرتب کی۔
- ۱۲- حافظ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن صلاح الدین عبدالرحمن بن عثمان الکردی الشہر زوری دمشقی (۶۳۳ھ): آپ کی شہرت آپ کی شہرہ آفاق تالیف ”علوم الحدیث“ یعنی مقدمہ ابن الصلاح کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ آپ نے ”فوائد الرحلة“ اور صحیح مسلم کی شرح مرتب کی جو مکمل نہ ہو سکی۔
- ۱۳- حافظ ابن الأبار، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ القضاہی الأندلسی البلسی (م ۶۵۸ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: ”التکملة لکتابی الموصول والصلة“۔ یہ علمائے اندلس کے حالات پر مشتمل ہے۔ ”المعجم“ اور ”هدایة المعترف فی المؤلف والمختلف“۔
- ۱۴- حافظ ابن العدیم، ابو القاسم عمر بن احمد الحلی المصری (م ۶۶۰ھ): آپ نے ”بغیة الطلب فی تاریخ حلب“، ”زبدۃ الحلب فی تاریخ حلب“ اور ”الأخبار المستفادة فی ذکر بنی جرادۃ“ مرتب کیں۔
- ۱۵- حافظ ابو شامة، عبدالرحمن بن اسماعیل، المقدسی دمشقی (م ۶۶۵ھ): آپ نے ”أزهار الروضتین فی أخبار الدولتین“، ”الروض الأنف“ اور ”مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر“ مرتب کیں۔
- ۱۶- ابو البقاء خالد بن یوسف النابلسی دمشقی (م ۶۶۳ھ)

1.23 طبقہ نمبر ۲۳:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے ”رجال“ کے مجال میں خدمات انجام دیں:

- ۱- حافظ الدمیاطی، ابو محمد، عبد المؤمن بن خلف الدمیاطی (م ۷۰۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی ”معجم“ اور ”السراجیات الخمسة“ کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔
- ۲- ابن الظاہری، ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ الحنفی (م ۶۹۶ھ): آپ کو آپ کی تالیف ”الاربعون البلدانیة“ کی وجہ سے علمی حلقوں میں شہرت حاصل ہوئی۔
- ۳- شرف الدین، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم المیدومی القاہری (م ۶۸۳ھ)
- ۴- حافظ ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری المنفلوطی الصعیدی (م ۷۰۲ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”الإلمام فی احادیث الأحکام“، ”إحکام الأحکام شرح عمدة الأحکام“، ”الاقتراح فی بیان الاصطلاح“، ”تحف اللیب فی شرح التقریب“۔
- ۵- ابن فرح، ابو العباس احمد بن فرح بن احمد اللخمی الاشبیلی الدمشقی (م ۶۹۹ھ): آپ اپنی کتاب ”القصيدة الغرامية“ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔
- ۶- ابو القاسم، عبید بن محمد، المصری الاسعدی (م ۶۹۲ھ)۔

1.24 طبقہ نمبر ۲۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ و اساتذہ کو ”رجال“ کے میدان میں حیثیت اور اہمیت حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہیں:

- ۱- ابو محمد سعد الدین مسعود بن احمد الحارثی العراقی المصری (م ۷۱۱ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی ترتیب کے مطابق ”معجم“ مرتب کی۔ اس کے علاوہ سنن ابی داؤد کی شرح لکھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔
- ۲- امام ابن تیمیہ، ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام الحزانی الدمشقی (م ۷۲۸ھ): آپ

نے لکھا اور بہت زیادہ لکھا۔ آپ کی شہرت ”فتاویٰ“ کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ ”منہاج السنة النبویة“ اور ”المصارم المسلول“ آپ کی قابل قدر تالیفات ہیں۔

۳۔ حافظ مزنی، ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن الحلی دمشقی المزنی (م ۷۴۲ھ): آپ نے ”رجال“ پر متقدمین کے کام کو جمع کیا اور ایک ضخیم کتاب کی شکل میں اس کو مرتب کیا۔ جس کا نام ”تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ رکھا۔ اس کے علاوہ ”تحفة الاشراف بمعرفۃ الاطراف“ آپ کی قابل قدر تالیف ہے۔

۴۔ قطب الدین ابوالعلی عبدالکریم بن عبدالنور الحلی المصری (م ۷۳۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی ”معجم“ مرتب کی۔ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ”تاریخ مصر“ اور ”الاهتمام بتلخیص الالمام“ آپ کی یادگار ہیں۔

۵۔ حافظ ابن سید الناس، ابوالفتح محمد بن محمد البصری، الاندلسی، المصری (م ۷۳۴ھ): آپ کی شہرت آپ کی کتاب ”عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسير“ کی وجہ سے ہوئی۔ آپ نے جامع ترمذی کی شرح بھی لکھی لیکن پوری نہ کر سکے۔

۶۔ ابو محمد احمد بن عبدالقادر بن احمد بن مکتوم المصری (م ۷۳۹ھ)۔

۷۔ حافظ ابن البرزالی ابو محمد قاسم بن محمد بن یوسف دمشقی (م ۷۳۹ھ): آپ نے ”معجم“ مرتب کی جس میں آپ نے تین ہزار سے زیادہ شیوخ کا تذکرہ کیا اس کے علاوہ ”الوفیات“ اور ”التاریخ“ بھی تالیف کی۔

۸۔ شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد ابن الجزری دمشقی الشیرازی (م ۸۳۳ھ): آپ نے ”الہدایۃ فی علم الروایۃ“ لکھی جس کا تعلق اصول حدیث سے ہے۔

۹۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن ابیک السروجی المصری (م ۷۴۴ھ): آپ نے ”تراجم الثقات من رجال الحدیث“ کے نام سے کتاب لکھی۔

- ۱۰- کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب الأذوی المصری (م ۷۴۸ھ): آپ نے ”البدور السافر“ و”تختہ المسافر“ لکھی۔ اس میں ساتویں صدی ہجری کے علماء کے تراجم ہیں۔
- ۱۱- حافظ ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی الدمشقی (م ۷۴۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والأعلام“، ”سیر أعلام النبلا“، ”تذکرۃ الحفاظ“، ”العبر فی خبر من عبر“، ”تذہیب تہذیب الکمال“، ”الکاشف فی تراجم رجال الكتب الستة“ اور ”میزان الاعتدال فی نقد الرجال“۔
- ۱۲- صفی الدین القرانی، ابو الثناء محمود بن محمد، الأرموی، الصوفی الدمشقی (م ۷۲۳ھ): آپ نے ”النبیة پر“ ذیل لکھی۔
- ۱۳- ابو الحسین، احمد بن ایک بن عبد اللہ المیاطی المصری (م ۷۴۹ھ): آپ نے امام تقی الدین السبکی کے شیوخ کی ”معجم“ مرتب کی۔ امام رافعی کی احادیث کی تخریج کی۔ اور شیخ عز الدین الحسینی کی ”وفیات“ پر ”ذیل“ لکھی۔
- ۱۴- شہاب الدین، احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العدوی الدمشقی (م ۷۴۹ھ): آپ نے ”مسالک الأبصار فی ممالک الأمصار“، ”مختصر قلائد العقیان“ اور ”فواضل السمر فی فضائل آل عمر“ مرتب کیں۔
- ۱۵- نجم الدین ابو الخیر سعید بن عبد اللہ البندی البغدادی الدمشقی (م ۷۴۹ھ): آپ نے علماء بغداد کے تراجم اور حالات پر کتاب مرتب کی۔
- ۱۶- حافظ علائی ابو سعید خلیل بن یککلی بن عبد اللہ العلائی الدمشقی (م ۷۶۱ھ): آپ کو جامع التحصیل فی احکام المراسل“ کی وجہ سے علماء کے حلقوں میں شہرت ملی۔ اس کے علاوہ آپ نے ”کتاب المدلسین“ اور ”اثارة الفوائد المجموعة“ کے نام سے کتابیں لکھیں۔
- ۱۷- حافظ مغلطای ابو عبد اللہ مغلطای بن قلیج البجری المصری (م ۷۶۲ھ): آپ کی تالیفات یہ

ہیں: ”اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“، ”جمع أوہام التہذیب“، ”ذیل علی المؤتلف والمختلف لابن نقطة“، ”شرح صحیح البخاری“ اور ”شرح سنن ابن ماجہ“۔

۱۸- حافظ شریف الحسینی، شمس الدین محمد بن علی دمشقی (م ۷۶۵ھ): آپ نے ”التذکرۃ بمعرفۃ رجال العشرۃ“، ”الاکتفاء فی الضعفاء“، ”الامتثال بما فی مسند أحمد من الرجال“، ”ممن لیس فی تہذیب الکمال“، ”التعلیق علی میزان الاعتدال“، ”ذیل العبر“ اور ”ذیل تذکرۃ الحفاظ“ مرتب کیں۔

۱۹- شیخ تقی الدین، ابو المعالی محمد بن رافع السلاوی دمشقی (م ۷۷۴ھ): آپ نے ”معجم“ تالیف کی جس میں ایک ہزار شیوخ سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ ابن التجار کی تاریخ بغداد پر ”ذیل“ مرتب کیں۔

۲۰- لسان الدین بن الخطیب، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن سعید الاندلسی الغرناطی (م ۷۷۶ھ): آپ کی مشہور کتاب ”الإحاطۃ فی تاریخ غرناطہ“ ہے۔

۲۱- حافظ زین الدین العراقي ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقي المصری (م ۸۰۶ھ): آپ کی شہرت ”الفیہ“ کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ”المغنی عن حمل الاسفار فی الأسفار“، ”معجم“، ”ذیل علی میزان الاعتدال“ اور ”ذیل علی العبر“ مرتب کیں۔

۲۲- شہاب الدین، أحمد بن جچی، دمشقی، (م ۸۱۶ھ) آپ نے اپنے شیوخ کی ”معجم“ مرتب کی۔ اس کے علاوہ ”المدارس من اخبار المدارس“ اور ”جمع المفترق“ کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۲۳- صلاح الدین، ابوسعید، خلیل ابن محمد المصری، الہکی، (م ۸۲۰ھ) آپ نے مشیخ القاضی مجد الدین الحنفی، ”معجم“ اور ”فوائد مجموعہ“ مرتب کیں۔

- ۲۴- ولی الدین، البوزرعة، احمد بن عبد الرحيم، ابن العراقي، المصري (م ۸۲۶ھ)۔ آپ نے ”رواة المراسيل“ ”الوفيات“ اور البیان والتوضیح مرتب کیں۔
- ۲۵- حافظ تقی الدین الشریف، محمد بن احمد بن علی، الحسنى، المکی (م ۸۳۲ھ) آپ نے ”العقد الثمین فی تاریخ البلاء الامین“ شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام“ اور ذیل کتاب النبلاء للذهبی ”مرتب کیں۔
- ۲۶- برهان الدین، ابوالوفاء، ابراہیم بن محمد بن خلیل، الطرابلسی، الحلی (م ۸۴۱ھ) آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”نہایة السؤل فی رواة الستة الأصول“، ”التبيين لأسماء المدلسين“، ”نثر الهميان فی معيار الميزان“۔
- ۲۷- علاء الدین، ابوالحسن علی بن محمد، الحلی، المعروف بابن خطيب الناصرية، (م ۸۴۳ھ) آپ نے الدر المنتخب فی تاریخ حلب مرتب کی۔
- ۸۲- لحافظ ابن حجر العسقلانی شہاب الدین، ابوالفضل، احمد بن علی الکفانی، العسقلانی، المصري۔ آپ ۷۷۳ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۸۵۲ھ میں قاہرہ ہی میں انتقال فرمایا آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”تہذیب التہذیب- تقریب التہذیب“، ”لسان المیزان“، ”تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الاربعة“، ”الدور الكامنة“ اور ”فتح الباری شرح صحيح البخاری“۔
- ۲۹- حافظ العینی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن أحمد، العینی الحلی، المصري، (م ۸۵۵ھ) آپ کی مشہور و معروف کتب یہ ہیں: ”مغانی الأخیار فی رجال معانی الآثار للطحاوی“، ”عقد الجمان فی تاریخ اهل الزمان“، ”تاریخ البدر فی أوصاف اهل العصر“ اور ”عمدة القاری فی شرح صحيح البخاری“۔
- ۳۰- ابوالبرکات، عز الدین، احمد بن ابراہیم بن نصر اللہ، الکفانی، العسقلانی، المصري، (م ۸۸۶ھ) آپ قاضی القضاة کے منصب پر رہے۔ تالیفات میں ”طبقات الحنابلة“ اور تاریخ کو شہرت حاصل ہے۔
- ۳۱- ابوالقاسم، نجم الدین، عمر بن محمد بن فہد، القریشی، المکی (م ۸۸۵ھ): آپ نے ”کتاب

المدلسین“، ”ذیل تاریخ مکہ“، ”اللباب فی الالقاب“ اور ”التبيين فی تراجم الطبرين“ مرتب کیں۔ اس کے علاوہ اپنے شیوخ اور شیوخ کے تراجم واحوال پر کتاب لکھی۔

۳۲۔ احمد بن محمد بن عمر، المقدسی، المشهور بابن ابی عذیبة (م- ۸۵۶ھ): آپ نے ”المعجم“، ”تاریخ دول الأعیان شر قصيدة نظم الجمان“ اور ”تاریخ“ کے نام سے تالیفات کیں۔

۳۳۔ ابو الحسن، ابراہیم بن عمر، البقاعی، الدمشقی (م- ۸۸۵): آپ نے ”عنوان الزمان فی تراجم الشيوخ والأقران“ اور ”اخبار الجلال فی فتح البلاد“ مرتب کیں۔

۳۴۔ حافظ سخاوی، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد الرحمن، السخاوی، المصری آپ قاہرہ میں ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۹۰۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ”الضوء الامع لأهل القرآن التاسع“، ”التبر المسبوك“ یہ تاریخ مقریزی کی ذیل ہے۔ ”وجیز الکلام فی الذیل علی کتاب الذہبی دول الاسلام“، ”بغیة العلماء الرواة“، ”التحفة اللطيفة فی اخبار المدينة الشريفة“، ”الشافی من الالم فی وفيات الامم“ اور ”الاعلان بالتوبيخ لمن ذم اهل التورين“۔

خود آزمائی ②

- ۱۔ طبقہ نمبر ۱۳ اور طبقہ نمبر ۱۴ میں کون سے علماء رجال آتے ہیں۔ ان کی فہرست تیار کیجئے۔
- ۲۔ طبقہ نمبر ۱۵ تا طبقہ نمبر ۲۰ کے رواۃ حدیث کی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- ۳۔ طبقہ نمبر ۱۸ تا طبقہ نمبر ۲۰ کے رواۃ حدیث کی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- ۴۔ طبقہ نمبر ۲۱ اور طبقہ نمبر ۲۲ کے علماء رجال کی تالیفات کی اہم خصوصیات تحریر کیجئے۔
- ۵۔ طبقہ نمبر ۲۳ اور طبقہ نمبر ۲۴ کے علماء نے جو کتب مرتب کیں۔ ان کی ایک فہرست تیار کیجئے۔
- ۶۔ طبقہ نمبر ۲۵ اور طبقہ نمبر ۲۶ سے تعلق رکھنے والے علماء رجال میں جن حضرات نے بہت شہرت پائی ان پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔



یونٹ ⑩

برصغیر میں علم حدیث ①

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

- 309 یونٹ کا تعارف
- 310 یونٹ کے اغراض و مقاصد
- 311 ① برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت
- 311 1.1 ہندوستان میں پہلا محدث
- 314 1.2 درہ خیبر کے راستہ سے پہلا محدث
- 314 1.3 سید مرتضیٰ کوئی
- 315 1.4 محدث صاعانی
- 316 1.5 ابوالحسن علی بن عمر لاہوری
- 316 1.6 ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن لاہوری
- 316 1.7 ابوالقاسم محمد بن خلف لاہوری
- 318 1.8 شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی
- 319 1.9 قاضی منہاج السراج جرجانی
- 319 1.10 برہان الدین محمود بخاری
- 320 1.11 کمال الدین زاہد

- 320 1.12 رضی الدین بدایونی
320 1.13 ابو تومہ بخاری حنبلی

- 324 ② نفم الدین اولیاء اور ان کا مکتب محدثین
324 2.1 شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی
325 2.2 مولانا فخر الدین زرادہ ہلوی
326 2.3 ضیاء الدین برنی
327 2.4 محی الدین بن جلال الدین کاشانی
327 2.5 نظام الدین علانی ظفر آبادی
328 2.6 شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی
328 2.7 سید محمد گیسو دراز
329 2.8 شیخ وجیہ الدین
329 2.9 قاضی شہاب الدین دولت آبادی
330 2.10 شمس الدین خواجگی کراوی

- 331 ③ شرف الدین منیری اور ان کا مکتب محدثین
331 3.1 مخدوم الملک شرف الدین بہاری
331 3.2 شرف الدین اور علم حدیث
332 3.3 شیخ مظفر بلخی

333

3.4 شیخ مظفر اور علم حدیث

333

3.5 حسین معز بہاری

334

3.6 احمد لکھنوی دریا

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ”برصغیر میں علم حدیث“ سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لیے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇨ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ⇨ محدث صاعانی اور ان کی کتاب مشارق الانوار کا تعارف کروا سکیں۔
- ⇨ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور ان کے شاگردوں کی خدمات علم حدیث کی اشاعت کے حوالے سے بیان کر سکیں۔
- ⇨ نظام الدین اولیاء اور ان کے مکتبہ محدثین کے اہم ارکان کی خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇨ شرف الدین منیری اور ان کے تلامذہ کی جدوجہد اور خدمات کے آثار و نتائج پر بحث کر سکیں۔

① برصغیر میں علم حدیث

کی ترویج و اشاعت

ہندوستان میں اسلام دور استوں سے داخل ہوا۔ خشکی سے اور بحری سے، خشکی کا راستہ درہ خیبر کا تھا جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا، لیکن ان سے سینکڑوں سال پہلے اہل عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت میں سندھ اور مالِیبار سے لے کر گجرات تک بحر ہند کے پورے سواحل پر پھیل چکے تھے وہ اپنے ساتھ اپنا دین، اپنا قرآن اور اپنے افکار و نظریات اور روایات و اقدار بھی لائے تھے اور اس سے پہلے سا لہا سال پہلے کہ اسلام کا کوئی مسلح سپاہی اس سرزمین پر قدم رکھے یہاں مسلمان عربوں اور عراقیوں کی نوآبادیاں قائم تھیں اور مسجدیں تعمیر اور آباد تھیں۔ یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درسگاہیں تھیں جن میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کا کام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے سواحل ہند پر مسلح عربوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی یہ وہ دور تھا جب ہر مسلمان کتاب و سنت کا پیروکار تھا اور قرآن و حدیث ہی سے رہنمائی حاصل کرتا تھا یعنی صحابہ کرام کا دور تھا۔ اسلام کا پہلا جہادی قافلہ تھانہ کی طرف بڑھا تھا جو ان دنوں (بمبئی کے بجائے) بحر ہند کا مصروف بندرگاہ تھا اور اس کے بعد بھروچ (گجرات) اس قافلہ کی دوسری منزل گاہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قافلوں میں ایسے حضرات بھی تھے جنہوں نے براہ راست آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور صحبت نبوی ﷺ سے مستفید ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس پر صحابہ کرام نے اپنے مبارک قدم رکھے ہیں اور یہاں ان کا وجود مسعود رہا ہے۔

1.1 ہندوستان میں پہلا محدث

۹۳ھ میں مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا اور اس کے بیشتر علاقوں کو فتح کیا۔ یہ ملک اس وقت سے تیسری

صدی ہجری کے شروع تک عربوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی عباسی کے حکم سے جو فوج ہندوستان کی طرف آئی اس میں ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ربیع بن صبیح کا تعلق علماء کی اس جماعت سے ہے جنہوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے میں سب سے پہلے حصہ لیا تھا۔ کشف الظنون میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

”قیل، هو اول من صنف و بوب فی الاسلام“
 ”کہا جاتا ہے کہ ربیع پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف و تالیف کی۔“

حافظ ابن حجر نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے ربیع نے روایات کا مجموعہ تیار کیا ہے۔

ابن سعد آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”خرج غازياً إلى الهند في البحر فمات فدفن في جزيرة من جزائر البحر سنة ستين ومائة“.

”ربیع بن صبیح جہاد کی غرض سے ہندوستان کی طرف گئے۔ بحری سفر کے دوران انتقال کر گئے اور کسی جزیرہ میں دفن کئے گئے۔ یہ ۱۶۰ھ کا واقعہ ہے۔“

ہندوستان کی طرف آنے والوں میں حباب بن فضالہ تابعی کا نام بھی ملتا ہے انہوں نے انس بن مالک سے استفادہ کیا تھا اور ان کی صحبت میں رہے تھے۔ اسرائیل بن موسیٰ جن کا تعلق طبقہ متبع تابعین سے ہے اور امام حسن بصری کے شاگرد ہیں۔ ہندوستان میں بکثرت آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی لیے ”نزہل ہند“ ان کا لقب ہو گیا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں لکھا ہے:

”كان يسافر إلى الهند“

”یہ ہندوستان کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔“

دوسری صدی ہجری میں عرب امراء، تجار اور علماء کی آمد و رفت کی وجہ سے اہل سندھ کی سرگرمیوں میں ایک واضح فرق نمایاں ہو گیا تھا۔ اسی دور میں یہاں کے لوگوں نے علوم و فنون کی طرف توجہ دینا شروع کی اور ان میں ایسے طلبہ پیدا ہوئے جنہوں نے سندھ میں آئے ہوئے علماء سے استفادہ کرنے کے بعد حجاز کا رخ کیا۔ اسی صدی کے ایک ممتاز اور مایہ ناز محدث ابو معشر نجیح سندھی ہیں۔ ابو معشر حدیث دسیرت کے امام تھے۔ مدینہ منورہ گئے تو وہیں کے رہ گئے۔ اس لیے ”مدنی“ کہلانے لگے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے امام تھے۔ آپ کا نام ان مؤلفین کی فہرست میں داخل ہے جو مغازی دسیر کے واقعات کو سب سے پہلے قید تحریر میں لائے۔ ۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (تاریخ علمائے ہند: ص ۲۳)

اس دور کے دوسرے محدث امام رجاہ السنہی ہیں۔ جو ایران پہنچ کر اسفراہینی کہلائے۔ فن حدیث میں یہ کمال پیدا کیا کہ مشہور محدث امام حاکم ان کے حال میں لکھتے ہیں:

”رکن من أركان الحديث“

”علم حدیث کے اہم ترین عناصر میں سے تھے۔“

امام رجاہ نہ صرف خود محدث تھے بلکہ ان کے خاندان میں اور بہت سے حفاظ حدیث پیدا ہوئے۔

چوتھی صدی ہجری کے آخری حصہ میں سلطان محمود غزنوی کے زیر قیادت مسلمان مجاہدین کے قافلے شمالی ہند میں داخل ہو گئے اور سلطان محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ آئندہ دو صدیوں کے دوران میں خاندان غلاماں کے سلاطین نے مسلمانوں کی سلطنت کی حدود خلیج بنگال تک وسیع کر دیئے۔ مسلمانوں کی حیرت انگیز سیاسی فتوحات کے ساتھ ہی پورے شمالی ہند میں اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت ہونے لگی۔ فتوحات نے مسلمانوں کے لیے ہندوستان کے دروازے کھول دیئے تھے اور ہمسایہ مسلم ممالک سے مسلمان علماء، اولیاء اور مبلغین اسلام بڑی تعداد میں ہندوستان آنے لگے تھے جن کی ذاتی محنت، لگن، کوشش اور اثرات سے اسلامی علوم کی خوب اشاعت ہوئی۔

1.2 درہ خیبر کے راستہ سے پہلا محدث

لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ایک مشہور صوفی بزرگ محمد اسماعیل نے کیا جو بخارا سے آئے تھے۔ شیخ اسماعیل ۳۹۵ھ میں ہند آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور اسی نسبت سے ”لاہوری“ کہے جانے لگے۔ اس وقت تک مسلمانوں نے یہ شہر فتح نہیں کیا تھا۔ شیخ اسماعیل حدیث و تفسیر کے متبحر عالم تھے اور ان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ لاہور میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے پہلے مبلغ تھے۔ ان کا وعظ سننے کے لیے لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد روز بروز بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا کوئی غیر مسلم نہیں تھا جس نے شیخ اسماعیل سے ذاتی قرب حاصل ہونے کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ شیخ اسماعیل نے ۴۳۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

شیخ اسماعیل نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنوی سلطنت کو اپنے انتہائی عروج پر دیکھا اور پھر سلطان کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کے عہد میں اس سلطنت کو زوال پذیر ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ لیکن انہوں نے سیاست میں کبھی دخل نہیں دیا اور اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت و ترقی کے لیے نصف صدی سے زیادہ مدت تک بھرپور محنت کرتے رہے۔ ان کے مریدوں اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو حدیث کے ساتھ محبت و عقیدت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس لیے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا اور آئندہ سو سال کے دوران میں یہاں کئی مشہور محدث پیدا ہوئے۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک علمی و ثقافتی مرکز کی حیثیت سے لاہور کی شہرت ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی پھیل گئی تھی۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ سمعانی نے ”کتاب الانساب“ میں ان محدثین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے لاہور میں زندگی بسر کی اور اس شہر سے نسبت رکھتے تھے۔

1.3 سید مرتضیٰ کوئی (م ۵۸۹ھ)

سید مرتضیٰ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حدیث اور تفسیر کے عالم کی حیثیت سے ان کی شہرت سلطان شہاب الدین غوری (۵۷۰-۶۰۲ھ) کی توجہ کا باعث بنی اور سلطان نے ان کو اپنے خواص میں شامل کر لیا۔ سید مرتضیٰ

میں چونکہ سپاہیانہ اوصاف بھی فطری طور پر موجود تھے اس لیے سلطان نے ان کو فوجی خدمت پر مامور کر دیا اور ترقی دے کر سپہ سالار بنا دیا۔ ۵۸۹ھ میں فتح قنوج کے دوران میں سلطان شہاب الدین جب بنارس کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو ظفر آباد کے مقام پر جو یو۔ پی کے ضلع جو پور میں واقع ہے۔ سید مرتضیٰ کا مقابلہ ظفر آباد کے راجہ اودے پال سے ہوا اور سید مرتضیٰ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

1.4 محدث صاغانی (م ۶۵۰ھ)

آپ کا نام حسن بن محمد صاغانی ہے۔ گو آپ کا خاندان ماوراء النہر (ترکستان) اور پھر غزنی (افغانستان) سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر آپ کے والد محترم نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حسن صاغانی ۵۷۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر یمن، حجاز اور عراق جا کر علم کی تکمیل کی اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے۔ بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے نام ”مشارق الانوار“ کے نام سے حدیث کی کتاب مرتب کی۔ یہاں بیٹھ کر آپ نے اور بھی کئی کتابیں تالیف کیں۔ ۶۱۵ھ میں آپ نے بغداد کا سفر کیا اور خلیفہ بغداد اور سلطان غزنوین و ہند کے درمیان سفارت کا فرض انجام دیا۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

”مشارق الانوار“ مشکوٰۃ کی طرح حدیث کی مختلف کتابوں سے منتخب روایات کا مجموعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے۔ مثلاً ”من“ سے شروع ہونے والی روایات یکجا کی گئی ہیں۔ ”اذا“ سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ صیغہ ماضی سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ رکھا گیا ہے۔ علماء حدیث نے اس کتاب کی بڑی قدر کی اور بے شمار لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور خود یہ کتاب مدارس کے نصاب میں داخل ہو گئی۔

امام صاغانی غزنوی لاہوری تہا محدث ہیں اور مشارق الانوار اس دیار کی تنہا خدمت حدیث ہے جو اس عرصہ دراز میں انجام کو پہنچی لیکن چونکہ امام صاغانی کا تعلق زیادہ تر حجاز و عراق سے رہا اس لیے ان کا اثر اس ملک کے علماء پر بہت کم پڑا اور اگر پڑا بھی تو صرف اسی قدر کہ ان کو اپنے نصاب تعلیم کے لیے حدیث میں ایک اپنے ہم وطن کی کتاب مل گئی اور وہ بدستور اپنے علم و دانائی میں مصروف رہے۔ منطق و فلسفہ اور علم کلام کے بعد فقہ اور

اصول فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہ بھی عقلی طریق سے۔ یہی سبب ہے کہ اصول فقہ جیسا ضروری علم بھی معقولات و کلامیات کا ایک ضمیمہ ہو کر رہ گیا۔

1.5 ابوالحسن علی بن عمر لاہوری (م ۵۲۹ھ)

ابوالحسن علی محدث بھی تھے اور شاعر و ادیب بھی۔ انہوں نے ابوالمظفر السعیدی سے تحصیل علم حدیث کیا اور ایک محدث کی حیثیت سے ان کی شہرت بغداد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ابوالفضل محمد بن نصیر السلسی البغدادی (م ۵۵۰ھ) نے جو خود بھی حافظ تھے ان سے احادیث کا سماع کیا اور پھر ان کو مشہور محدث السمعانی تک پہنچا دیا اور اس طرح السمعانی بھی ابوالحسن لاہوری کے شاگرد ہو گئے۔ ابوالحسن لاہوری نے ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

1.6 ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن لاہوری (م ۵۵۰ھ)

عبدالصمد لاہوری، ابوالحسن لاہوری کے شاگرد تھے۔ وہ سمرقند میں حدیث کا درس دیتے تھے اور وہاں انہوں نے السمعانی سے وہ احادیث اخذ کیں جو خود اپنے استاذ شیخ ابوالحسن سے سماعت کی تھیں۔ عبدالصمد لاہوری چھٹی صدی ہجری کے نصف تک حیات رہے۔

1.7 ابوالقاسم محمد بن خلف لاہوری (م ۵۴۰ھ)

ابوالقاسم لاہور سے ہجرت کر کے اسفرائین چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے فقہ اور حدیث کی تعلیم ابوالمظفر السمعانی سے حاصل کی تھی جو مشہور محدث السمعانی کے دادا تھے۔ ابوالقاسم نے اس زمانہ کے دوسرے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا۔ محدث ہونے کے علاوہ ابوالقاسم ایک مناظر کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گئے تھے۔ السمعانی ان سے اسفرائین میں ملے تھے اور احادیث سماعت کی تھیں۔ ابوالقاسم کا انتقال ۵۴۰ھ کے قریب ہوا۔

غزنوی سلاطین کے عہد میں جو شافعی مسلک کے پیرو تھے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا اور چھٹی

صدی ہجری کے آخر تک اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا۔ لیکن ۶۰۲ھ میں جب سلطنتِ دہلی کی بنیاد پڑی تو ہندوستان میں فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ دہلی کے سلاطین کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اس لیے قدرتی طور پر عراق، فارس، خراسان اور ترکستان کے علمائے فقہ و معقولات کے لیے دہلی میں بڑی کشش تھی۔ چنگیز خان کی غارت گری نے وسط ایشیاء میں امن و امان اور سیاسی نظامِ تہہ وبالا کر ڈالا تھا۔ چنانچہ وہاں کے علماء نے برصغیر کا رخ کیا جس کے علم دوست سلاطین علماء کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ملتان، لاہور، بھکر، ہانسی اور تھانہ جیسے اہم شہروں میں علماء بڑی تعداد میں آباد ہو گئے اور یہ شہر بلخ و بخارا کے ہم پلہ بن گئے اس کے بعد علمی اور ثقافتی ترقی کا دائرہ مشرق کی طرف پھیلنے لگا اور دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ پھر ساتویں صدی ہجری کے وسط میں رفتہ رفتہ یہ دائرہ بنگال تک وسیع ہو گیا۔ سلاطین کی فیاضانہ امداد و سرپرستی کی بدولت شمالی ہند میں مکاتب اور مدارس قائم ہو گئے جن میں اچھ کا مدرسہ فیروز، دہلی کا مدرسہ معزی اور مدرسہ نصیریہ، اور بدایون کا مدرسہ معزی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مدارس کے علاوہ ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں علماء انفرادی طور پر بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور حکومت سے ان کو امداد ملتی تھی۔ برصغیر میں سلاطین دہلی کے سیاسی اقتدار میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا وہ اسلامی علوم کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیتے گئے۔

ساتویں صدی ہجری میں نصابِ تعلیم عربی ادب، صرف و نحو، لسانیات، فقہ، اصول فقہ، منطق، تصوف، تفسیر اور حدیث پر مشتمل تھا۔ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پر خاص کر زور دیا جاتا تھا اور اتنی ہی اہمیت صرف و نحو اور ادبیات کو حاصل تھی لیکن دو اہم ترین شعبوں یعنی حدیث اور تفسیر پر معمولی توجہ دی جاتی تھی اور ان میں بھی حدیث کی تعلیم تو بہت ہی کم ہوتی تھی۔ چنانچہ حسن صاغانی کی ”مشارق الانوار“ اور امام بغوی کی ”مصابیح السنۃ“ کے سوا حدیث کی کوئی اور کتاب یہاں تک کہ صحاح ستہ میں سے بھی کوئی کتاب داخلِ نصاب نہ تھی۔ اس وقت جو حالات تھے ان میں سے اس کے علاوہ کسی اور بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ برصغیر میں جس نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی اس کا مقصد بھی وہی تھا جو وسطی ایشیاء کے ممالک میں تھا یعنی طالب علم کو قاضی کے عہدے کے لیے تیار کرنا۔ ان حالات میں یہ بات غیر معمولی نہ تھی کہ علاء الدین خلجی (۷۱۵-۷۹۵ھ) کے عہد حکومت کے چھیا لیس علماء میں صرف شمس الدین یحییٰ (م ۷۴۷ھ) کو علم حدیث سے کچھ دلچسپی تھی۔ مؤرخ ضیاء

الدین برنی نے حدیث کو ان مضامین میں شامل نہیں کیا ہے جن کی اس زمانہ میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لیے یہ بات بہت غیر واضح ہے کہ حدیث کی کتابوں کا غائر مطالعہ بھی کیا جاتا تھا۔ ۷۰۰ھ میں ایک ممتاز مصری محدث شیخ شمس الدین ترک حدیث کی بہت سی کتابیں لے کر ہندوستان آئے تھے تاکہ یہاں ان کتابوں کو رائج کیا جائے۔ لیکن دہلی جاتے ہوئے ملتان میں جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ علاء الدین ٹماز کا پابند نہیں ہے اور جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتا ہے تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں اس قدر رنج ہوا کہ انہوں نے اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن وطن واپس جانے سے قبل انہوں نے حدیث پر ایک رسالہ لکھا اور اس کا انتساب سلطان دہلی کے نام کیا۔ شمس الدین نے یہ رسالہ اور علاء الدین خلجی کے نام ایک خط شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) کے پوتے مولانا فضل اللہ کے پاس چھوڑ دیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ علاء الدین کے زمانے کے علماء نے علم حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف فقہ اور دب کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس صورتحال سے کبیدہ خاطر ہو کر وہ وطن واپس جا رہے ہیں کیونکہ وہ یہاں علم حدیث کی تعلیم دینے کے خیال سے آئے تھے۔ شمس الدین کے اس طرح واپس چلے جانے سے برصغیر میں اشاعت حدیث کا ایک بہت اچھا موقع ضائع ہو گیا۔

ساتویں صدی ہجری میں علم حدیث کے بارے میں علماء کا رجحان اگرچہ حسب سابق رہا تاہم اس صدی میں کچھ ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جن کو اس علم سے دلچسپی تھی اور وہ اس میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ طبقات ناصری کے مؤلف منہاج السراج جر جانی کے پاس سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ بھی موجود تھا اور غالباً ہندوستان میں اس کتاب کا یہ واحد نسخہ تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں جن حضرات کا تعلق حدیث سے رہا۔ ان میں چند کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

1.8 شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ)

ملتان کے مشہور بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کے مرید شیخ بہاء الدین زکریا ایک

صحابی رسول ہبار بن اسود کی اولاد میں سے تھے۔ وہ ملتان کے قریب قلعہ لنگرا میں پیدا ہوئے تھے۔ بخارا اور خراسان میں تعلیم حاصل کی۔ پھر زیارت حرین کے لیے گئے اور مدینہ منورہ کے ایک محدث کمال الدین محمد البیہنی سے پانچ سال تک حدیث کی تعلیم حاصل کر کے اس علم میں مہارت پیدا کر لی۔ شیخ بہاء الدین نے صفر ۶۶۶ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

1.9 قاضی منہاج السراج جرجانی (م ۶۶۸ھ)

قاضی منہاج کا تعلق خراسان کے شہر جرجان کے ایک مہذب و شائستہ خاندان سے تھا۔ انہوں نے ۶۲۳ھ میں وطن مالوف کو خیر باد کہا اور برصغیر کا رخ کیا۔ منہاج نے اپنے والد سے، جو سلطان محمد غوری (۵۷۰ھ-۶۰۲ھ) کی ہندی فوج میں قاضی مقرر کئے گئے تھے عمدہ تعلیم حاصل کی جس کی بدولت وہ ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ اور سلاطین دہلی اتمش (۶۰۷-۷۳۳ھ)، رضیہ سلطانہ (۶۳۴-۶۳۷ھ)، بہرام (۶۳۷-۶۳۹ھ) اور ناصر الدین محمود (۶۳۴-۶۶۳ھ) کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ اچھ کے مدرسہ فیروز اور دہلی کے مدرسہ نصیریہ کے صدر معلم اور منصف اعلیٰ اور مبلغ کی حیثیت سے منہاج نے بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ ۶۴۰ھ میں وہ بنگال میں لکھنوتی گئے اور وہاں دو سال تک قیام کیا منہاج نے ۶۶۴ھ کے بعد وفات پائی۔

طبقات ناصری میں منہاج نے سنن ابوداؤد سے متعدد احادیث نقل کی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ منہاج نے چند ضعیف اور موضوع احادیث کو متواتر کہا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کا وسیع اور غائر مطالعہ نہیں کیا تھا۔ انہیں چونکہ علم حدیث سے متعلق فنی مباحث کا علم نہیں تھا اس لئے متون کو تو انہوں نے یاد کر لیا تھا لیکن روایات کی حیثیت کو وہ نہیں جانتے تھے۔

1.10 برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بخاری (م ۶۸۷ھ)

برہان الدین محمود، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴-۶۸۶ھ) کے دور میں بقید حیات تھے۔ وہ حسن الصاعفانی کے شاگرد تھے اور ان سے ”مشارق الانوار“ کی سند حاصل کی تھی۔ وہ دہلی میں ”مشارق الانوار“ کی

تعلیم کا آغاز کرنے والے پہلے محدث تھے۔ برہان الدین محمود کو مرغینان میں الہدایہ کے نامور مصنف برہان الدین المرغینانی (م ۵۹۳ھ) سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سلطان بلبن، برہان الدین محمود کی بہت عزت کرتا تھا اور حصول برکت کے لیے جمعہ کے دن ان سے ملنے جایا کرتا تھا۔ انہوں نے ۶۸۷ھ میں دہلی میں وفات پائی اور حوض شمس کے مشرقی حصہ میں دفن کئے گئے۔

1.11 کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ)

محمد بن احمد بن محمد جو کمال الدین زاہد کے نام سے معروف ہیں علم حدیث میں شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کے استاد ہونے کے باعث ممتاز ہو گئے تھے۔ انہوں نے ”مشارق الانوار“ شیخ برہان الدین محمود کے ساتھ پڑھی تھی ان کے نہایت پاکیزہ فضائل اور اخلاق و عادات کی وجہ سے سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو ”امامت“ کے منصب پر مقرر کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کمال الدین زاہد نے ۶۸۴ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

1.12 رضی الدین بدایونی (م ۷۰۰ھ)

رضی الدین بدایونی اپنے عم عصر علمائے دہلی میں علم حدیث پر کافی عبور رکھتے تھے وہ کوئل (علی گڑھ) کے قاضی تھے۔ رضی الدین مکہ معظمہ اور وہاں سے بغداد گئے جہاں خلیفہ وقت نے محدث ہونے کی بنا پر ان کو شرف بازیابی عطا کیا۔ پھر وہ ہندوستان واپس آئے اور لاہور میں وفات پائی۔

1.13 ابوتوئمہ بخاری حنبلی (م ۷۰۰ھ)

شرف الدین ابوتوئمہ بخاری بخارا کے رہنے والے تھے اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ترک وطن کر کے دہلی آ گئے۔ سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) کے عہد میں وہ بنگال کے شہر سنار گاؤں چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابوتوئمہ بہت مشہور استاد اور اپنے وقت کے شیخ تھے۔ حنبلی عالم ہونے کی وجہ سے علم حدیث میں بہت قابل اور ماہر تھے ان کی وجہ سے سنار گاؤں بہت جلد بنگال میں علم حدیث کا ایک

مرکز بن گیا جس سے فیض پانے والوں میں بہار کے مشہور ولی اور محدث مخدوم شرف الدین منیری (م ۸۴۳ھ) بھی شامل تھے۔ ابوتوئمہ نے ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں ساراگاؤں میں وفات پائی۔

خود آزمائی ①

- (۱) برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟
- (۲) درہ خیبر کے راستہ سے ہندوستان میں پہلا محدث کون آیا اس کا تعارف کیجئے؟
- (۳) محدث صاعانی اور ابوالحسن علی بن عمر لاہوری کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
- (۴) ابوالفتوح لاہوری اور ابوالقاسم لاہوری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں بیان کیجئے۔
- (۵) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور قاضی منہاج السراج جرجانی کے حالات پر مختصر نوٹ لکھئے۔
- (۶) برہان الدین محمود بخاری، کمال الدین زاہد اور شیخ ابوتوئمہ حنبلی کے بارے میں اختصار کے ساتھ بتا دیجئے۔

۹۰ تا ۷۰ھ

فقہ، اصول فقہ اور ادبیات کے بعد جس علم پر علماء نے سب سے زیادہ توجہ کی وہ معقولات (منطق و فلسفہ) ہے اور سلطان محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے عہد میں اس کو دہلی میں بہت فروغ ہوا۔ سلطان محمد تغلق خود ایک جید عالم تھا اور اس نے معقولات کی بہت سرپرستی کی۔ اس کے حلقہ علماء میں منجملہ دیگر اشخاص کے ایک فلسفی عالم مولانا علیم الدین بھی شامل تھے جن سے وہ اس موضوع پر باقاعدہ بحث کیا کرتے تھے۔ سلطان محمد تغلق معقولات کا اس قدر گرویدہ تھا کہ وہ بذات خود معقولات کے درس کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اس زمانے میں معقولات اور فقہ عام دلچسپی کے مضامین تھے اور قرآن و حدیث کی تعلیم رسم و روایت کے طور پر ہوتی تھی۔ اس دور کے سنجیدہ طبع علماء قرآن و حدیث کی تعلیم کے فقدان کو شدت سے محسوس کرتے تھے تاہم ایسے حضرات کی تعداد بہت کم تھی۔ علماء کی اکثریت کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اور وہ اپنی تمام توجہ فقہ و اصول فقہ پر مرکوز کئے ہوئے تھے جو سرکاری ملازمت مل جانے کی قطعی ضمانت تھی۔ وہ چونکہ فقہ حنفی کے حامل تھے اس لیے شرعی مسائل کو صرف فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اس مسلک کے اصولوں سے کسی انحراف کی مخالفت کرتے تھے۔ علماء کے اس رویہ کی مثال اس مشہور مناظرہ سے ملتی ہے جو شیخ نظام الدین اولیاء اور فقہاء کے درمیان سلطان غیاث الدین تغلق (۷۲۰-۷۵۶ھ) کے عہد میں ہوا تھا۔

شافعی مسلک کی پیروی کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے سماع کی حمایت میں روایات پیش کیں۔ لیکن فقہاء نے ان روایات کو مسترد کر دیا۔ اولاً اس بناء پر کہ شیخ مقلد ابو حنیفہ ہیں اس لیے انہیں حدیث سے استدلال نہیں کرنا چاہئے اور ثانیاً: اس وجہ سے کہ یہ احادیث شافعی مسلک کی حمایت میں ہیں اس لیے حنفی فقہاء ان کو قبول کرنے کے پابند نہیں۔ مزید برآں انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستان میں فقہی روایات کی قانونی حیثیت حدیث کی روایات سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ان فقہاء نے شیخ نظام الدین اولیاء سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مسلک اور اجتہادات کو پیش نظر رکھیں۔ نظام الدین اولیاء کو فقہاء کے اس

رو یہ سے بہت تکلیف پہنچی۔ شیخ شمس الدین ترک کی واپسی اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ساتھ فقہاء کے اس مناظرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے علماء میں جو اپنے دور کے علمی طبقہ کے نمائندہ تھے جس قسم کے رجحانات پائے جاتے تھے وہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے سازگار نہ تھے اور یہاں اس کا مستقبل مایوس کن معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اس تاریکی میں روشنی کی کرن نظر آ رہی تھی۔ رسول ﷺ اور سنت رسول ﷺ کی محبت سے سرشار مشائخ نے علم حدیث کی تحصیل پر خود بھی توجہ کی اور اپنے شاگردوں اور مریدوں میں بھی اسے حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ اس ذوق و شوق کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار مشائخ کی سرکردگی میں شمالی ہند میں علم حدیث کے چار مکاتب قائم ہو گئے۔ چنانچہ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے مکتب کے محدثین، بہار میں مخدوم شرف الدین منیری اور ان کے مکتب کے محدثین، ملتان میں شیخ زکریا ملتانی اور ان کے مکتب کے محدثین اور کشمیر میں میر سید علی ہمدانی اور ان کے مکتب کے محدثین نے علم حدیث کی اشاعت پر پوری توجہ کی اور ان چاروں مکاتب حدیث کے صوفی علماء شمالی ہند میں نویں صدی ہجری کے آخر تک اس علم کی ترقی و اشاعت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اس ملک میں علم حدیث کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو گیا۔

② نظام الدین اولیاء اور ان کا مکتب محدثین

2.1 شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ)

محمد بن احمد بن علی، جو نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶۳۴ھ میں بدایون میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے دادا شیخ علی اور نانا خوجہ عرب دونوں منگولوں کے حملے کے دوران میں بخارا سے ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔ شیخ نظام الدین نے علاء الدین اصولی بدایونی اور شمس الدین خوارزمی سے جن کو آگے چل کر شمس الملک کا خطاب ملا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر ہوئے تحصیل علم کیا اور صرف بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی۔ لیکن شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کے بھائی شیخ نجیب الدین التوکل (م ۶۸۱ھ) کی ایما پر وہ ۶۵۵ھ میں اجودھن (پاکپتن) گئے اور شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید ہو گئے۔ اس طرح شیخ نظام الدین کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور رفتہ رفتہ وہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے خلیفہ اور ہند کے ایک عظیم ترین ولی ہو گئے۔ شیخ نظام الدین اپنے دور کے مشہور فاضل و ادیب اور محدث تھے۔ ادب میں مقامات حریری زبانی یاد کی تھی۔ بعد میں مشارق الانوار کو بھی زبانی یاد کر لیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات میں سب سے قدیم تذکرہ ”سیر الاولیاء“ ہے جو حضرت امیر خور دہلوی کی تالیف ہے اور مؤلف صرف ایک دو واسطوں سے شیخ کے حالات بیان کرتا ہے اور ان کی بہت سی تحریری یادداشتیں ان کی نظر سے گزری ہیں۔ امیر خور دہلوی نے اس اصل سند کی پوری عبارت سیر الاولیاء میں نقل کی ہے جو مولانا کمال الدین زاہد نے حضرت نظام الدین اولیاء کو لکھ کر دی تھی۔ اس سند (Certificate) سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین نے اپنے شیخ کمال الدین زاہد سے بالالتزام حدیث میں استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حدیث کی تعلیم پر اتنی توجہ نہیں دی بلکہ انہوں نے حدیث کا باقاعدہ مطالعہ اس وقت شروع کیا جب وہ ایک ممتاز ولی کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ لیکن اس کا سبب معلوم کرنا دشوار نہیں۔ اس

زمانے میں قاضی کا منصب حاصل کرنے کے لیے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری تھا ان سے فراغت کے بعد شیخ نظام الدین کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ علم حدیث کی تحصیل پر توجہ کر سکیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ قاضی مقرر کر دیئے جاتے جیسا کہ وہ چاہتے تھے تو حدیث کا مطالعہ کرنے کی انہیں ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت عطا فرمائی اور وہ جیسے جیسے روحانیت کی منزلیں طے کرتے گئے ان کو حدیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ ایک عالم اور ولی کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہونے کے باوجود انہوں نے مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا اور ان سے مشارق الانوار کا درس لینے لگے۔ شیخ نظام الدین نے اس کتاب کا بہت غائر اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ حدیث کے مطالعہ نے زندگی کے متعلق شیخ کا مکمل نظر اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ انہوں نے جامد تقلید پسندی ترک کر دی۔ چنانچہ حلت سماع اور قرآنہ خلف الامام کے متعلق ان کی رائے سے اس تبدیلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین کے ملفوظات فوائد الفوائد کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پائے کے محدث نہیں تھے اس لیے کہ اس کتاب میں منجملہ دوسری باتوں کے بہت سی موضوع احادیث بھی موجود ہیں، ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ ”مشارق الانوار“ کے علاوہ حدیث کی کسی اور مستند کتاب کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ مستحق ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کے لوگوں میں حدیث سے گہری دلچسپی پیدا کر دی جس کی بدولت ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء میں کافی تعداد ایسے علماء کی ہو گئی جنہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کر لی۔

2.2 شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی (م ۷۷۷ھ)

آپ کا تعلق شیخ نظام الدین اولیاء کے مکتب حدیث سے تھا۔ آپ اس دور کے دو مشہور علماء فرید الدین شافعی اور ظہیر الدین بھکری کے شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیاء سے ”مشارق الانوار“ کا درس بھی لیا تھا اور اس سے فراغت کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسہ میں مدرس مقرر کئے گئے تھے۔

۷۷۲ھ میں شیخ نظام الدین نے ان کو خلافت عطا کی۔ اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے کشمیر میں تبلیغ

اسلام کی ذمہ داری ان کے حوالہ کی۔ لیکن ۷۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور کشمیر میں دعوت و تبلیغ کا کام آپ نہیں کر سکے۔

شمس الدین پہلے ہندی محدث ہیں جنہوں نے مشارق الانوار کی شرح لکھی۔ لیکن یہ شرح اب نایاب ہے۔ شمس الدین کے نامور اور ممتاز شاگرد نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے ان کی مدح میں جو شعر کہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے۔

2.3 مولانا فخر الدین زراذہ سمانوی دہلوی (م ۷۴۸ھ)

آپ شمس الدین اودھی اور دہلی کے بعض دوسرے مشہور علماء کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ فخر الدین فقیہ بھی تھے اور محدث بھی۔ انہوں نے علم حدیث کا بہت وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ دہلی میں ”الہدایہ“ کا درس دیتے ہوئے آپ صحیحین سے مماثل احادیث بطور تائید بیان کرتے جاتے تھے جس سے ہدایہ کی صحت زیادہ واضح ہو جاتی تھی۔ سماع کے بارے میں انہوں نے عربی میں دو رسالے ”اصول السماع“ اور ”کشف الغناعین وجود السماع“ لکھے ہیں جن میں احادیث کے حوالے بکثرت دئے ہیں۔ بالخصوص مؤخر الذکر رسالہ کی آٹھویں فصل میں جس میں روایات سے استدلال کر کے سماع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے سماع کے بارے میں جو مشہور مناظرہ کیا تھا اس میں مولانا فخر الدین نے بھی اپنے مرشد کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ محمد بن تغلق کی ایماء پر شیخ فخر الدین دولت آباد چلے گئے تھے جہاں سے وہ مکہ معظمہ اور پھر بغداد گئے۔ مکہ مکرمہ اور بغداد کے ممتاز محدثین کے حلقوں میں شرکت کی۔ ۷۴۸ھ میں وطن واپس آتے ہوئے دوران سفر جہاز ڈوب جانے کی وجہ سے انتقال فرمایا۔

2.4 ضیاء الدین بن معید الملک برنی (م ۷۵۸ھ)

تاریخ فیروز شاہی کے مشہور مؤلف ضیاء الدین برنی نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اس طرح ان کو اپنے مرشد سے بہت قریب ہونے کا موقع ملا۔ ضیاء الدین برنی ایک شاکستہ انسان تھے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ علم حدیث پر انہیں کتنا عبور حاصل تھا

اس کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے جن کے حوالے انہوں نے اپنی تاریخ میں دیئے ہیں۔ اور بالخصوص کتاب کے مقدمہ سے، جس میں انہوں نے حدیث اور تاریخ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس میں ضیاء الدین برنی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے سے انسان اعتدال پسند اور کریم النفس ہو جاتا ہے۔ ۷۵۷ھ میں تاریخ فیروز شاہی مکمل ہوئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے وفات پائی۔

2.5 محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی (م ۷۱۹ھ)

محی الدین، شیخ نظام الدین اولیاء کے ان مریدوں میں سے تھے جو علم حدیث سے بہت گہرا شغف رکھتے تھے۔ وہ خود شیخ نظام الدین کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے جس میں وہ مشکل احادیث کی تشریح کیا کرتے تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ شیخ محی الدین علم حدیث، تفسیر اور فقہ کے عالم تھے۔ ان کا تعلق اودھ کے موروثی قاضیوں کے ایک خاندان سے تھا مگر انہوں نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی اور انتہائی افلاس سے دوچار رہے۔ ان کے ایک دوست نے سلطان علاء الدین خلجی کو ان کی حالت زار سے آگاہ کیا تھا اور سلطان نے ان کو اودھ کا قاضی بنادینے کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۷۱۹ھ میں دہلی میں قیام کے دوران آپ کا انتقال ہوا۔

2.6 نظام الدین علامی الہاشمی ظفر آبادی (م ۷۳۵ھ)

نظام الدین علامی بہت مشہور عالم تھے۔ علم حدیث پر ان کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ انہیں زبدۃ المحدثین کہا جانے لگا۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت کر کے انہوں نے اپنی زندگی کے علمی دور کا آغاز کیا تھا اور غالباً ان کی وفات کے بعد جو نیور کے قریب ظفر آباد کے محلہ سیدواڑہ میں مخدوم اسد الدین آفتاب ہند کی رہبری میں تصوف کی تعلیم کے مدارج طے کئے۔ مخدوم اسد الدین ایک مشہور ولی تھے اور انہوں نے نظام الدین علامی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ نظام الدین علامی نے تصوف پر دو رسالے قلم بند کئے ہیں۔ ایک عربی میں ہے جس کا نام ”زاد الصلحاء“ ہے اور دوسرا فارسی میں ہے جس کا نام ”زادساکنان“ ہے۔ نظام الدین نے ۷۳۵ھ میں ظفر آباد میں وفات پائی۔

2.7 شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ)

نصیر الدین محمود بن نیچی بن عبداللطیف الحسینی اودھی ”چراغ دہلی“ کے نام سے معروف ہیں۔ شیخ نصیر الدین غیاث پور کی خانقاہ میں شیخ نظام الدین اولیاء کے جانشین ہوئے تھے۔ انہوں نے محی الدین کاشانی، شمس الدین محمد اودھی اور دوسرے علماء کے ساتھ علوم اسلامیہ کا مطالعہ کیا تھا۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ان کے ملفوظات خیر المجالس سے ملتا ہے۔ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ بروز جمعہ دہلی میں شیخ نصیر الدین محمود کا انتقال ہوا۔ شیخ نصیر الدین سنت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ سماع کے قائل نہیں تھے۔ ایک دفعہ ان کے چند رفقاء سماع میں مصروف تھے شیخ نصیر الدین مجلس سے اٹھ گئے۔ لوگوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا۔ فرمایا: یہ خلاف سنت ہے۔ لوگوں نے کہا: اپنے مرشد کے مسلک سے تم ہٹ گئے۔ فرمایا: مرشد کا عمل حجت نہیں ہو سکتا۔ کتاب و سنت سے کوئی دلیل لاؤ۔ بعض اصحاب نے یہ فقرہ حضرت سلطان الاولیاء تک پہنچایا۔ سلطان الاولیاء نے فرمایا: ”راست می گوید“ یعنی نصیر الدین کی بات ٹھیک ہے۔ (اخبار الاخیار: ص ۷۶)

2.8 سید محمد گیسودراز (م ۸۲۵ھ)

ابوالفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینی دہلوی جو گیسودراز کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے ولی اور نامور عالم تھے۔ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے۔ اور خانقاہ غیاث پور میں ان کے خلیفہ ہوئے۔ سید محمد ۲ رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ شرف الدین کیتھلی، تاج الدین مقدم اور قاضی عبدالقادر (م ۷۹۱ھ) کے ساتھ تحصیل علم کیا۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے سید محمد نے ۸۰۱ھ میں دہلی کو خیر باد کہا اور کچھ عرصہ گجرات اور دولت آباد میں مقیم رہنے کے بعد ۸۰۳ھ میں گلبرگہ پہنچے جہاں سلطان فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ) نے بہت اعزاز و احترام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ شہزادہ احمد شاہ بہمنی ان کا مرید ہو گیا تھا اور اس نے ان کے لیے بہت عمدہ رہائش گاہ اور اس سے متصل خانقاہ تعمیر کی۔ سید محمد نے ۱۶ ذی القعدة ۸۲۵ھ کو وفات پائی۔ سید محمد گیسودراز نے مختلف اسلامی علوم کے بارے میں ایک سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں حدیث سے متعلق تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱- ترجمان مشارق الانوار: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔
- ۲- کتاب الاربعین: یہ چالیس منتخب احادیث کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے ہر حدیث کے ساتھ صحابہ، تابعین اور مشائخ کے ہم مفہوم اقوال بھی قلم بند کئے ہیں۔
- ۳- رسالۃ سیرت النبی ﷺ: یہ رسالہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

2.9 شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک ممتاز مرید تھے۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ اپنی تصنیف مفتاح الجنان کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے جو فارسی میں لکھی گئی ہے اور اس میں اوراد و عبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہدایات قلم بند کی گئی ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قرآنی آیات اور حدیث کی صحیح روایات پر مشتمل ہے۔ اپنی کتاب میں مؤلف نے مشارق الانوار سے استفادہ کیا ہے۔

2.10 قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ)

ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی، غزنوی، دولت آبادی نویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم تھے۔ دولت آباد، دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دہلی میں معین الدین عمرانی (م ۸۰۷ھ)، مولانا خواجگی (م ۸۱۹ھ) اور قاضی عبدالمقتدر جیسے ممتاز علماء سے استفادہ کیا۔ قاضی عبدالمقتدر، شیخ نصیر الدین چراغ دلی کے مرید تھے اور یہی قاضی شہاب الدین کے روحانی مرشد تھے۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے قاضی شہاب الدین مولانا خواجگی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر کالپی چلے گئے اور پھر وہاں سے جوینپور جا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۳ھ) نے قاضی شہاب الدین کی بہت سرپرستی کی اور ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا۔ ۲۵ رجب ۸۴۹ھ کو قاضی شہاب الدین کا انتقال ہوا اور جوینپور میں ابراہیم شرقی کی مسجد کے قریب دفن کئے گئے۔ قاضی شہاب الدین کی تصانیف میں ایک رسالہ سادات کی فضیلت کے بارے میں ہے جس کا نام مناقب السادات یا شرف السادات ہے۔ اس رسالہ میں مؤلف نے قرآنی آیات اور احادیث کے بکثرت حوالے دئے ہیں۔ یہ احادیث مشارق الانور، مصابیح السنۃ اور معانی الآثار سے لی گئی ہیں۔

2.11 شمس الدین خواجگی کڑاوی (م ۸۷۸ھ)

شمس الدین خواجگی بن احمد بن شمس الدین ملتانی، کڑاوی، اسماعیل بن جعفر صادق (م ۱۳۸ھ) کی اولاد میں ہیں۔ آپ ایک صوفی عالم تھے آپ نے مشارق الانوار میں سے احادیث منتخب کر کے ایک ”اربعین“ مرتب کیا تھا اور اسے حفظ بھی کر لیا تھا۔ مولانا شمس الدین خواجگی نے اپنے وطن کڑا میں جو الہ آباد کے قریب ہے ۱۸ محرم الحرام ۸۷۸ھ کو وفات پائی۔

③ شرف الدین منیری اور ان کا مکتب محدثین

3.1 مخدوم الملک شرف الدین منیری بہاری (م ۷۸۲ھ)

شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری شوال (۶۶۱ھ) میں بہار سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ”منیر“ میں پیدا ہوئے اور ستار گاؤں میں اپنے استاد ابو توئمہ حنبلی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ جن کی صاحبزادی سے شرف الدین کا رشتہ زوجیت بھی استوار ہو گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شرف الدین ۶۹۱ھ میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیاء سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے آپ کو استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق جب آپ دہلی پہنچے تو شیخ نظام الدین اولیاء انتقال فرما چکے تھے۔ دہلی سے شیخ شرف الدین نے لاہور کا سفر کیا اور شیخ نجیب الدین فردوسی (م ۷۳۳ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد انہوں نے تیس سال خلوت کی زندگی گزاری اور قرب الہی حاصل کرنے کے لیے عبادت، ریاضت اور مراقبہ کرتے رہے۔ ۷۲۰ھ کے بعد آپ نے خلوت کی زندگی ترک کر دی اور عوام کی اصلاح اور ارشاد کا کام شروع کیا۔ ”منیر“ میں آپ کی خانقاہ کی ابتدائی تعمیر آپ کے احباب اور مریدین نے کی تھی۔ جسے سلطان محمد تغلق نے وسعت دے کر دوبارہ تعمیر کیا اور اس کے اخراجات کے لیے راج گیر کا پرگنہ بھی وقف کر دیا۔ شرف الدین منیری نے ۶ شوال ۷۸۲ھ کو منیر میں وفات پائی۔

3.2 شرف الدین اور علم حدیث

شرف الدین منیری علاقہ بہار کے ایک ممتاز محدث تھے۔ آپ حدیث سے متعلق اکثر علوم مثلاً تاویل الحدیث، رجال الحدیث، اور مصطلحات الحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات اور تصوف سے متعلق کتابوں میں کثرت سے حدیث کی روایات نقل کی ہیں۔ اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بہت سے مواقع پر آپ نے علم حدیث کے مختلف پہلوؤں، مثلاً روایت بالمعنی شروط راوی وغیرہ پر اپنی تالیفات میں معقول

بحثیں کی ہیں اور صحیحین، مسند ابویعلیٰ موصلی، شرح المصابیح اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ امام نووی کی شرح صحیح مسلم کا ایک نسخہ آپ کے پاس موجود تھا اور آپ نے اس کا بھرپور مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں صحیحین کی تعلیم و تدریس شروع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کو احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ آپ احادیث پر عمل بھی کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خربوزہ محض اس وجہ سے کبھی نہیں کھایا کہ آپ کو اس کے کھانے کا مسنون طریقہ معلوم نہیں تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ شرف الدین منیری قرآن اور حدیث دونوں کی متصوفانہ تعلیمات پر بھی سند مانے جاتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ شرف الدین منیری دونوں کا تعلق تصوف سے تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے جس طرح دہلی میں ایک ممتاز روحانی مرشد کی حیثیت سے کام کیا اسی طرح شرف الدین منیری بھی بہار میں سرگرم عمل رہے۔ یہ دونوں بزرگ اسلامی علوم کے جید عالم تھے۔ علم حدیث کے مطالعہ میں شرف الدین نے سبقت حاصل کر لی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ نظام الدین نے حدیث کا مطالعہ بڑی عمر میں شروع کیا تھا اور اس موضوع پر صاعانی کی مشارق الانوار کے سوا کوئی مستند مجموعہ ان کے مطالعہ میں نہیں رہا۔ شرف الدین منیری کی تعلیم ایک حنبلی عالم ابو تومہ کی نگرانی میں ہوئی تھی اور انہوں نے قدرتی طور پر حدیث کی تعلیم کو بہت اہمیت دی۔ چنانچہ شرف الدین نے علم حدیث پر زیادہ عبور حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ شیخ نظام الدین کے برعکس شیخ شرف الدین کو کافی تعداد میں علم حدیث کی مستند کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملا جو غالباً انہوں نے اپنے استاد اور احباب و اصحاب سے حاصل کی تھیں اس قیاس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ شیخ زین الدین ساکن دیوہ نے ان کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور ہدیہ دے دیا تھا۔

3.3 شیخ مظفر بلخی (م ۷۸۶ھ)

مظفر بن شمس الدین بلخی، شیخ شرف الدین منیری کے خلیفہ مجاز تھے۔ شیخ مظفر کی ولادت اور تعلیم دہلی میں ہوئی تھی اور سلطان فیروز تغلق (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) نے ان کو دہلی کے مدرسہ کوشک لال میں مدرس مقرر کیا تھا۔

شیخ مظفر کے والد شیخ شمس الدین بہار کے ایک دلی احمد چرم پوش کے مرید تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ شیخ مظفر بھی چرم پوش کے مرید ہو جائیں۔ لیکن چرم پوش بالکل ان پڑھ تھے اس لیے شیخ مظفر ان کی طرف مائل نہ ہوئے اور شیخ شرف الدین سے بیعت کرنے کو ترجیح دی۔ لیکن دہلی میں سرکاری مصروفیات کی وجہ سے شیخ مظفر مرید ہونے کے بعد پچیس برس تک شرف الدین منیری کی خانقاہ میں شامل نہ ہو سکے اور مراسلت کر کے اپنے مرشد سے ہدایات حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ مع اہل وعیال کے دہلی سے ”منیر“ منتقل ہو گئے۔ اسلامی علوم میں شیخ مظفر کو جو مہارت حاصل تھی اس کے اعتراف میں شیخ شرف الدین نے ان کو امام کا لقب دیا تھا۔

3.4 شیخ مظفر اور علم حدیث

شیخ مظفر نے مشارق الانور کی ایک شرح لکھی تھی جو غالباً ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ضائع ہو گئی۔ ان کو ایک محدث کی حیثیت حاصل تھی جس کی شہادت اس سند سے ملتی ہے جو انہوں نے اپنے بھتیجے اور شاگرد حسین نوشائے توحید کو دی تھی۔ سند کی عبارت یوں ہے:

”فرزند حسین سند حدیث برین فقیر کردہ صحیح مسلم صحیح بخاری من اولہ و آخرہ لفظاً برین فقیر تحقیق کردہ“

اپنے محبوب مرشد شرف الدین منیری کی وفات کے بعد شیخ مظفر مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور جمادی الاول ۷۸۸ھ میں حجاز میں وفات پائی۔

3.5 حسین معزز بہاری (م ۸۴۲ھ)

حسین بہاری جو نوشائے توحید کے نام سے معروف ہیں۔ شیخ مظفر بلخی کے بھتیجے اور خلیفہ حجاز تھے۔ آپ سلسلہ فردوسیہ سے تعلق رکھنے والے صوفی تھے اور محدث بھی تھے۔ ان کی پرورش مخدوم شرف الدین نے کی تھی اور انہوں نے اپنے چچا مظفر بلخی سے صحیحین کا درس لیا۔ حسین بہاری کے والد شیخ الاسلام معزز بہاری بھی کافی معروف محدث تھے اور علم حدیث سے حسین کی گہری دلچسپی کے پیش نظر انہوں نے حسین کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور تحفہ دیا جو ریشمی کپڑے پر عمدہ عربی خط میں لکھا گیا تھا۔ حسین اپنے چچا مظفر بلخی کے ساتھ حجاز گئے تھے اور

عدن میں خطیب العدنی سے حدیث کا درس لیا تھا۔ حسین نوشائے توحید نے منیر کی خانقاہ میں حدیث کی کئی کتابوں کا اضافہ کیا جو وہ حجاز سے لائے تھے۔ انہوں نے تصوف پر کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں حضرات خمس اور فارسی میں ایک دیوان زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے ایک رسالہ کا نام ”اورادہ فصل“ ہے جس میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ سنن بیہقی اور مستدرک حاکم سے بھی کثیر تعداد میں احادیث نقل کی گئی ہیں۔ حسین نوشائے توحید نے ذی الحجہ ۸۴۴ھ میں منیر میں وفات پائی۔

3.6 احمد لنگر دریا (م ۸۹۱ھ)

احمد لنگر دریا بن حسن مظفر خانقاہ منیر میں اپنے والد کے جانشین ہوئے تھے۔ اپنے دادا شیخ مظفر بلخی کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے پوری مصابیح السنۃ حفظ کر لی تھی۔ احمد لنگر دریا نے اپنی تصنیف مونس القلوب میں، جو ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ صحیحین، مشارق الانوار اور حدیث کی دوسری کتابوں سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔ آپ کا انتقال ۸۹۱ھ میں ہوا اور ان کے ساتھ خانوادہ مظفر بلخی کے مشہور علماء کا سلسلہ ختم ہو گیا جو خانقاہ منیر میں شرف الدین منیری کے جانشین ہوتے رہے۔

خود آزمائی ②

- (۱) شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے مکتب محدثین پر تبصرہ کیجئے۔
- (۲) مولانا فخر الدین دہلوی اور ضیاء الدین برنی کا تعارف کیجئے۔
- (۳) شیخ محی الدین کاشانی، نظام الدین ظفر آبادی اور شیخ نصیر الدین دہلوی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ مختصر بیان کیجئے۔
- (۴) شیخ وجیہ الدین، قاضی شہاب الدین اور غس الدین خواجگی کی خدمات کا اجمالی تذکرہ پیش کیجئے۔
- (۵) شرف الدین منیری اور بہار میں علم حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات پر گفتگو کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- ۱- اخبار الاخیار مؤلف عبدالحق دہلوی
- ۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحق حسنی
- ۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بکرامی
- ۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
- ۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورود
- ۶- فوائد القواد اردو ترجمہ: غلام احمد
- ۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
- ۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
- ۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
- ۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
- ۱۱- الخطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
- ۱۲- معارف العوارف از عبدالحق حسن
- ۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
- ۱۴- یاد ایام از عبدالحق حسنی
- ۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
- ۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
- ۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
- ۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
- ۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

- ۲۰۔ منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
- ۲۱۔ عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی
- ۲۲۔ عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی
- ۲۳۔ حیات شبلی از سید سلمان ندوی
- ۲۴۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر ⑪

برصغیر میں علم حدیث ②

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

- 343 پونٹ کا تعارف
- 344 پونٹ کے اغراض و مقاصد
- 345 ① امیر کبیر سید علی ہمدانی
- 346 1.1 سید جمال الدین
- 346 1.2 قاضی حسین شیرازی
- 346 1.3 خانقاہ ہمدانی اور علم حدیث
- 347 ② شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کا مکتب محدثین
- 347 2.1 جمال الدین محدث
- 347 2.2 مخدوم جہانیاں
- 352 ③ بدر الدین الدماینی
- 352 3.1 ابوالفتوح نور الدین شیرازی
- 354 ④ حافظ ابن حجر کے تلامذہ برصغیر میں
- 354 4.1 یحییٰ بن عبدالرحمن الشافعی
- 354 4.2 محمود گاوآن
- 356 ⑤ حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے اثرات
- 356 5.1 ابوالفتح رضی مکی
- 356 5.2 شیخ احمد بن صالح

- 356 5.3 عمر بن محمد دمشقی
- 357 5.4 عبدالعزیز بن محمود طوسی
- 357 5.5 وجیہ الدین محمد المالکی
- 359 5.6 حسین بن عبداللہ بن اولیاء کرمانی
- 359 5.7 جمال الدین محمد بن عمر شافعی
- 359 5.8 رفیع الدین صفوی
- 361 ⑥ شیخ زکریا انصاری اور علم حدیث
- 361 6.1 عبدالمعطی الحضرمی
- 361 6.2 شہاب الدین عباسی
- 362 ⑦ ابن حجر پیشی کا مرکز حدیث
- 362 7.1 شیخ عبداللہ العیدروسی
- 362 7.2 ابوالسعادات محمد الفاہی
- 363 7.3 میر مرتضی شریف شیرازی
- 363 7.4 میر کلاں محدث اکبر آبادی
- 364 برصغیر میں مراکز حدیث کا ارتقاء
- 364 8.1 دکن
- 366 8.2 گجرات
- 367 8.3 مالوہ
- 367 8.4 خاندیش
- 367 8.5 سندھ
- 368 8.6 لاہور

368	8.7 جھانسی اور کالپی
368	8.8 آگرہ
369	8.9 لکھنؤ
369	8.10 جون پور
370	8.11 بہار
370	8.12 بنگال
371	8.13 سارگاؤں

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ”برصغیر میں علم حدیث“ سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پھیلنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہرن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انتہاک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇨ امیر کبیر سید علی ہمدانی اور علم حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا جائزہ پیش کر سکیں۔
- ⇨ شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کے مکتب محدثین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ⇨ حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے اثرات پر بحث کر سکیں۔
- ⇨ برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکیں۔

برصغیر میں علم حدیث ②

شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ شرف الدین منیری کی طرح اس دور میں سید علی ہمدانی نے بھی علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① امیر کبیر سید علی بن شہاب ہمدانی (۷۸۶ تا ۸۷۳ھ)

کشمیر میں علم حدیث کا آغاز خراسان کے ایک درویش صفت عالم اور مشہور صوفی امیر کبیر سید علی ہمدانی نے کیا تھا۔ آپ ۷۸۳ھ میں اپنے سات سو مریدین کے ساتھ کشمیر آئے تھے اور انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کے سر ہے۔ اس علاقہ میں سید علی ہمدانی کا اثر و رسوخ اس قدر زیادہ تھا کہ سلطان قطب الدین فرمانروائے کشمیر (۷۷۰ تا ۷۹۵ھ) سید علی ہمدانی کے مرید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ سید علی ہمدانی نے اپنی عمر کے آخری سال کشمیر میں گزاریے۔ ۶ ذی الحجہ ۸۷۳ھ کو ایران جاتے ہوئے راستہ میں وفات پائی اور ترکستان میں بمقام خندان مدفون ہوئے۔ سید علی ہمدانی نے حدیث کے حوالہ سے مندرجہ ذیل رسائل تالیف کئے۔

(۱) السبعین فی فضائل امیر المؤمنین: یہ ستر روایات کا مجموعہ ہے جن کا تعلق فضائل اہل بیت سے ہے۔ بیشتر روایات مسند فردوس الدیلمی سے ماخوذ ہیں۔ مسند فردوس میں چونکہ ہر قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے اس رسالہ میں بھی جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری مستند اور صحیح نہیں ہیں۔

(۲) اربعین امیر: یہ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو انس بن مالکؓ سے مروی ہیں اور سید علی ہمدانی نے شیخ نجم الدین الاذکانی (م ۷۸۷ھ) سے روایت کی ہیں۔

”انس بن مالک کے علاوہ سید علی ہمدانی نے اپنے ایک اور رسالہ ”ذخیرۃ السلوک“ میں بکثرت روایات نقل کی

ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید ہمدانی کو علم حدیث سے تعلق تھا۔ ذخیرۃ الملوک کا موضوع سیاست ہے۔ مولانا صدر الدین الرفاعی مرحوم نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اسے شائع کیا ہے۔

1.1 سید جمال الدین

سید علی ہمدانی کے ایک مرید سید جمال الدین تھے۔ آپ اپنے دور کے محدث تھے۔ سلطان قطب الدین نے ان کو کشمیر میں بطور مدرس مقرر کیا تھا۔

1.2 قاضی حسین شیرازی

قاضی حسین شیراز کے رہنے والے تھے اور اپنے مرشد میر محمد ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ میر محمد سید علی ہمدانی کے صاحبزادے تھے۔ سلطان سکندر نے جو سلطان قطب الدین کا جانشین ہوا تھا حسین شیرازی کو قاضی مقرر کیا تھا۔ قاضی حسین شیرازی نے وہ روایات جمع کیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک وضاع بابا رتن الہندی نے وضع کی تھیں۔ یہ احادیث رتبیہ کہلاتی تھیں۔

1.3 خانقاہ ہمدانی اور علم حدیث

یہ خانقاہ سید علی ہمدانی کے فرزند میر محمد ہمدانی (م ۸۰۹ھ) کے لیے سلطان قطب الدین کے جانشین سلطان سکندر نے ۹۹ھ میں تعمیر کروائی تھی۔ میر محمد ہمدانی اپنے والد کی وفات کے بعد تین سو مریدوں کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ یہ خانقاہ ایک درسگاہ تھی۔ دسویں صدی ہجری کے محدث حاجی کشمیر نے اس کو بہت ترقی دی اور یہ اشاعت حدیث کا مرکز بن گئی۔

② شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کا مکتبِ محدثین

ملتان کے مشہور ولی شیخ بہاء الدین زکریا (م ۶۶۶ھ) نے ملتان میں علم حدیث کی اشاعت کا مرکز قائم کیا اور ان کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے یہ کام جاری رکھا۔ جمال الدین محدث اچھی اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری علم حدیث کے اسی مرکز کی پیداوار تھے۔

2.1 جمال الدین محدث

جمال الدین، شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین شیخ صدر الدین کے مرید تھے۔ کئی سال تک وہ اپنے وطن اچھ میں مدرس رہے۔ آپ 'مشارق الانوار' اور 'مصانح السنۃ' کا درس دیا کرتے تھے۔ سنت رسول ﷺ سے انہیں اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ موٹا اور کھر درالباس پہنا کرتے تھے۔ جمال الدین آٹھویں صدی ہجری کے اول نصف میں بقید حیات رہے۔

2.2 مخدوم جہانیاں (۷۰۷ھ تا ۸۵۵ھ)

جلال الدین الحسین بن احمد الحسینی البخاری ۷۰۷ھ میں اچھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اچھ میں قاضی بہاء الدین اچھی اور جمال الدین محدث سے تعلیم حاصل کرنے گئے۔ اس وقت یہ درسگاہ شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن الدین بن صدر الدین (م ۷۳۵ھ) تعمیر کر رہے تھے۔ یہاں جلال الدین بخاری نے 'مشارق الانوار' اور 'مصانح السنۃ' پر مشتمل ایک سال کے نصاب کی تکمیل کی اور پھر شیخ رکن الدین کے مرید ہو گئے۔ بعد ازاں جلال الدین نے تصوف کی تعلیم و تربیت دہلی میں شمس الدین اودھی اور نصیر الدین چراغ دہلی سے لی اور مدینہ منورہ میں عقیف الدین عبداللہ المطری سے عراق اور مصر کے بعض دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے ان کو سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کیا۔ اور اس کے جانشین فیہر تغلق نے ان کی مریدی اختیار کی۔ مشہور و معروف عالم اور ولی ہونے کے علاوہ جلال الدین بخاری اعلیٰ پایہ کے محدث تھے۔

احادیث پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور شیخ نظام الدین اولیاء کی طرح انہوں نے بھی قرأت خائف الامام اور صلاۃ الجنائز علی الغائب پر عمل کیا۔ جلال الدین بخاری حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۵۷۵ھ میں جب آپ نے دہلی میں مختصر قیام کیا تو وہاں بھی مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ کا درس دیا۔ جلال الدین بخاری نے ۵۸۵ھ اچھے میں وفات پائی۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں دکن میں بہمنی سلطنت اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام سے ان علاقوں میں علم حدیث کی ترویج اور ترقی کے لیے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور یہاں سے علم حدیث ترقی کر کے شمالی ہند میں بھی پھیلنے لگا۔ ان قریبی اور ہمسایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال درحقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے۔ ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور علم دوست فرماں رواؤں نے اپنے ملک میں علوم و فنون کو فروغ دینے کے لیے حیرت انگیز توجہ اور انہماک کا مظاہرہ کیا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے دور و نزدیک تمام اطراف کے علماء کو اپنے دار الخلافہ آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمران ہوئے ان میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۳ھ) اور مظفر شاہ ثانی فرمانروائے گجرات (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) جیسی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے حکمران چند ہی ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ بہمنی کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ اور وہ ہر سال مختلف ممالک میں بحری جہاز محض اس مقصد کے لیے بھیجتا تھا تاکہ وہاں سے ممتاز علماء اور دانشور لائے جائیں۔ مظفر شاہ ثانی نے علمی ترقی کے لیے بڑے جوش اور التفات کا ثبوت دیا۔ اور ایران، عرب اور ترکی سے بہت سارے علماء، فضلاء اور ادباء اس حکمران کے عہد میں گجرات آئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس دور میں نہ صرف سلاطین بلکہ متعدد وزیر بھی تعلیم کے ماہر اور علوم کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ ان میں دکن کے محمود گادوان اور گجرات کے آصف خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور اپنی بھاری بھر کم منصبی ذمہ داریوں کے باوجود انہوں نے علمی کاموں میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں غریب اور مستحق اہل علم کی پرورش پر صرف کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بہمنیوں کے عہد میں دکن اور مظفر شاہیوں کے دور میں گجرات علماء، ادباء، شعراء اور اہل دانش کا مرکز بن گئے تھے۔

حجاز اور مصر کے محدثین ان دونوں سلطنتوں میں جمع ہونے لگے۔ محدثین کی آمد کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان حکمرانوں نے حدیث اور سنت رسول ﷺ سے گہری محبت اور عقیدت کا اظہار کیا۔ اور دوسرا یہ کہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے اب تک جس طویل اور خطرناک بری راستے سے سفر کیا جاتا تھا اس کے بجائے حایوں کے لیے بحیرہ عرب میں سفر کرنے کا ایک آسان راستہ کھول دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلطان کے حکم سے حج کے موسم میں جنوبی ہند اور خاص کر گجرات کی بندرگاہوں سے جنہیں ”باب مکہ“ کہا جانے لگا تھا باقاعدہ طور پر جہاز چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جنوبی ہند کی بندرگاہوں سے عربوں کی تجارت طویل مدت سے جاری تھی اب اس میں مزید اضافہ ہو گیا اور بحری جہاز باقاعدہ طور پر زیادہ تعداد میں چلائے جانے لگے۔ اس طرح ہندوستان اور حجاز کے درمیان جو قریبی روابط قائم ہوئے اور ہمہنی و مظفر شاہی خاندانوں کے سلاطین نے علمائے حدیث کی جو فیاضانہ سرپرستی کی اس سے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔

جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز کب ہوا؟..... اور اس کی اشاعت کیسے ہوئی؟..... اس ضمن میں وضاحت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاہم تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحلی علاقوں میں مساجد کی تعمیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ضرور کیا گیا ہوگا۔ کیونکہ نو مسلموں کو بہر حال اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول و عبادات سے واقف کرانا ضروری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب، نو مسلموں کو اچھا مسلمان بنانے کے بھی ایسے ہی آرزو مند تھے جیسے کہ غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کے۔ اور اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے عربوں نے نو مسلموں کی بستیوں میں مسجدیں تعمیر کی تھیں۔ مسجد سے عموماً دو مقاصد پورے ہوتے تھے۔ اولاً تو یہ کہ یہاں نماز ادا کی جاتی تھی اور اس مقصد کے لیے مسلمان جمع ہوتے تھے اور دوسرے یہ کہ مسجد میں دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی چنانچہ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی اشاعت بھی ہوتی رہتی تھی اور اس زمانہ میں مسجد تعمیر کرنے کا لازمی نتیجہ ایک دینی ادارہ کے قیام کی شکل میں نکلتا تھا۔ اس لیے یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحل میں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ بعد میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کی نوآبادیاں قائم ہو جانے کے باعث جب اس علاقہ میں عالیشان مسجدیں تعمیر کی گئیں تو انہوں نے اسلامی تعلیم کے مراکز کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ابن بطوطہ کے مطابق جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی نوآبادیوں میں اسلامی علوم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا اور اس کے بعد یہ برابر ترقی کرتے گئے۔ ابن بطوطہ کے عہد یعنی آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں اسلامی علوم کو اس قدر فروغ ہو گیا تھا اور طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں کی ایک نوآبادی ہنور (بہمنی) میں لڑکیوں کے لیے تیرہ اور لڑکوں کے لیے تینتیس مدرسے قائم کرنے پڑے تھے۔ اس نوآبادی کی خواتین عام طور پر قرآن کی حافظ تھیں۔ اور دینی علوم کی مقبولیت کا یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس کی مثال اس زمانہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

منگولوں میں ابن بطوطہ کی ملاقات ایک شافعی قاضی بدر الدین معبری سے ہوئی تھی جو اپنے منصبی فرائض انجام دینے کے علاوہ شہر کے مدرسہ میں درس بھی دیا کرتے تھے۔ جامع بہلی میں ایسے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے تھے جن کے لیے قیام و طعام کا انتظام مفت تھا۔ ابن بطوطہ نے کلی کٹ میں ایسی مسجد بھی دیکھی جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے برعکس جو فقہ حنفی کے پیروکار تھے جنوبی ہندوستان کے مسلمان شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اول الذکر وسطی ایشیاء کے اسلامی علوم یعنی فقہ و اصول فقہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے اور مؤخر الذکر حجاز کے اسلامی علوم یعنی حدیث و علوم الحدیث کی تعلیم پر توجہ دیتے تھے۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے رواج کی وجہ سے برصغیر میں بیک وقت دونوں علوم کی اشاعت ہوئی۔

نویں صدی ہجری کے اوائل میں جب کہ ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ہو رہا تھا۔ عالم اسلام کے ایک عظیم محدث حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی قیادت میں علم حدیث کا ایک مرکز مصر میں قائم ہو گیا تھا اس مرکز نے دیگر محدثین کے علاوہ اپنے دور کے دو نہایت ممتاز محدث حافظ عبدالرحمن سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور زین الدین زکریا الانصاری (م ۹۲۵ھ) پیدا کئے۔ ان میں سے امام سخاوی نے حرمین کو اور شیخ انصاری نے قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ شیخ انصاری کے شاگرد رشید حافظ ابن حجر عسقلانی مکی

(م ۹۷۷ھ) نے علم حدیث کے ایک مرکز کی حیثیت سے مکہ معظمہ کی شہرت میں بہت اضافہ کیا۔ اس طرح نویں صدی ہجری کے اول ربع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے تیسرے ربع تک مصر اور حرمین میں محدثین کے چار مراکز یکے بعد دیگرے برسر عمل رہے اور برصغیر میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

ان مراکز حدیث کے بانی علماء کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں مصر علم حدیث کا مرکز اور ممتاز محدثین کا گہوارہ تھا۔ شیخ زکریا الانصاری اور حافظ ابن حجر مکی کے علاوہ امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) اور حافظ قسطلانی (م ۹۲۳ھ) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ برصغیر میں جن محدثین نے علم حدیث کی اشاعت کی ان میں سے اکثر یا تو مصری تھے۔ یا مصر سے تعلق رکھنے والے محدثین کے شاگرد تھے۔ تاہم عرب علم حدیث کا ترسیلی مرکز بنا رہا۔ جہاں سے برصغیر میں اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حجاز اور ہند کئی حوالوں سے باہم مربوط تھے اور حجاز کے محدثین برصغیر کے محدثین سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چنانچہ ابن حجر العسقلانی اور شیخ الانصاری کے مصری مراکز حدیث برصغیر میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے جو حافظ سخاوی اور حافظ ابن حجر مکی کے حجازی مراکز حدیث کو حاصل ہوئی۔ برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت میں حجاز کا جو حصہ ہے اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے لیکن برصغیر میں علم حدیث کو جو فروغ ہوا اس میں مصر سے تعلق رکھنے والے محدثین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

برصغیر میں جن محدثین نے اپنی آمد کے بعد یہاں باقاعدہ قیام فرمایا ان میں سے دو حضرات ایسے ہیں جن کا تذکرہ کرنا یہاں بہت ضروری ہے۔

③ بدرالدین الدماینی

(۶۳۷ھ تا ۸۲۷ھ)

بدرالدین محمد بن ابوبکر الخرمی الاسکندری المالکی الدماینی ماہ شعبان ۸۲۰ھ میں سلطان احمد بن مظفر شاہ (۸۱۳ھ تا ۸۲۳ھ) کے عہد حکومت میں گجرات آئے تھے۔ گجرات آنے سے پہلے شیخ دماینی یمن کی جامع زبید میں استاد تھے۔ یہاں انہوں نے ”مصابیح الجامع“ کے نام سے صحیح البخاری کی ایک شرح لکھی تھی۔ زبید میں سکونت ترک کرنے سے پہلے ہی انہوں نے یہ کتاب احمد شاہ کے نام منسوب کی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ دماینی سلطان احمد شاہ کی علم دوستی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ گجرات میں رہتے ہوئے آپ نے ”تعلیق الفرائض“ تحفہ الغریب شرح المغنی للیب اور ”عین الحیاة فی خلاصۃ حیاة الحيوان از دیمیری“ مرتب کیں۔ اور ان سب کتابوں کا انتخاب سلطان احمد شاہ کے نام کیا۔ اس دور میں دکن میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) اور اس کا جانشین احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) علم کے دونا مورس پرست حکمران ہوتے تھے۔ احمد شاہ بہمنی علم و تقویٰ کا بڑا قدردان تھا اور اسی وجہ سے شیخ دماینی نے بہمنیوں کے دار السلطنت گلبرگہ کارخ کیا اور زندگی کے آخری ایام وہیں بسر کئے۔ شعبان ۸۲۸ھ میں شیخ دماینی نے وفات پائی۔

شیخ دماینی ۶۳۷ھ میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے دادا شیخ بہاء الدین الدماینی، ابن خلدون، قاہرہ، اور مکہ مکرمہ کے چند اور اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ جامع الازہر میں کئی سال تک مدرس رہے۔ آپ عربی ادب اور صرف و نحو پر سند مانے جاتے تھے۔ حدیث میں مصابیح الجامع کے علاوہ آپ نے دو کتابیں اور بھی تالیف کیں۔ ایک ”الفتح الربانی“ کے نام سے اور دوسری ”تعلیق المصابیح“ کے نام سے۔

3.1 ابوالفتوح نور الدین احمد بن عبداللہ شیرازی طاووسی

ابوالفتوح نور الدین فازس میں بمقام ”ابرقوہ“ پیدا ہوئے تھے۔ اور وہاں کی درگاہ طاووس الحرمین سے نسبت کی بنا پر طاووسی کہلاتے تھے۔ آپ سلطان احمد شاہ کے عہد حکومت میں گجرات آئے۔ نور الدین، مجد

الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) شمس الدین الجوزی (م ۸۲۲ھ) اور بابا یوسف الہروی کے شاگرد تھے۔ شیخ یوسف الہروی سے آپ نے صحیح البخاری بالالتزام پڑھی تھی اور ان سے سند عالی حاصل کی تھی۔ اسے سند عالی اس لیے کہا جاتا تھا کہ شیخ ہروی اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد شیخ ہروی کے کسی اور ہم عصر اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد سے کم تھی۔ ابوالفتوح نور الدین نے مشکوٰۃ المصابیح کا درس شرف الدین عبد الرحیم سے اور انہوں نے امام الدین سے لیا تھا جو خطیب تبریزی (م ۷۹۳ھ) کے شاگرد تھے۔

④ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد برصغیر میں

حافظ ابن حجر کے مرکز حدیث سے سینکڑوں کی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے۔ یہاں ان میں سے ان دو حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کو نئی جہت ملی۔

4.1 یحییٰ بن عبد الرحمن بن ابوالخیر الشافعی (۸۹۷ھ تا ۸۴۳ھ)

شیخ یحییٰ کا تعلق مکہ مکرمہ کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ اپنے قبیلہ کی نسبت سے ابن فہد کہلاتے تھے۔ یحییٰ بن عبد الرحمن ۸۳۰ھ میں کھبایت آئے تھے اور وہاں قیام کرنے کے بعد گلبرگہ چلے گئے تاکہ سلطان احمد شاہ بہمنی کی سرپرستی سے فیضیاب ہوں۔

ابن فہد نے علم حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اور مصر، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دوسرے شیوخ سے حاصل کیا۔ شیخ زین الدین العراقي (م ۸۰۶ھ) اور حافظ نور الدین الہیثمی (م ۸۰۷ھ) سے بھی آپ نے استفادہ کیا اور اجازت لی۔

4.2 محمود گادوان (م ۸۸۶ھ)

خواجہ عماد الدین محمود بن احمد الکلیانی جو تاریخ ہند میں محمود گادوان کے نام سے مشہور ہیں بہمنی سلاطین کے وزیر تھے۔ آپ علاء الدین شاہ بہمنی (۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ) کے عہد میں دکن آئے تھے۔ محمود گادوان ۸۱۳ھ میں بحیرہ خضر کے ساحلی علاقہ کیلان کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بھائی احمد بن محمد کیلانی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے محمود گادوان ۸۴۳ھ میں قاہرہ گئے اور حافظ ابن حجر سے صحیح بخاری اور حافظ زین الدین زرکشی (م ۸۴۵ھ) سے صحیح مسلم کا درس لیا۔ محمود گادوان نے شام کے کئی ائمہ حدیث سے بھی استفادہ کیا۔ محمود گادوان نے علم حدیث پر عبور حاصل کر لیا تھا اور اس کا ثبوت اس مجموعہ سے ملتا ہے جس کو روایت کرنے کی اجازت حافظ ابن حجر نے آپ کو عطا کی تھی۔

محمود گاووان نے غیر معمولی قابلیت سے پینتیس برس تک بہمنی سلطنت کی خدمات انجام دیں۔ وہ اپنی انتظامی اصلاحات کی وجہ سے جتنے مشہور تھے اتنے ہی علم کی وسیع سرپرستی اور قدردانی کی وجہ سے بھی مشہور ہوئے۔ وہ انسانیت کے محسن اور ذاتی جوہر اور فضیلت رکھنے والے غریب اہل علم کے سرپرست اور پشت پناہ تھے۔ چنانچہ شاہ بہمنی ثانی (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) نے ۵ صفر ۸۸۶ھ کو جب بلا جواز ان کو قتل کروادیا تو مکہ معظمہ کے علماء کو یہ خبر سن کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ محمود گاووان نے اپنی وفات سے دو سال پہلے بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس کے لیے اپنے ذاتی کتب خانہ کی پینتیس ہزار (۳۵،۰۰۰) کتابیں بھی مہیا کی تھیں۔ محمود گاووان کا تعلق شافعی مسلک سے تھا اس لیے ان کے پاس علم حدیث سے متعلق کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

⑤ حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے اثرات

بوصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگردوں نے حصہ لیا اسی طرح حافظ سخاوی کے مرکز حدیث سے مستفید ہونے والے محدثین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ یہاں ان میں سے چند اہم اور مشہور محدثین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

5.1 ابوالفتح بن رضی کی

ابوالفتح رضی ۸۵۴ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۸۷۰ھ میں حجاز میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں وہ حافظ عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ) سے ملے۔ اور ان سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ اس کے بعد سلطنت مالوہ کے دار الحکومت ماندو کے لیے روانہ ہو گئے اور یہاں تیرہ سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں آپ نے درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام مکہ مکرمہ میں گزرے۔ ۸۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

5.2 شیخ احمد بن صالح

حافظ سخاوی کے ایک اور شاگرد جنہوں نے ماندو میں سکونت اختیار کی تھی احمد بن صالح کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے اور ترک وطن کر کے ہندوستان آ گئے تھے۔ شیخ احمد یہیں پیدا ہوئے تھے لیکن تعلیم و تربیت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور شیخ سخاوی سے علم حدیث میں بھرپور استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں حافظ سخاوی کے مرکز حدیث سے استفادہ کرنے کے بعد آپ سلطان غیاث الدین فرمانروائے مالوہ (۸۷۳ھ تا ۹۰۶ھ) کے عہد میں ماندو آئے۔ اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ماندو میں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاریخ وفات کا علم نہیں۔

5.3 عمر بن محمد دمشقی (۸۲۹ھ تا ۹۰۰ھ)

عمر بن محمد دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ حافظ سخاوی کے ہم کتب بھی تھے اور شاگرد بھی۔ ۸۵۳ھ میں آپ نے مصر کی مشہور محدثہ سارہ بنت جماعہ (م ۸۵۵ھ) سے امام طبرانی کی معجم الکبیر کا سماع کیا۔ ۸۵۷ھ میں

تاجر کی حیثیت سے کھبائیت آئے اور کچھ عرصہ بعد وہاں کی حکومت نے ان کو شوافع کا قاضی مقرر کیا۔ صوبہ کھبائیت کے گورنر کے نمائندہ کی حیثیت سے قاہرہ جاتے ہوئے آپ نے ۸۸۶ھ کے موسم سرما میں اپنا سفر روک دیا اور مکہ معظمہ میں قیام کر کے ایک سال تک حافظ سخاوی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ گئے اور سفارتی فرائض انجام دیئے۔ ہندوستان واپس جانے سے قبل آپ نے دوبارہ حافظ سخاوی کی خدمت میں رہ کر مزید استفادہ کیا اور ان سے باقاعدہ سند حاصل کی۔ عمر بن محمد نے کھبائیت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی وجہ سے نزہل کبائیت کہے جانے لگے۔ عمر بن محمد دمشقی نے کھبائیت میں رہ کر حدیث کی اشاعت کے لیے کام کیا۔

5.4 عبد العزیز بن محمود طوسی (۸۳۶ھ تا ۹۱۰ھ)

شیخ عبد العزیز طوسی خراسان کے شہر طوس میں ۸۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے محمد بن عبد العزیز ابہری سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ ۸۷۰ھ میں آپ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں حافظ سخاوی کے مرکز حدیث سے وابستہ ہو گئے۔ حافظ سخاوی سے آپ نے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا سماع کیا۔ لیکن مکہ مکرمہ میں آپ زیادہ عرصہ تک قیام نہیں کر سکے۔ محمود گادوان کے آخری دور میں آپ دکن آئے۔ محمود گادوان نے آپ کی سرپرستی کی اور اپنے داماد کا اتالیق مقرر کیا۔

5.5 وجیہ الدین محمد المالکی (۸۵۶ھ تا ۹۱۹ھ)

وجیہ الدین کا تعلق مصر کے مالکی فقہاء کے ایک خاندان سے تھا۔ آپ ۸۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ۸۵۶ھ میں آپ حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے ساتھ منسلک ہو گئے اور طویل عرصہ تک استفادہ کرنے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپ نے یمن کا سفر کیا اور وہاں جامع زلیع میں حدیث کا درس دینے لگے۔ اس کے بعد یمن سے احمد آباد جانے کے لیے کھبائیت کا سفر کیا۔ گجرات سے انہوں نے اپنے ان احباب کے نام جو مکہ مکرمہ میں تھے، جو خطوط لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۸۹۸ھ سے پہلے گجرات پہنچ گئے تھے۔

کھبائیت کے گورنر کے مشورہ سے شیخ وجیہ الدین نے حدیث کا حلقہ قائم کیا۔ آپ مصادر حدیث کے

ساتھ ساتھ قاضی عیاض کی الشفاء بھی پڑھاتے تھے۔ بہت جلد آپ کا حلقہ مشہور ہو گیا اور لوگ دور دور سے آ کر آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان محمود (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) نے آپ کو ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے آپ کو محاصل سلطنت کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا اور بڑی فیاضی سے آپ پر انعام و اکرام کرتے رہے۔

اپنے منصبی فرائض میں مصروف رہنے کے باوجود شیخ وجیہ الدین علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ حدیث پر کتابیں مرتب کرنے کے لیے آپ نے معقول معاوضہ دے کر ماہرین کا تقرر کیا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے ایک محدث شیخ جابر اللہ بن ہمدان نے وجیہ الدین کے لیے فتح المبین کے نام سے ایک اربعین مرتب کی تھی۔ آپ کو علم حدیث سے اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ ہمیشہ اس موضوع پر نئی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ حافظ ابن حجر کی فتح الباری جیسے ہی منظر عام پر آئی شیخ وجیہ الدین نے اس کا ایک نسخہ اپنے لیے حاصل کر لیا اور پھر اسے اپنے ایک دوست مخاطب علی خان امیر گجرات کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔ مخاطب علی خان نے یہ نسخہ سلطان مظفر شاہ (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) کے کتب خانہ کے لیے بھیج دیا۔ اس تحفہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے مخاطب علی کو بروج بطور جاگیر عطا کر دیا۔ شیخ وجیہ الدین نے ۹۱۰ھ کو احمد آباد میں وفات پائی۔

خود آزمائی ①

- (۱) امیر کبیر سید علی ہمدانی اور حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
- (۲) شیخ بہاء الدین زکریا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ان کے مکتب محدثین کے کردار کے بارے میں بحث کیجئے۔
- (۳) محمود گاون نے کس پہلو سے علوم دینیہ کی ترویج کے لیے کام کیا۔ تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔
- (۴) حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے اثرات و نتائج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس موضوع پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔
- (۵) ابوالفتح کبی، احمد بن صالح، عبدالعزیز طوسی، اور محمد المالکی کے حالات و خدمات پر ایک شذرہ قلم بند کیجئے۔

5.6 حسین بن عبداللہ بن اولیاء کرمانی (م ۹۲۲ھ)

شیخ حسین کا نام اصیل الدین تھا۔ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ حافظ سخاوی سے صحیح بخاری، مسند شافعی اور مشارق الانوار کا سماع کیا۔ آپ کو علم حدیث کے ساتھ حد درجہ شغف تھا۔ حافظ سخاوی سے آپ نے مصادر حدیث درسا درسا حاصل کیں۔ اور باقاعدہ سند حاصل کرنے کے بعد ۸۹۶ھ میں آپ بیجاپور آئے۔ بیجاپور میں آپ نے چار سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں شیخ حسین نے حدیث کا حلقہ قائم کیا اور اس علاقہ میں حدیث کی اشاعت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ ۹۰۱ھ میں آپ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔

5.7 جمال الدین محمد بن عمر شافعی (۸۶۹ھ تا ۹۳۰ھ)

جمال الدین محمد بن عمر ۸۶۹ھ میں حضرموت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ایک جید عالم اور محدث تھے۔ ۸۹۳ھ کے موسم حج میں آپ کی ملاقات حافظ سخاوی سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ حافظ سخاوی کے مرکز حدیث سے وابستہ ہو گئے اور مسلسل ان کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ جمال الدین نے امام منذری کی کتاب ”الترغیب والترہیب“ کا خلاصہ ”التقریب التہذیب“ کے نام سے لکھا تھا۔ آپ ۹۲۸ھ میں گجرات آئے تھے۔ گجرات کے سلطان مظفر ثانی نے آپ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ سلطان مظفر شاہ کے دربار میں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ سلطان مظفر کے ہاں رہتے ہوئے آپ نے حدیث کی ایک مجلس قائم کی جس کے ذریعہ اس علاقہ میں حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ ۹۳۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

5.8 رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ)

رفیع الدین صفوی، حافظ سخاوی کے شاگرد تھے۔ آپ نے آگرہ میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے بنیادی کام کیا۔ آپ ایران میں صفوی سلسلہ کے مشہور بانی صفی الدین کی اولاد میں سے تھے۔ اس سلسلہ نے شاہ اسماعیل (۹۰۵ھ تا ۹۳۰ھ) کی سربراہی میں ایک تشدد شیعہ تنظیم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ رفیع الدین نویں صدی

ہجری کی تیسری چوتھائی میں شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ جلال الدین دوانی (م ۹۲۸ھ) کی شاگردی کے زمانہ میں رفیع الدین نے خط و کتابت کے ذریعہ حافظ سخاوی سے استفادہ کیا اور ان سے سند حاصل کی۔ نویں صدی کے آخر میں قزلباشوں کے ہاتھوں ایران میں سنیوں کے مذہب اور زندگی کے لیے روز افزوں خطرات پیدا ہو گئے تھے اس لیے رفیع الدین کے والد ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ اس طرح رفیع الدین کو حافظ سخاوی سے قریب ہونے اور ان کی رہنمائی میں علم حدیث پر عبور حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ۹۰۲ھ میں شیخ سخاوی کی وفات کے بعد رفیع الدین صفوی گجرات روانہ ہوئے جہاں وہ سلطان محمود اول (۸۶۳ تا ۹۱۷ھ) کے آخری عہد حکومت میں پہنچے۔ پھر وہاں سے آگرہ گئے جو سلطان سکندر لودھی (۸۹۳ تا ۹۲۳ھ) کی فیاضی اور سرپرستی کی بدولت ایک اہم علمی مرکز بن گیا تھا۔ سلطان سکندر کو علم حدیث سے گہری دلچسپی تھی اور اس کے حکم سے صحیح مسلم کا ایک حصہ بہت خوبصورت خط کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ سلطان سکندر لودھی نے رفیع الدین صفوی کے لیے شہر کے ایک محلہ میں مکان بنوایا۔ اور اس محلہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ یہاں شیخ رفیع الدین چونتیس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ نے بہت اعزاز و اکرام اور مقبولیت حاصل کی۔ ۹۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رفیع الدین صفوی کے شیر شاہ سوری (۹۴۶ تا ۹۵۲ھ) سے بھی گہرے مراسم تھے۔ شیر شاہ سوری کی بے وقت موت سے اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا کہ رفیع الدین کو سلطان ترکی کے دربار میں اس مقصد سے متعین کیا جائے کہ ایران میں فرقہ واریت کے خطرہ کا سدباب کیا جائے۔ اور حاجیوں کے لیے ایک شاہراہ کے ذریعہ ہندوستان کو حجاز کے ساتھ مربوط کیا جائے۔

⑥ شیخ زکریا الانصاری اور علم حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سخاوی کے مراکز حدیث کی طرح شیخ زکریا الانصاری کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

6.1 عبدالمعطی الحضرمی (م ۹۸۹ھ)

شیخ عبدالمعطی ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد شیخ حسن کے ساتھ قاہرہ میں شیخ الاسلام زکریا الانصاری کے مرکز حدیث میں شریک ہوئے۔ اور دونوں نے شیخ انصاری سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ والد صحیح بخاری کی روایات پڑھتے تھے اور بیٹا ان روایات کو شیخ کی موجودگی میں سنتا تھا۔ ۹۶۳ھ کے لگ بھگ شیخ عبدالمعطی ہجرت کو کے احمد آباد آ گئے۔ یہاں ایک علمی خاندان عبدروسی سے جو احمد آباد میں آباد تھا آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ گجرات میں رہ کر آپ نے درس حدیث کے لیے مرکز قائم کیا۔ آپ صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کے رجال پر بھی کام کیا تھا۔ صحیح بخاری کے علاوہ دوسرے مصادر حدیث بھی آپ اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے اور طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ ۹۸۹ھ میں احمد آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

6.2 شہاب الدین عباسی (م ۹۹۲ھ)

شیخ زکریا الانصاری کے ایک اور شاگرد جن کو گجرات میں علم حدیث کی اشاعت سے گہرا اور دلی تعلق تھا شہاب الدین عباسی تھے۔ آپ ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے المقدسی کی ”عمدة فی الحدیث“ اور امام نووی کی اربعین حفظ کر لی تھیں۔ شہاب الدین زندگی کے روزمرہ مشاغل میں بھی سنت کی پیروی سختی سے کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں محمد بن عبدالرحمن بھی شامل تھے۔ جنہیں اپنے دور میں بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ ۹۹۲ھ میں شہاب الدین عباسی نے وفات پائی۔

⑦ ابن حجر ہیثمی (م ۹۷۹ھ) کا مرکز حدیث

ابن حجر ہیثمی مکی کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے استفادہ کرنے والوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنے حلقے قائم کئے اور مصادر حدیث کا درس دیتے رہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

7.1 شیخ عبداللہ العیدروسی (م ۹۹۰ھ)

شیخ عبداللہ ”النور السافر“ کے مؤلف شیخ عبدالقادر عیدروسی کے والد تھے۔ آپ حضرموت میں ۹۱۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ میں حافظ ابن حجر ہیثمی کے مرکز حدیث سے وابستہ ہوئے اور ان سے استفادہ کرنے کے بعد سند حاصل کی۔ آپ نے عبدالرحمن الربیع سے بھی حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ جو حافظ سخاوی کے شاگرد تھے۔ اور مشکوٰۃ المصابیح کے شارح تھے۔ ۹۵۸ھ میں عبداللہ العیدروسی ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل کے حوالہ سے مشہور تھا۔ آپ کی قیام گاہ پر استفادہ کی غرض سے لوگ مسلسل آتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کا گھر تصوف اور علم حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ علماء، فقہاء اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت میں آ کر بیٹھنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ علماء کے ہاں آپ اتنے ہر دل عزیز اور محترم تھے کہ ۹۸۱ھ میں جب آپ نے امام غزالی کی احیاء العلوم اور ۹۸۵ھ میں صحیح بخاری کا درس ختم کیا تو شیخ عبدالمعطی جیسے بلند پایہ عالم نے آپ کی تعریف میں قصیدہ کہا۔ آپ کو خواص اور عوام دونوں طبقات میں مقبولیت حاصل تھی۔ ۹۹۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔

7.2 ابوالسعادات محمد الفاکہی الحسنبلی (م ۹۹۲ھ)

شیخ محمد الفاکہی نے حافظ ابن حجر ہیثمی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کے دوسرے شیوخ کی خدمت میں بھی رہے۔ علاوہ ازیں حضرموت اور زبید کے اساتذہ سے بھی آپ نے مصادر حدیث کا درس لیا۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ۹۵۷ھ میں ہجرت کر کے آپ احمد آباد آ گئے تھے۔ ۹۶۳ھ میں سورت منتقل ہو گئے۔ دونوں علاقوں میں آپ نے حدیث کی اشاعت کے لیے مجالس قائم کیں۔ ۹۹۲ھ میں سورت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

7.3 میر مرتضیٰ شریف شیرازی (م ۹۷۷ھ)

میر مرتضیٰ شریف، سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کے پوتے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ابن حجر عسقلانی سے حدیث کے بنیادی مصادر کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ مکہ مکرمہ سے آپ نے دکن کا سفر کیا اور پھر ۹۷۲ھ میں اکبر آباد (آگرہ) آ گئے۔ جہاں اکبر کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز کئے گئے۔ زندگی بھر آپ کا تعلق درس و تدریس سے رہا۔ ۹۷۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

7.4 میر کلاں محدث اکبر آبادی (م ۹۸۳ھ)

محمد سعید بن مولانا خولجہ، جو میر کلاں محدث اکبر آبادی کے نام سے معروف ہیں ۹۸۱ھ میں خراسان سے اکبر آباد آئے تھے۔ اکبر نے ان کو شہزادہ سلیم (شہنشاہ جہانگیر) کا استاد مقرر کیا۔ میر کلاں محدث، خراسان کے ایک مشہور ولی خولجہ کوہی کے پوتے تھے۔ انہوں نے شیراز میں نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین محدث سے علم حدیث حاصل کیا۔ ہندوستان آنے سے پہلے میر کلاں مکہ مکرمہ میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور اسی بناء پر وہ شیخ الحرم المکی کہلاتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) اور غفر بن جعفر نہروالی (م ۱۰۰۰ھ) نے آپ سے مشکوٰۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ ۹۸۳ھ میں اکبر آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

⑧ برصغیر میں مراکز حدیث کا ارتقاء

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کا آغاز اگرچہ ۸۲۰ھ میں ہو گیا تھا لیکن اس نے زیادہ ترقی نہیں کی اور نویں صدی ہجری میں محدثین کی بہت قلیل تعداد ترک وطن کر کے ہندوستان آئی تھی۔ یہ صورت حال ۸۸۶ھ میں حرین میں حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے قیام تک جاری رہی۔ اس کے بعد محدثین کی متواتر آمد کا دور شروع ہوا اور یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری کے آخر تک جاری رہا۔ علم حدیث کی اشاعت کا یہ دور جس کو برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء اور ترویج میں بہت اہمیت حاصل ہے تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱- ۸۸۶ تا ۸۲۰ھ یہ حافظ سخاوی سے پہلے کا دور ہے۔
- ۲- ۸۸۶ تا ۹۵۴ھ یہ حافظ سخاوی کا دور ہے۔
- ۳- ۹۵۴ تا ۹۹۲ھ یہ حافظ سخاوی کے بعد کا دور ہے۔

ذیل میں ان چند مراکز کا تذکرہ کیا جاتا ہے جہاں علم حدیث کی اشاعت مختلف انداز اور اسلوب سے ہوئی۔

8.1 دکن

حافظ سخاوی سے پہلے دور میں کئی محدثین دکن آئے تھے لیکن یہاں کے حالات چونکہ آنے والوں کے لیے ناسازگار ہو گئے تھے۔ اس لیے حافظ سخاوی کے دور میں مزید شیوخ یہاں نہیں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حافظ سخاوی کا دور دکن میں بہمنی سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا۔ یہ زوال ۸۸۶ھ میں محمود گادان کے قتل کئے جانے کا نتیجہ تھا۔ محمود گادان نہایت قابل، دیانت دار اور علم دوست وزیر تھا۔ اس کی نظر ریاست کے تمام عناصر پر تھی اس لیے ہر طبقہ کی سرگرمیوں کے بارے میں اس کے پاس معلومات ہوتی تھیں۔ وہ اپنے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر معاشرہ کے تمام عناصر کو قابو میں رکھتا تھا۔ لیکن اس کے بعد مختلف اطراف سے فتنے نمودار ہو گئے اور انتشار پھیل گیا۔ بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ بیجاپور میں عادل شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی، گول کنڈہ

میں قطب شاہی، برار میں عماد شاہی اور بیدر میں برید شاہی خاندانوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے پہلی تین سلطنتیں زیادہ طاقت ور تھیں اور ان کے حکمرانوں نے شیعہ مسلک اختیار کر کے اس کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ برار پر ۹۸۲ھ میں احمد نگر نے قبضہ کر لیا اور بیدر پر ۱۰۲۸ھ میں بیجاپور نے قبضہ کیا۔ اس طرح بہمنی سلطنت کے خاتمے سے دکن میں سنیوں کے عہد حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس علاقہ میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج کا کام رک گیا۔

حافظ سخاوی کے بعد کے دور میں جتنے شیوخ اور محدث بیرون ہندوستان سے آئے وہ احوال و ظروف کی وجہ سے دکن کے بجائے گجرات اور شمالی ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس طرح سندھ میں علم حدیث کی تاریخ دکن میں بھی دہرائی گئی۔ اس فرق کے ساتھ کہ سندھ میں سنیوں کا عہد حکومت اڑھائی سو برس سے زیادہ مدت تک رہا اور یہاں محدثین کی ایک بڑی جماعت کو تیار ہونے کا موقع مل سکا۔ لیکن دکن میں سنیوں کی حکومت کا زمانہ صرف ڈیڑھ سو سال کا ہے اس لیے یہاں علم حدیث کی اشاعت و ترقی کے لیے اتنا کام نہ کیا جاسکا جتنا سندھ میں ہوا۔

دکن میں سلطان محمود شاہ اول (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) پہلا ہندوستانی حکمران تھا جس نے محدثین کی سرپرستی کی۔ اس نے محدثین کے لیے علم حدیث پر کام کرنے کی سہولتیں فراہم کیں چنانچہ گلبرگ، بیدار، دولت آباد، آملہ پور، جیول اور ذابل جیسے بڑے شہر محدثین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ سلطان محمود کے جانشین فیروز شاہ (۸۰۷ھ تا ۸۲۵ھ) کے عہد میں گلبرگہ علمائے حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ سلطان احمد شاہ اول (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) سید محمد گیسو دراز کا بہت عقیدت مند مرید تھا اور سنت رسول ﷺ کی سختی سے پابندی کرنے کی وجہ سے لوگ انہیں ولی بہمنی کہتے تھے۔ احمد شاہ کو فقہ اور علم الکلام کے علاوہ علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔ ۸۸۷ھ میں شیخ ابوسعید حسین نے بیدر میں مشکوٰۃ المصابیح کی ایک کاپی تیار کی تھی۔ جو سلطان محمود دوم (۸۸۷ھ تا ۹۲۳ھ) کو اس کی تحت نشینی کے موقع پر پیش کی تھی۔ حافظ سخاوی سے پہلے کے دور میں جو معروف محدثین ہندوستان آئے تھے ان میں سے چار شیوخ نے دکن میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہمنی سلاطین نے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ شیخ دامینی اور شیخ ابن فہد گجرات کو چھوڑ کر دکن چلے گئے تھے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بہمنی

سلاطین، مظفر شاہی سلاطین سے بھی زیادہ محدثین کی سرپرستی کرتے تھے۔ یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ اگر ہمہنی خاندان کچھ اور عرصہ تک حکمران رہتا تو دکن میں علم حدیث کی تاریخ اور زیادہ شاندار ہوتی۔

8.2 گجرات

یہ بات بالکل درست ہے کہ ۸۱۸ھ میں علم حدیث کے سرپرستوں کی حیثیت سے مظفر شاہی خاندان کے حکمرانوں کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ زبید میں شیخ دامینی نے اپنی شرح صحیح بخاری کو احمد شاہ اول (۸۱۴ھ تا ۸۴۳ھ) کے نام منسوب کیا۔ تاہم حافظ سخاوی سے پہلے کے دور میں گجرات میں حدیث کی تعلیم کو کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ اس دور میں علماء ساری توجہ عربی ادب کی اشاعت اور تعلیم پر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ دامینی نے محدث ہونے کے باوجود عربی صرف و نحو میں کئی مستند کتابوں کی شروح لکھیں۔ حافظ سخاوی کے دور کی ابتداء میں جب دکن میں سنیوں کی حکومت ختم ہو گئی تو سلطان محمود بیگلر (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کی فیاضی اور قدردانی کی وجہ سے گجرات نہ صرف بیرون ہند سے آنے والے محدثین بلکہ ہمسایہ شیعہ سلطنتوں میں رہنے والے محدثین کے لیے بھی مرجع بن گیا۔ شیخ وجیہ الدین مالکی کو ملک الحدیثین کا خطاب دے کر سلطان محمود نے اعلانیہ طور پر یہ تسلیم کر لیا کہ محدثین بھی اس کی ریاست کا ایک معزز اور محترم طبقہ ہیں۔ اس کے بعد احمد آباد، کھسبایت، مہاتم، سورت اور نہروالا جیسے مختلف مراکز میں حدیث کی تعلیم کو ترقی ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ حدیث کی مستند کتابیں گجرات میں منگوالی گئیں۔ سلطان محمود کا جانشین مظفر شاہ دوم خود بھی محدث تھا اور اس نے فتح الباری کا ایک نسخہ پیش کرنے کے صلہ میں مخاطب علی خان کو بروج کی جاگیر عطا کر دی تھی جس سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ سلطان کے دل میں حدیث رسول ﷺ کی کتنی زیادہ قدر و منزلت تھی۔

گجرات میں علم حدیث کی اشاعت میں احوال و ظروف کی وجہ سے رکاوٹیں بھی ہوتی رہیں۔ سلطان بہادر شاہ (۹۳۲ھ تا ۹۴۳ھ) کے عہد حکومت میں مغل شہنشاہ ہمایوں نے ۹۴۱-۹۴۲ھ میں گجرات پر فوج کشی کی جو تیرہ ماہ تک جاری رہی اور اس حملے کی وجہ سے شیخ علی متقی برہانپوری (م ۹۷۵ھ) اور شیخ عبداللہ سندھی (م ۹۹۳ھ) جیسے کئی ممتاز محدث ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ تاہم شیخ عبدالاول حسین (۹۶۸ھ) نے گجرات کو نہیں چھوڑا اور احمد آباد میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہے۔ سلطان محمود سوم (۹۴۴ھ تا ۹۶۱ھ)

کی فیاضی اور سرپرستی کی وجہ سے حجاز سے آنے والے کئی محدثین گجرات میں آباد ہو گئے۔ سلطان محمود کی دعوت پر ہی شیخ علی متقی نے دومرتبہ احمد آباد میں مختصر قیام کر کے حدیث کا درس دیا۔ اس کے علاوہ سلطان محمود نے حرین کے علماء کو وظائف دے کر ان کی مدد کی اور مکہ مکرمہ میں حدیث کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بھی تعمیر کروایا۔ ۹۶۱ھ میں سلطان محمود اور اس کے دانشور وزیر آصف خان کے قتل کے بعد مظفر شاہی سلطنت بتدریج زوال پذیر ہو گئی اور آخر کار ۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر نے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ علم حدیث کی ترقی اور اشاعت کو مظفر شاہی خاندان کے خاتمے سے شدید نقصان پہنچا۔ اور گجرات میں اشاعت حدیث کے لیے محدثین کی سرگرمیاں اتنی سرد پڑ گئیں کہ دسویں صدی ہجری کے بعد گجرات میں ممتاز محدثین کے نام بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔

8.3 مالوہ

مالوہ کا دار السلطنت شادی آباد، مانڈو محمود خلیفی (۸۳۹ھ تا ۸۷۴ھ) کے عہد حکومت میں، جو علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا۔ حافظ سخاوی کے کئی شاگرد یہاں آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ ان میں شیخ الحدیث سعد اللہ مانڈوی (م ۹۰۲ھ) اور مولانا علیم الدین مانڈوی کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ محمود خلیفی کو علم حدیث سے جو محبت، ارادت اور عقیدت تھی اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ اس نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ قائم کر کے حدیث کا درس دینے کے لیے شمس الدین محدث بخاری کو مقرر کیا۔

www.kitabosunnat.com

8.4 خاندیش

برہان پور خاندیش کے فاروقی حکمرانوں کا دار السلطنت تھا اس کا بانی نصیر خان فاروقی تھا جس نے ریاست کو علمی دنیا میں ایک اونچے درجہ پر پہنچا دیا۔ برہانپور میں اس کا قائم کردہ مدرسہ دوسو برس تک بہت کامیابی سے جاری رہا اور علم حدیث کی اشاعت میں بھی اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔

8.5 سندھ

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مخدوم عبدالعزیز ابہری نے سندھ میں حدیث کی تعلیم کا اجراء کیا۔ مخدوم عبدالعزیز ایک ممتاز محدث تھے جو ایران میں صفوی حکمرانوں کے رویہ سے تنگ آ کر ۹۱۸ھ میں ہرات

سے ہجرت کر کے کاہان کے علاقہ میں آباد ہو گئے تھے جو اس وقت سندھ میں تھا (اب بلوچستان میں شامل ہے)۔ ہندوستان آنے سے پہلے شیخ عبدالعزیز ابہری ہرات میں مدرسہ مرزا عرفی، مدرسہ سلطانیہ اور خانقاہ اخلاصیہ میں استاد تھے۔ آپ نے شہزادہ نظام الدین علی شیر (م ۹۰۶ھ) کے ایماء پر، جو ہرات میں علم و ادب کا سرپرست تھا مشکوٰۃ المصابیح کی ایک شرح ”منہاج المشکاۃ“ کے نام سے تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ عبدالعزیز کاہان میں دس سال تک حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ ۹۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے دو بیٹے امیر الدین اور محمد بھی اہل علم و فضل تھے۔ انہوں نے اپنے والد کے سلسلہ کو جاری رکھا اور اسلامی علوم کی اشاعت میں مصروف رہے۔

8.6 لاہور

مولانا مفتی محمد (م ۱۰۰۰ھ) کی سرگرمیوں کے باعث لاہور علم حدیث کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ مفتی محمد شہر کے ایک ممتاز ترین عالم تھے۔ آپ نے لاہور شہر میں اپنا حلقہ قائم کیا۔ طویل عرصہ تک صحیح بخاری اور مشکوٰۃ المصابیح کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں بڑے بڑے علماء بھی شامل ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ درس کے اختتام پر حاضرین کی خاطر مدارت کرتے تھے۔

8.7 جھانسی اور کالپی

بغداد کے ایک محدث سید محمد ابراہیم دسویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے پہلے جھانسی میں اور پھر کالپی میں، جو دریائے جمن کے کنارے واقع ہے علم حدیث کی تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آپ کا درس سننے کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ مخدوم نظام الدین بھکاری (م ۹۸۱ھ) کا کور سے جو لکھنؤ سے بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر شمالی سمت میں واقع ہے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے جھانسی آتے تھے۔ شیخ محمد ابراہیم، معالم التنزیل، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد اور جامع الاصول کا درس دیا کرتے تھے۔

8.8 آگرہ

دسویں صدی ہجری میں آگرہ میں علم حدیث کی اشاعت و ترویج کے لیے تین مراکز قائم ہو گئے تھے۔

- (۱) مدرسہ رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ)
- (۲) مدرسہ حاجی ابراہیم محدث اکبر آبادی (م ۱۰۱۰ھ)
- (۳) مدرسہ سید شاہ میر (م ۱۰۰۰ھ)

آگرہ کے عین وسط میں شیخ رفیع الدین صفوی کا مکان واقع تھا جو علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ اسی مدرسہ میں رفیع الدین صفوی کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابوالفتح خراسانی تھانیسری (م ۱۰۰۴ھ) پچاس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ منتخب التواریخ کے مؤلف عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) اور کمال الدین حسین شیرازی جیسے نامور اور معروف علماء اس مرکز سے مستفید ہوئے۔

حاجی ابراہیم محدث اکبر آبادی نے حدیث کی تعلیم حجاز میں حاصل کی تھی اور آگرہ میں درس حدیث کے لیے اپنا حلقہ قائم کیا تھا۔ آپ کی شخصیت اور احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جلال الدین اکبر کے دربار میں درباری آداب و رسوم بجالانے سے آپ نے انکار کر دیا تھا۔ آپ جہاں خواص میں مقبول تھے وہاں عوام میں بھی آپ کو بے پناہ پذیرائی حاصل تھی۔

شاہ میر کا مدرسہ، شیخ بہاء الدین مفتی کے محلہ میں دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ سید شاہ میر صفوی کے بھتیجے تھے آپ مشارق الانوار کا درس دیتے تھے۔

8.9 لکھنؤ

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ کے ایک محدث شیخ ضیاء الدین کی آمد سے لکھنؤ میں علم حدیث کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔ شیخ ضیاء الدین اپنے شاگردوں کو چار سال تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مخدوم بھکاری کا کوردی بھی شامل تھے جنہوں نے آپ سے صحیح بخاری اور جامع الاصول کا درس لیا تھا۔ شیخ ضیاء الدین اپنی وفات تک کا کوردی میں رہے۔ دسویں صدی کے آخر میں آپ کا انتقال ہوا۔

8.10 جون پور

شرقی سلاطین کا دار السلطنت جون پور ایک مشہور و معروف علمی شہر بن گیا تھا اور اپنے عروج کے دور میں

اس کی شہرت دہلی سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ یہاں مختلف علوم و فنون کا رواج تھا لیکن حدیث کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ برائے نام تھا۔ دسویں صدی ہجری تک یہاں کوئی قابل ذکر محدث کا نام تاریخ میں نہیں ملتا تھا۔ البتہ دسویں صدی کے بعد بعض علماء کے نام کے ساتھ محدث کا لقب ملتا ہے۔ مہذب الدین جوینوری ان حضرات میں سے ہیں جن کا نام حافظ سخاوی کے شاگردوں کی فہرست میں ملتا ہے۔

8.11 بہار

نویں صدی ہجری کے اختتام تک ”منیر“ کے صوفیہ بہار میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج میں مصروف رہے۔ اس کے بعد ”پھلواڑی“ علم حدیث کا مرکز بن گیا۔ اگرچہ شرف الدین منیری کے ایک مرید سید منہاج الدین راستی نے آٹھویں صدی ہجری میں خانقاہ پھلواڑی میں حدیث کی تعلیم کا آغاز کر دیا تھا لیکن اسے یہاں دسویں صدی ہجری میں سید یاسین کی آمد تک کوئی قابل لحاظ ترقی نہیں ہوئی تھی۔ سید یاسین، رفیع الدین صفوی کے بھتیجے تھے اور گجرات میں وجیہ الدین علوی (م ۹۰۰ھ) اور حجاز کے چند ممتاز محدثین سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سید یاسین کی محنت سے یہ خانقاہ حدیث کی تعلیم و اشاعت کا ایک مرکز بن گئی جس کا اظہار اس سند سے ہوتا ہے جو سید یاسین نے شیخ عتیق بن عبد السمیع کو دی تھی۔ جس میں مسلسل تین واسطے محدثین پھلواڑی یعنی عبدالمقتدر، ان کے والد عبدالباقی اور عبد الرزاق کے نام درج ہیں۔ ان میں سے عبدالباقی اور عبد الرزاق کو علم حدیث پر زبردست عبور حاصل ہونے کی وجہ سے ”شیخ الوقت“ اور ”حافظ الوقت“ کا لقب دیا گیا تھا اور شیخ عتیق خود بھی نور الحق بن عبدالحق دہلوی کے شاگرد تھے۔

8.12 بنگال

بنگال کا بادشاہ علاء الدین حسین شاہ بن سید اشرف الہکی (۹۰۵ھ تا ۹۲۳ھ) بنگالی زبان و ادب اور علوم و فنون کا اولین سرپرست قرار دیا گیا ہے۔ اس بادشاہ کی وجہ سے بنگال میں تفسیر، حدیث اور فقہ کو ترقی ہوئی۔ ۹۰۵ھ میں بنگال کا بادشاہ ہونے کے بعد حسین شاہ نے دور و نزدیک کے علماء کو بنگال آنے اور یہاں سکونت پذیر ہونے کی دعوت دی اور ان کی سرپرستی کرنا شروع کی۔ رمضان ۹۰۷ھ کو اس نے غور میں بمقام غزہ شہید دینی علوم کی تعلیم کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اس نے پانڈوہ (ضلع مالہہ) میں بھی ایک مشہور ولی نور

قطب عالم کی یادگار کے طور پر ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے زمین وقف کر دی تھی۔ ان مدارس میں علم حدیث نصاب تعلیم کا لازمی حصہ تھا جس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ دارالسلطنت اکدلا میں حدیث کے بہت سارے عالم موجود تھے۔ اور صحیح بخاری کے نسخے متداول تھے۔ علم حدیث کی حوصلہ افزائی کرنے میں حسین شاہ اپنے ہم عصر سلاطین گجرات کا ہم پایہ تھا۔ اس کے ایماء پر محمد بن یزدان بخش نے جو خواجگی شروانی کے نام سے مشہور ہیں، اکدلا کے شاہی خزانہ کے لیے ۹۱۱ھ میں صحیح بخاری کو تین جلدوں میں نقل کیا تھا جو کتب خانہ بانگی پورہ میں موجود ہے۔

8.13 سنارگاؤں

حنبل فقیہ ابو تومہ (م ۷۰۰ھ) کی وجہ سے سنارگاؤں سادات کے عہد حکومت (۹۰۰ھ تا ۹۴۵ھ) میں ایک علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔ مشرقی بنگال کا مرکز ہونے کے باعث سنارگاؤں ایک خوشحال شہر تھا جہاں اسلامی مدارس اور علماء موجود تھے۔ یہاں کے مدارس میں جو نصاب تعلیم رائج تھا اس میں حدیث شامل تھی۔ حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا رواج تھا۔ علماء کے القاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والے علماء کو باقی علماء کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

خود آزمائی ②

- (۱) شیخ زکریا انصاری نے علم حدیث کی ترویج کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کا ایک خاکہ پیش کیجئے۔
 - (۲) عبدالمطی، شہاب الدین عباسی اور ابن حجر ہیثمی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان کی حیات و خدمات پر ایک نوٹ تحریر کریں۔
 - (۳) شیخ عبید اللہ العیدوسی، محمد الفاکی، میر مرتضی شیرازی اور میر کلاں محدث اکبر آبادی کے احوال و آثار پر ایک شذرہ قلم بند کیجئے۔
 - (۴) برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء سے کیا مراد ہے؟ بحث کیجئے۔
 - (۵) مندرجہ ذیل علاقوں میں جو مراکز حدیث قائم ہوئے ان پر تبصرہ کیجئے:
- گجرات، سندھ، لاہور، آگرہ، لکھنؤ، بہار۔

فہرست مصادر و مراجع

- ۱- اخبار الاخبار مؤلف عبدالحق دہلوی
- ۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحی حسنی
- ۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی
- ۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
- ۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد
- ۶- فوائد الفوائد اردو ترجمہ: غلام احمد
- ۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
- ۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
- ۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
- ۱۰- ایجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
- ۱۱- المحلۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
- ۱۲- معارف العوارف از عبدالحی حسن
- ۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
- ۱۴- یاد ایام از عبدالحی حسنی
- ۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
- ۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
- ۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
- ۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
- ۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی

- ۲۰۔ منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
- ۲۱۔ عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی
- ۲۲۔ عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی
- ۲۳۔ حیات شبلی از سید سلمان ندوی
- ۲۴۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر 12

برصغیر میں علم حدیث ③

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

379	یونٹ کا تعارف
380	یونٹ کے اغراض و مقاصد
381	① برصغیر میں علم حدیث
382	1.1 شیخ علی متقی ہندی
382	1.2 عبدالوہاب متقی
383	1.3 شیخ محمد طاہر تینی
384	1.4 شیخ بہلول دہلوی
384	1.5 شیخ عبدالنبی گنگوہی
385	1.6 ملا علی القاری
385	1.7 شیخ عبدالحق محدث دہلوی
389	② شیخ احمد سرہندی
391	2.1 شیخ سعید بن شیخ احمد سرہندی
391	2.2 فرخ شاہ بن شیخ سعید
391	2.3 سراج احمد مجددی
392	2.4 شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندی
392	2.5 خواجہ سیف الدین سرہندی

- 393 2.6 خواجہ اعظم سرہندی
- 393 2.7 شاہ ابوسعید مجددی
- 393 2.8 شاہ عبدالغنی مجددی
- 395 ③ محمد صدیق بن شریف
- 395 3.1 شیخ حسین الحسینی ہروی
- 395 3.2 سید جعفر بدر عالم
- 396 3.3 محبوب عالم بن جعفر بدر عالم
- 396 3.4 شیخ یعقوب لاہوری
- 397 3.5 مولانا نعیم جونپوری
- 397 3.6 شیخ محمد اکرم حنفی
- 397 3.7 شیخ یحییٰ بن امین الہ آبادی
- 398 3.8 شاہ محمد فاخر الہ آبادی
- 399 3.9 مولانا امین الدین جونپوری
- 399 3.10 مولانا نور الدین احمد آبادی
- 399 3.11 مرزا محمد بدخشی
- 401 3.12 مرزا جان برکی
- 401 3.13 محمد صادق لاہوری

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ”برصغیر میں علم حدیث“ سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پہنچنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لیے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇨ شیخ علی متقی ہندی کی ان خدمات پر گفتگو کر سکیں۔ جو انہوں نے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کے لیے انجام دیں۔
 - ⇨ ملا علی قاری کی تالیفات و آثار کی اہمیت پر روشنی ڈال سکیں۔
 - ⇨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی علمی جدوجہد اور ان کے تلامذہ کی مساعی پر تبصرہ کر سکیں۔
 - ⇨ شیخ احمد سرہندی اور ان کے خاندان کی خدمات اور اثرات و نتائج پر بحث کر سکیں۔
 - ⇨ شاہ عبدالغنی مجددی، شیخ یعقوب لاہوری اور شیخ یحییٰ آلہ آبادی کی حیات و خدمات بیان کر سکیں۔

③ برصغیر میں علم حدیث ③

جلال الدین اکبر کے ابتدائی دور میں جب بیرم خان کا امور سلطنت میں بڑی حد تک عمل دخل تھا اس نے علوم و فنون کے دوسرے مشاہیر کے ساتھ علماء حدیث کو بھی گجرات سے دلی اور آگرہ آنے کی دعوت دی۔ ان میں سب سے پہلے میر سید عبدالاول جو پنپوری کو پورے اصرار کے ساتھ گجرات سے دلی بلوایا۔ آپ یہاں حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میر سید عبدالاول جو پنپوری کے شاگردوں میں ایک اہم شخصیت شیخ طیب محدث سندھی کی ہے جنہوں نے گجرات کے قیام کے دور میں شیخ جو پنپوری سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ طیب محدث نے پچاس برس تک ایچ پور اور برہانپور میں بیٹھ کر علم حدیث کی خدمت کی۔

حافظ ابن حجر مکی کے شاگردوں میں شیخ یعقوب صرنی کشمیری بھی ہیں۔ آپ ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ کی کتب مولانا شاہ محمدانی سے پڑھیں اور حدیث کی سند حافظ ابن حجر بیہقی سے حاصل کی۔ تفسیر قرآن کے علاوہ شرح صحیح بخاری اور مغازی النبوة کے نام سے آپ نے کتابیں لکھیں۔ اس دور میں ملا محمد شگرف محدث کشمیری بھی حرمین جا کر حافظ ابن حجر مکی کے حلقہ میں شامل ہوئے۔ واپس آ کر آپ نے اپنا حلقہ قائم کیا اور کشمیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ کشمیر کے ایک اور مشہور و معروف محدث حاجی محمد ہیں۔ آپ کے آباء و اجداد ہمدان کے تھے اور سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ حاجی محمد کی ایک فارسی تالیف شرح شمائل ترمذی ہے۔ اس تالیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ چند بار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور حافظ ابن حجر مکی اور میر جمال الدین محدث کے شاگرد مولانا محمد صادق محدث کے تلمذ سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۰۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا عبدالرحمن محدث سرہندی کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ آپ شیخ مجدد الف ثانی کے شیخ ہیں۔ شیخ مجدد نے حدیث کی کتب آپ سے پڑھیں۔

1.1 شیخ علی المتقی الہندی

دسویں صدی ہجری کے وسط میں برصغیر میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے پورے ہندوستان کے اطراف و اکناف کو متاثر کیا اور علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ایسی خدمات انجام دیں کہ عرب و عجم کے علماء نے ان کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ہر نوع کی پذیرائی سے نوازا۔ یہ شخصیت شیخ علی المتقی الہندی کی ہے۔ شیخ علی متقی کا آبائی علاقہ جونپور تھا۔ آپ برہان پور دکن میں ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں شیخ باجن برہانپوری سے بیعت کی۔ عالم شباب میں متلان جا کر شیخ حسام الدین متقی سے استفادہ کیا۔ اپنے مرشد اور مربی کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ کا میلان حجاز کی طرف ہوا۔ ۹۵۲ھ میں آپ نے حرمین کی طرف سفر شروع کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ شیخ علی متقی نے حجاز پہنچ کر وہاں کے شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کرنا شروع کیا۔ ان شیوخ میں حافظ ابن حجر مکی، شیخ ابوالحسن بکری اور محمد بن محمد سخاوی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ علی متقی نے چند ہی سال میں اپنی فطری استعداد، روحانی ذوق اور توفیق خداوندی سے یہ مرتبہ حاصل کر لیا کہ استاد شاگرد اور شاگرد استاد کے مرتبہ میں آ گئے۔ اس دوران میں آپ نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک آپ نے حدیث کی روایات کو جمع کیا اور ”کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال“ کے نام سے اپنی مشہور تالیف مرتب کی۔ جو حدیث کی روایات کا انسائیکلو پیڈیا ہے اور علماء و طلبہ کے حلقوں میں مقبول و متداول ہے۔

شیخ علی متقی حجاز جانے کے بعد دو مرتبہ ہندوستان (گجرات) آئے اور سلطان محمود گجراتی نے یہ قدر دانی کہہ کہ اپنی پوری سلطنت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ آپ کے مدرسہ اور طلبہ کے لیے خطیر رقم کے وظائف مقرر کئے۔ ۹۷۵ھ میں پچانوے برس کی عمر میں شیخ کا انتقال ہوا۔ شیخ علی متقی کے حلقہ سے بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے جن کو بہت زیادہ شہرت ملی ان میں شیخ عبدالوہاب متقی مانڈوی برہانپوری، شیخ محمد طاہر پٹنی (احمد آباد)، شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری، شیخ عبداللہ، شیخ سعد اللہ سندھی اور شیخ برخوردار سندھی زیادہ نمایاں ہیں۔

1.2 عبدالوہاب متقی

شیخ عبدالوہاب متقی مانڈو (مالوہ) کے رہنے والے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ بیس برس تک

گجرات اور دکن کے علمی حلقوں سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد حجاز کا سفر کیا۔ ۹۶۳ھ میں شیخ علی متقی کے حلقہ درس کے ساتھ منسلک ہو گئے اور شیخ کی وفات تک بارہ برس مسلسل شیخ کے ہمراہ رہے۔ شیخ علی متقی کے مسودات کی کتابت آپ کے ذمہ تھی۔ شیخ کے ساتھ اتنی طویل رفاقت کی وجہ سے آپ کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا ملکہ حاصل ہوا۔ آپ کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ شیخ کے انتقال کے بعد حرین، مصر و شام اور یمن کے علماء نے آپ کو شیخ کا جانشین تسلیم کیا۔ شیخ عبد الوہاب متقی حجاز جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ ہندوستان آئے۔ اور پھر اسی سال واپس چلے گئے۔ ۱۰۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ آپ کے حلقہ میں ”صحاح ستہ“ التزام اور اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔

1.3 شیخ محمد طاہر پٹنی

شیخ محمد بن طاہر پٹن کے رہنے والے تھے جو احمد آباد (گجرات) کے قریب واقع ہے۔ اس علاقہ کی طرف منسوب ہو کر آپ پٹنی کہلاتے ہیں۔ آپ شیخ علی متقی کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک لغت حدیث میں ”مجمع البحار“ اور دوسری رجال میں ”المغنی“۔ ان دونوں کتابوں میں اپنے شیخ کا جس ولولہ شوق اور غلبہ محبت کے ساتھ آپ نے ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاگرد کے دل میں شیخ کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ مجمع البحار گویا ظاہر احادیث کی ڈکشنری ہے لیکن علمائے حدیث کے اعتراف کے مطابق یہ کتاب درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ ”مذکرۃ الموضوعات“ اور ”قانون الموضوعات“ بھی آپ کی اہم تالیفات ہیں۔ حجاز سے واپس آ کر آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ۹۸۶ھ میں اجین کے قریب قصبہ سارنگ پور میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

شیخ علی متقی کے شاگردوں میں شیخ عبد اللہ بن سعد الدین اور شیخ رحمت اللہ بن عبد اللہ، دونوں کا تعلق سندھ سے تھا۔ ان کے بزرگ ندینہ منورہ ہجرت کر کے گئے تھے۔ شیخ علی متقی کے شاگردان خاص اور خلفاء حجاز میں سے تھے۔ ۹۷۷ھ میں ہندوستان آئے اور احمد آباد (گجرات) میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انہوں نے اپنا حلقہ قائم کیا اور بہت بڑی تعداد میں طلبہ حدیث نے ان سے استفادہ کیا۔ بڑھاپے میں حجاز واپس گئے اور وہیں

وفات پائی۔ شیخ رحمت اللہ کے بھائی شیخ حمید سندھی تھے جو تفسیر اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے حجاز گئے اور وہیں اپنا حلقہ قائم کیا۔ شیخ برخوردار سندھی نے بھی حجاز میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے ان سے استفادہ کیا۔ شاہ محمد بن فضل اللہ کا آبائی علاقہ جو پور تھا۔ آپ احمد آباد، گجرات میں پیدا ہوئے جوان ہوئے تو حجاز چلے گئے۔ تقریباً بارہ سال تک شیخ علی متقی کے حلقہ درس میں داخل رہے۔ پھر ہندوستان واپس آ کر برہان پور میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کا مرکز قائم کیا۔ اتباع سنت میں ایسے کامل تھے کہ ”نائب رسول اللہ“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے قائم کردہ مرکز میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے مصادر پڑھائے جاتے تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

1.4 شیخ بہلول دہلوی

شیخ عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ جب گجرات میں تھے تو شیخ بہلول دہلوی گجرات جا کر ان کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے۔ ان دونوں شیوخ سے آپ نے حدیث میں استفادہ کیا۔ دلی واپس آئے تو طلبہ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ملا بدایونی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں آپ نے خوب استفادہ کیا تھا۔ آپ اہل دنیا سے دور رہتے تھے اور طلبہ کے ہجوم میں رہتے تھے۔ (بدایونی: ج ۳، ص ۱۱۲)

1.5 شیخ عبدالنبی گنگوہی

شیخ عبدالنبی گنگوہی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے ہیں۔ جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں پورے ہندوستان کے صدر الصدور (شیخ الاسلام) تھے۔ ابتدا میں سارا میلان تصوف کی طرف تھا۔ بعد میں جب حجاز گئے اور حدیث کے حلقوں میں شریک ہو گئے تو رجحان حدیث کی طرف ہو گیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کئی بار گئے۔ وہاں آپ نے حدیث کے شیوخ اور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ واپس آئے تو آباء و اجداد کی روش چھوڑ دی اور علماء حدیث کا مسلک اختیار کر لیا۔“ (بدایونی: ج ۳، ص ۱۸۰)

اکبر، شیخ عبدالنبی کا اس درجہ ادب کرتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ دربار کے جاہ پرست اور نام نہاد علماء نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیضی اور ابوالفضل نے دربار اکبری پر قبضہ کر لیا۔

1.6 ملا علی قاری

ملا علی قاری اگرچہ ہرات کے رہنے والے تھے لیکن اس دور میں ہرات تیموری سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ ملا علی قاری نے زیادہ تر استفادہ ہندوستان کے شیوخ اور اساتذہ سے کیا۔ اور ان کے علمی کام کو شہرت اور پذیرائی بھی ہندوستان میں ملی۔ آپ کے والد کا نام سلطان محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم ہرات میں حاصل کی۔ مشکوٰۃ المصابیح مولانا میر کلاں محدث سے پڑھی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور ابوالحسن بکری، سید زکریا حسینی، حافظ ابن حجر مکی، شیخ عبداللہ سندھی، قطب الدین نہروالی (گجرات) سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح شفاء لقاضی عیاض، شرح شمائل ترمذی، شرح نخبۃ الفکر، شرح ثلاثیات بخاری، تخریج احادیث، شرح حصن حصین، شرح اربعین نووی، شرح موطا امام محمد، المصنوع فی معرفۃ المصنوع اور تذکرۃ الموضوعات جیسی شاہکار کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں۔

1.7 شیخ عبدالحق محدث دہلوی

جلال الدین اکبر کے آخری عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شخصیت نمایاں ہو گئی۔ مولانا عبدالحق کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سر بہر خزانہ کو وقف عام کیا۔ اور اپنی عالمانہ تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ سے علماء ظاہر و باطن دونوں کے حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی نسلاً ترک تھے۔ ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور شیخ عبدالوہاب متقی کے حلقہ درس سے وابستہ ہو گئے۔ شیخ عبدالوہاب کے ہاں رہ کر آپ نے صحاح ستہ پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ تکمیل کے بعد آپ نے شیخ عبدالوہاب متقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اپنے شیخ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ”اخبار الاخیار“ کے صفحات سے ہو سکتا ہے۔ شیخ عبدالحق نے ہندوستان آ کر دلی میں اقامت اختیار کی اور تقریباً سو سے زیادہ کتابیں تالیف کیں جن میں سے مشکوٰۃ کی مشہور عربی شرح ”لمعات“ اور فارسی شرح ”اشعۃ اللمعات“ ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں ”مدارج النبوة“ تالیف کی اور فیروز آبادی کی ”سفر السعادة“ کی شرح لکھی۔ ۱۵۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

عالگیر کے عہد حکومت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قابل اور لائق بیٹوں اور شاگردوں کا ایک بابرکت سلسلہ پیدا ہوا۔ جس نے شیخ کے فیض کو جاری کیا۔ شیخ عبدالحق کے فرزند مولانا نورالحق محدث دہلوی نے والد کی علمی وراثت حاصل کی۔ آپ نے اپنے والد ہی سے حدیث میں استفادہ کیا اور ساری زندگی حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی۔ آپ نے خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی سلسلہ بھی جاری رکھا۔ صحیح بخاری کی فارسی میں ”تیسیر القاری“ کے نام سے ایک ضخیم شرح لکھی جو ۱۳۰۲ھ میں مطبع علوی لکھنؤ سے چھپ چکی ہے۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی شرح بھی لکھی جو پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں موجود ہے۔ صحیح مسلم کی شرح شروع کی تھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔ شہاب الدین شاہ جہان کے عہد میں آگرہ کے قاضی تھے۔ ۱۷۰۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ نورالحق محدث دہلوی کے ایک صاحبزادے شیخ حافظ فخر الدین ہیں۔ آپ اپنے والد کے جانشین رہے اور والد کا علمی ترکہ آپ نے حاصل کیا۔ فارسی میں اپنے والد کی ناتمام شرح ”منبع العلم“ کی تکمیل کی۔ یہ شرح پٹنہ لاہوری میں موجود ہے۔ حافظ فخر الدین کے بیٹے شیخ الاسلام ہیں جو محمد شاہ کے عہد حکومت میں تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی فارسی زبان میں شرح مرتب کی۔ اس شرح کا نام ”تیسیر القاری“ ہے۔ شیخ الاسلام کے بیٹے کا نام صاحبزادہ سلام اللہ ہے۔ آپ نے اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ پہلے دلی میں تھے پھر رام پور چلے آئے اور محدث رام پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی شرح ”مختلّی“ مرتب کی۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اصول حدیث پر عربی میں ایک کتابچہ لکھا۔ آپ کا انتقال ۱۲۲۹ھ میں ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ایک ممتاز شاگرد خواجہ خاوند معین الدین ہیں جو خواجہ خاوند محمود کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر تفسیر، حدیث اور علوم عقلیہ میں کمال حاصل کیا۔ ”کتاب رضوان“ آپ کی مشہور تالیف ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء: ص ۶۳۳ھ)

شیخ محدث دہلوی کے ایک اور معروف شاگرد ملا حیدر کشمیری ہیں۔ آپ نے ملا جوہر ناتھ محدث اور بابا قطب الدین سے کشمیر میں رہ کر استفادہ کیا۔ پھر دہلی آ کر شیخ دہلوی کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے اور تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول فقہ میں مہارت حاصل کی۔ دہلی سے واپس جا کر کشمیر میں آپ نے اپنا مرکز قائم کیا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تاریخ علمائے ہند: ص ۵۴)

ملا حیدر کشمیری کے نامور شاگرد بابا داؤد مشکوٹی ہیں۔ آپ کو مشکوٰۃ المصابیح کی ساری احادیث زبانی یاد تھیں اس لیے ”مشکوٹی“ کہلائے۔ ۱۰۹۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے شیخ نورالحق دہلوی کے مرکز حدیث کے ایک نامور فاضل میر سید مبارک محدث بگرامی ہیں۔ آپ نے شیخ کے گھر میں رہ کر اور ان کے حلقہ درس میں بیٹھ کر علم حدیث میں وہ کمال پیدا کیا کہ آزاد بگرامی نے آپ کو قطب الحدیث کا لقب دیا۔

۱۰۶۳ھ میں آپ نے سند فراغت حاصل کی اور ساری زندگی حدیث کی تدریس اور ترویج میں گزاری۔ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا۔ بڑے بڑے امراء اور حکام بھی آپ کے احترام میں خاموش رہتے تھے۔ ۱۱۱۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (مآثر الکرام: ج ۱، ص ۹۴)

میر سید تبارک کے شاگردوں میں میر عبد الجلیل بگرامی کو علماء اور طلبہ کے ہاں شہرت حاصل ہوئی۔ اور نگزیب عالمگیر کے عہد حکومت میں آپ کی شہرت اور مقبولیت کا آغاز ہوا اور محمد شاہ کے دور تک مسلسل اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ بھکر (سندھ) میں رہتے ہوئے آپ نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔ ۱۱۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ میر عبد الجلیل بگرامی کے آغوش تربیت میں علامہ غلام علی آزاد بگرامی نے

پرورش پائی۔ آپ نے اپنے نانا عبدالجلیل بگرامی سے حدیث و سیر میں بھرپور استفادہ کیا اور علوم عقلیہ میں بھی کمال حاصل کیا۔

۱۱۵۱ھ میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ اور مولانا حیات سندھی سے صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپ نے صحیح بخاری کی ایک نام تمام شرح ”ضوء الدراری“ کے نام سے تالیف کی۔ مولانا آزاد بگرامی نے ۱۱۵۱ھ میں جب مدینہ منورہ کا سفر کیا اور صحیح بخاری کا درس لیا اور ساتھ ہی علامہ قسطلانی کی شرح ارشاد الساری نظر سے گزری تو روزانہ سبق کے برابر آپ قسطلانی کی تلخیص کرتے چلے گئے لیکن اس طرح آپ کتاب الزکوٰۃ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ (المحطۃ فی اخبار الصحاح الستہ: ص ۹۲ھ)

دور اکبری کے علمائے حدیث کی فہرست میں ایک اہم نام سید یاسین گجراتی کا ہے۔ سید یاسین گجراتی نے حجاز کے علماء اور اساتذہ سے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا درس لیا۔ حجاز سے واپس آ کر آپ پنجاب میں رہے۔ پھر بنگال کی طرف سفر کیا۔ پھلواری شریف میں سند حدیث کا جو مخطوطہ موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ یاسین نے بہار میں اپنا مرکز قائم کیا تھا۔ اور یہیں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کیا۔ اس سند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا یاسین گجراتی کے مرکز حدیث سے بہار کے ”حافظ الوقت“ مولانا شیخ عبدالرزاق نے بھی استفادہ کیا۔ ان سے ”شیخ الوقت“ مولانا عبدالنبی نے سند حاصل کی اور مولانا عبدالنبی سے ان کے بیٹے مولانا عبدالمتقدر محدث نے اجازت لی۔ مولانا عبدالمتقدر سے ان کے بھتیجے محمد عتیق بن عبدالسیع نے سند حاصل کی اور یہ سند پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔

مولانا محمد عتیق بہاری کے شاگردوں شیخ محمد وجیہہ بن شیخ امان اللہ جعفری پھلواری ہیں۔ انہی کو یہ سند دی گئی تھی۔ اس سند میں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے جن کی اجازت شیخ نے اپنے شاگرد کو دی تھی۔ شیخ محمد وجیہہ کے شاگرد، ان کے صاحبزادے ملا وحید الحق محدث پھلواری ہیں۔ انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ علم حدیث کی ترویج کی۔ ملا وحید الحق محدث کی اکثر تالیفات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تالیفات سے ماخوذ ہیں۔

② شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۲ھ)

شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجتہد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں سلسلہ مجتہد دیہ کے بانی ہیں۔ آپ شوال ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد سرہندی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر آپ سیالکوٹ اور وہاں سے کشمیر گئے اور ملاکمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرنی (م ۱۰۰۳ھ) سے معقولات کی اہم کتابیں پڑھیں۔ شیخ یعقوب نے آپ کو صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ سیوطی کی ”الجامع الصغیر“ پڑھانے کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ شیخ احمد نے قاضی بہلول بدخشی سے صحاح ستہ کی بعض روایات پڑھ کر اجازت حاصل کی۔ قاضی بدخشی، مکہ مکرمہ کے مشہور محدث عبدالرحمن بن فہد کے شاگرد تھے۔ ۱۰۰۷ھ میں شیخ نے خواجہ عبدالباقی نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ شیخ احمد نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ صفر ۱۰۳۲ھ کو سرہند میں وفات پائی۔

شیخ احمد سرہندی حدیث کے تبحر عالم تھے۔ جس کا ثبوت آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ شیخ احمد کا تعلق اگرچہ درس و تدریس کے ساتھ رہا لیکن آپ کا اصل کارنامہ تجدید اور اصلاح کے حوالہ سے ہے۔ آپ کے دور میں اکبری دربار پر ایسے علماء قبضہ کر چکے تھے جو بظاہر علماء تھے۔ لیکن ان کا میلان قرآن و سنت کی طرف نہیں تھا ان کی وجہ سے عوام کے عقائد میں نامناسب رسوم اور رواج داخل ہو گئے۔ بدعات اور خرافات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ احمد سرہندی نے ان بدعات و خرافات کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر دیا۔ اور وعظ و تلقین، درس و تدریس اور رسائل و مکتوبات کے ذریعہ عوام کو صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ اس جہاد کے نتیجہ میں آپ کو حکومتِ وقت نے گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا۔ آپ دو سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن اپنا مشن اس حالت میں بھی جاری رکھا۔ شیخ احمد کی خدا پرستی، اسلام کی صداقت پر کامل ایمان اور پاکیزہ زندگی سے بالآخر جہانگیر اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو شیخ کے روحانی فیضان سے مستفید ہونے کی ترغیب دی۔ آخر کار شیخ احمد کے اس عظیم مقصد کو جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی شہنشاہ جہانگیر نے تسلیم کر لیا۔ اور اپنے عہد کے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی کوششوں میں بھی

آپ برابر کامیاب ہوتے گئے۔ چنانچہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی اخلاقی اور روحانی زندگی درست کرنے کا راستہ اختیار کر لیا۔ شیخ مجدد نے اسلامی تعلیمات کی صحیح تاویل کر کے اور اپنی زندگی کو ایک بہترین عملی نمونہ بنا کر اسلام کو نہ صرف تفریق و انتشار سے بچالیا بلکہ شریعت اور طریقت میں وہ ربط و امتزاج بھی پیدا کر دیا جس کی بہت ضرورت تھی۔ شیخ مجدد کی کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا۔ اور قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی اصلاح و ارشاد کا جو مبارک کام آپ نے شروع کیا تھا اسے آپ کی اولاد نے عرصہ دراز تک جاری رکھا۔ ذیل میں ان چند حضرات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے شیخ احمد سرہندی کے بعد ان کے سلسلہ کو جاری رکھا۔

خود آزمائی ①

- ۱) شیخ علی متقی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ان کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔
- ۲) شیخ عبدالوہاب متقی کس دور کے محدث ہیں۔ ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے بارے میں بتا دیجئے۔
- ۳) ملا علی قاری نے کن کن مراکز حدیث سے استفادہ کیا؟ ان کی اہم تالیفات پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔
- ۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو برصغیر میں کس لحاظ سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ علوم دینیہ کی اشاعت کے ضمن میں ان کے کردار پر بحث کریں۔
- ۵) شیخ احمد سرہندی کا بنیادی تعلق تصوف سے تھا۔ انہیں محدثین کی جماعت میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

2.1 شیخ سعید بن شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۷۰ھ)

شیخ سعید کا لقب ”خازنِ رحمت“ تھا۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم اپنے والد اور شیخ عبدالرحمن رومی سے حاصل کی تھی۔ جب شیخ مجدد بڑھا پے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تو ان کی خانقاہ میں شیخ سعید حدیث اور دوسرے علوم کا درس دینے لگے اور انہوں نے یہ سلسلہ ۱۰۳۴ھ تک جاری رکھا۔ ۱۰۳۴ھ میں چونکہ آپ حریم چلے گئے اس لیے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۰۶۹ھ میں شیخ سعید سرہند واپس آئے اور ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

2.2 فرخ شاہ بن شیخ سعید (م ۱۱۱۲ھ)

فرخ شاہ اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ انہوں نے ستر ہزار احادیث زبانی یاد کر لی تھیں۔ اس لیے ”حافظ“ کے لقب سے مشہور ہوئے تھے۔ آپ نے جن احادیث کو زبانی یاد کیا تھا ان کی اسناد بھی آپ کو یاد تھیں۔

2.3 سراج احمد مجتبیٰ دی (م ۱۱۷۶ھ)

سراج احمد بن مرشد بن راشد بن فرخ شاہ ۱۱۷۶ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۷۷ھ میں سکھوں نے سرہند کو تیسری مرتبہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور سراج احمد کے والد شیخ مرشد (م ۱۲۰۱ھ) اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر رام پور چلے گئے۔ سراج احمد نے حدیث کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ سراج احمد نے ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان کی لاش رام پور لائی گئی جہاں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

سراج احمد نے صحیح مسلم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس ترجمے میں آپ نے تشریحی نوٹ بھی درج کئے ہیں۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ رام پور کی سرکاری لائبریری میں محفوظ ہے۔

شیخ سراج نے جامع ترمذی کی شرح فارسی زبان میں مرتب کی۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن جامع ہے۔ نظامی پریس دہلی نے اسے مجموعہ شروح اربعہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ سراج احمد نے ذوالحجہ ۱۲۲۰ھ میں اس شرح کا آغاز کیا تھا اور ذوالحجہ ۱۲۲۲ھ میں اس کو مکمل کیا تھا۔ شیخ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب لکھتے وقت جامع ترمذی کی کوئی شرح یا ترجمہ ان کے پیش نظر نہ تھا کہ وہ اس سے استفادہ کر سکتے۔ گویا کہ یہ تصنیف ان کی ذاتی محنت اور علم حدیث میں تجربہ اور مہارت کا نتیجہ ہے۔ اس شرح کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ شیخ سراج احمد ایسی کئی احادیث کی اسناد تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے متعلق امام ترمذی نے اپنی جامع میں صرف اتنا حوالہ دیا تھا کہ: وفی الباب عن فلان، وفیہ فلان..... اس کے علاوہ مؤلف نے غیر مانوس ناموں اور نسبتوں کا صحیح تلفظ بھی درج کیا ہے جو جامع ترمذی میں پائے جاتے ہیں۔ شیخ سراج احمد نے ”رسالہ در ذکر طعام و شراب“ کے نام سے بھی ایک کتابچہ مرتب کیا۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اس میں کھانے پینے کے آداب اور ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو احادیث کے مطابق آپ ﷺ تناول فرماتے تھے۔

2.4 شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۸۰ھ)

شیخ معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے صاحبزادے تھے اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر (م ۱۱۱۹ھ) کے عہد میں آپ کو روحانی پیشوا کا مرتبہ حاصل تھا۔ شیخ معصوم کو علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔ جب آپ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے حرمین گئے تو وہاں کے شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے مصادر حدیث کا درس لیا اور واپس آتے ہوئے سند حاصل کی۔

2.5 خواجہ سیف الدین سرہندی (م ۱۰۹۸ھ)

خواجہ سیف الدین، شیخ معصوم کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنی خدمات کے صلہ میں ”محمی النبی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شیخ معصوم نے اورنگزیب عالمگیر کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ سیف الدین کے ساتھ تعلق رکھیں اور ان کے حلقہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ خواجہ سیف الدین نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔

2.6 خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندی (م ۱۱۱۴ھ)

خواجہ اعظم ایک ممتاز محدث تھے اور ان کا زمانہ اورنگزیب عالمگیر کا عہد حکومت (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۹ھ) تھا۔ آپ نے اپنے والد سیف الدین اور چچا فرخ شاہ (م ۱۱۱۲ھ) سے حدیث کے مصادر اور بنیادی کتب پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ ۱۱۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور سرہند میں اپنے والد کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح مرتب کی اور اس کا نام ”فیض الباری“ رکھا۔

2.7 شاہ ابوسعید بن صفی القدر مجد دی (م ۱۲۵۰ھ)

شاہ ابوسعید، خواجہ سیف الدین کے پرپوتے اور شاہ عبدالغنی مجد دی (م ۱۲۹۶ھ) کے والد تھے۔ آپ ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا شیخ سراج احمد اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) کے سلسلہ طریقت میں اپنے مرشد شیخ غلام علی کے جانشین ہوئے۔ شاہ ابوسعید نے زندگی بھر اصلاح و ارشاد اور تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ شوال ۱۲۵۰ھ میں حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ٹونک میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور دہلی میں مرزا مظہر جان جاناں کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

2.8 شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجد دی (م ۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی مجد دی علم حدیث میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) کے استاد تھے۔ آپ نے حدیث کی چھ مشہور کتابیں (صحاح ستہ) اپنے والد شاہ ابوسعید سے پڑھیں۔ عبدالغنی مجد دی نے صحیح بخاری کا کچھ حصہ شاہ اسحاق دہلوی سے بھی پڑھا تھا۔ ۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالغنی اپنے والد کے ہمراہ حجاز گئے اور وہاں شیخ عابد سندھی سے صحاح ستہ پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔ ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی کے دوران میں جب حالات پیچیدہ ہو گئے تو شاہ عبدالغنی ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں آخر وقت تک طلبہ کو حدیث

کا درس دیتے رہے۔ آپ کے حلقہ دُرس میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ محرم ۱۲۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ شاہ عبدالغنی مجددی نے سنن ابن ماجہ کی شرح مرتب کی جس کا نام آپ نے ”انجام الحاجۃ فی شرح ابن ماجہ“ رکھا۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن سنن ابن ماجہ کا مطالعہ کرنے والے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ علمی پریس دہلی نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ پر اسے طبع کیا ہے۔

شیخ مجدد الف ثانی کے تلامذہ اور اولاد کے علاوہ اس دور میں جن محدثین کو مقبولیت حاصل ہوئی اور جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ ان میں سے چند اہم اور نمایاں حیثیت رکھنے والے حضرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

③ محمد صدیق بن شریف (م ۱۰۴۰ھ)

محمد صدیق اپنے دور کے ممتاز محدث تھے۔ آپ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ آپ نے ”مشکوٰۃ المصابیح“ کی ایک شرح مرتب کی اور اس کا نام ”نجوم المشکوٰۃ“ رکھا۔ اس شرح میں آپ نے روایات پر مناسب تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خاص کر احکام سے متعلق روایات پر زیادہ توجہ دی ہے۔ ۱۰۳۲ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

3.1 شیخ حسین الحسینی ہروی (م ۱۰۴۵ھ)

شیخ حسین گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک بقید حیات تھے۔ آپ نے فارسی زبان میں ”شمائل النبی ﷺ“ کی شرحیں لکھیں جن میں سے ایک کا نام ”شرح الشمائل“ ہے۔ یہ شرح آپ نے شہزادہ سلیم کے لیے لکھی تھی۔ دوسری شرح جس کا نام ”نظم الشمائل“ ہے شہزادہ مراد بن جلال الدین اکبر کے لیے آپ نے مرتب کی تھی۔

3.2 سید جعفر بدر عالم (م ۱۰۸۵ھ)

جعفر بن بلال بن محمد حسینی بخاری جو بدر عالم کے لقب سے زیادہ معروف ہیں اچھ کے مشہور ولی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری (م ۸۵۷ھ) کی اولاد میں تھے۔ سید جعفر کے والد سید جلال مقصود عالم جن کو شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں چھ ہزار سوار کا منصب حاصل تھا، اسلامی علوم کے ایک ممتاز عالم تھے۔ سید جعفر شعبان ۱۰۲۳ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد سے استفادہ کیا اور ایک قابل عالم بن گئے۔ آپ کا رجحان چونکہ تفسیر اور حدیث کی طرف تھا اس لیے آپ نے تفسیر و حدیث کے مصادر اور شروح کا بالالتزام مطالعہ کیا اور میدان میں مہارت حاصل کی۔ قلمی نسخوں کی نقلیں آپ خود لکھا کرتے تھے اور اتنی تیز رفتاری سے لکھتے

تھے کہ دن میں بیسیوں صفحات لکھ لیتے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر نے آپ کو صوبہ دار بنانے کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ ۱۰۸۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ نے ”الفرید الطاری“ کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ”الروضۃ“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو چوبیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اولیاء کرام، مفسرین اور محدثین کے حالات جمع کئے ہیں اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

3.3 محبوب عالم بن جعفر بدر عالم (م ۱۱۱۱ھ)

ابوالمجد محبوب عالم ۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد جعفر بدر عالم اور گجرات کے دوسرے شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کیا۔ اپنے دور کے جتنے بھی ممتاز علماء اور محدثین تھے ان کی خدمت میں رہے اور ان سے کسب فیض کیا۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی جس کا نام ”زینۃ الزکات“ رکھا۔ اس شرح میں آپ نے فقہی مذاہب کے متدلات جمع کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی میں اور دوسری فارسی میں۔ آپ نے اپنی فارسی تفسیر میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کے رواۃ اہل بیت ہیں۔ ۱۱۱۱ھ کو آپ نے احمد آباد میں وفات پائی۔

3.4 شیخ یعقوب بنانی لاہوری (م ۱۰۹۸ھ)

شیخ یعقوب لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت ابو یوسف کی نسبت سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ آپ کا میلان چونکہ بیک وقت منقولات اور معقولات کی طرف تھا اس لیے تفسیر و حدیث اور منطق و فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ دہلی کے مدرسہ شاہجہان میں آپ مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں آپ کو ”میر عادل“ کا منصب دیا گیا جو آپ نے قبول کیا۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں آپ کو ترقی دی گئی اور ”ناظر محاکم“ کا منصب عطا کیا گیا۔ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ”الخیر الجاری“ کے نام سے

مرتب کی۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم کی شرح ”المعلم“ کے نام سے لکھی اور مؤطا امام مالک کی شرح ”المصنی“ کے نام سے ترتیب دی۔ ۱۰۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور دہلی میں دفن کئے گئے۔

3.5 مولانا نعیم بن محمد فیض اودھی جو نیوری (م ۱۱۲۰ھ)

مولانا نعیم کے دادا پیر حضرت سالار سعود غازی کے ہمراہ اودھ آئے تھے۔ نعیم کے والد نے بدوسرائے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اودھ کے مفتی بنادیئے گئے تھے۔ نعیم اپنے دور کے مشہور عالم اور مصنف عبدالرشید جو نیوری کے شاگرد تھے۔ آپ نے سو برس سے زیادہ کی عمر پائی اور صفر ۱۱۲۰ھ میں انتقال کر گئے۔ جو نیور میں دفن کردیئے گئے۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی۔

3.6 شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمن حنفی (م ۱۱۳۰ھ)

شیخ محمد اکرم سندھ میں نصیر پور کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے دور کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی وابستہ رہے۔ آپ نے ”نخبۃ الفکر“ کی شرح ”إمعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر“ کے نام سے مرتب کی۔ اس کا مخطوط فرنگی محل، لکھنؤ میں مولانا عبدالحی مرحوم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

3.7 شیخ یحییٰ بن امین الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ)

شیخ یحییٰ نے اپنے چچا شیخ افضل بن عبدالرحمن الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ) سے استفادہ کیا۔ آپ نے اپنے دور کے مشہور محدثین اور علماء کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا۔ اور اپنا مستقل حلقہ قائم کیا۔ آپ کے حلقہ درس میں سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ جمادی الاول ۱۱۴۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ثلاثیات بخاری کی شرح ”اعانة القاری فی شرح ثلاثیات البخاری“ کے نام سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تالیفات بھی آپ سے یادگار ہیں۔

۲- تذکرۃ الاصحاب

۳- ماخذ الاعتقاد فی شان الصحابۃ و اہل البیت

۴- شرح حدیث صلاۃ التسبیح

۵- ترجمہ وظائف النبی ﷺ

3.8 شاہ محمد فاخر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ)

شاہ محمد فاخر شاہ یحییٰ الہ آبادی کے بیٹے ہیں۔ آپ شاعر تھے اور ”زار“ آپ کا تخلص تھا۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی کے مرکز حدیث سے وابستہ رہے۔ پہلی بار ۱۱۵۰ھ اور اس کے بعد ۱۱۵۶ھ سے ۱۱۵۸ھ تک مسلسل شیخ محمد حیات سندھی کی خدمت میں رہے۔ ۱۱۵۹ھ میں آپ الہ آباد واپس آئے اور اگلے سال ایک کشتی میں برائے عظیم آباد (پٹنہ) و مرشد آباد ہنگلی پہنچے جہاں سے آپ جاز جانے والے ایک جہاز میں سوار ہوئے لیکن خلیج بنگال میں زبردست طوفان آ گیا جس کی وجہ سے ۱۱۶۱ھ میں یہ جہاز چٹاگانگ کے ساحل سے جا لگا۔ یہاں آپ نے چار ماہ قیام کیا اور پھر وطن واپس آ گئے۔ شعبان ۱۱۶۴ھ میں آپ نے پھر جاز جانے کا ارادہ کیا۔ حالت سفر میں تھے کہ بیمار ہو گئے اور ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ کو برہان پور میں وفات پائی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۲ھ) سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور علامہ آزاد بلکراہی بھی آپ کے ہم مکتب تھے۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں۔

۱- قرۃ العین فی اثبات رفع الیدین

۲- رسالۃ نجاتیہ در عقائد حدیثیہ

اس رسالہ کے ایک نسخہ مولانا عبداللہ دیناج پوری کی خاندانی لائبریری میں محفوظ ہے یہ فارسی میں ہے اور شاہ محمد فاخر نے ۱۱۶۱ھ میں چٹاگانگ میں اپنے مختصر قیام کے دوران اسے مرتب کیا تھا۔ اس میں احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳- نظم عبارت سفر السعادۃ

۴- مثنوی در تعریف علم حدیث

3.9 مولانا امین الدین بن محمود عمری حنفی جو پوری (م ۱۱۴۵ھ)

مولانا امین الدین جو پور میں پیدا ہوئے اور وہیں مولانا ارشد بن عبدالرشید جو پوری سے تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت ماہر اور باکمال مدرس تھے۔ اور نہ صرف حدیث، بلکہ اقلیدس، ریاضی، اصطربلاب اور قانون وراثت جیسے مختلف علوم پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ”اشعۃ اللمعات“ کا اختصار کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

3.10 مولانا نور الدین بن صالح احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ)

مولانا نور الدین، احمد آباد کے مشہور و معروف شیخ، استاذ اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے تقریباً ۱۵۰ کتابیں لکھیں جو زیادہ تر شروح اور حواشی پر مشتمل ہیں۔ علم حدیث میں آپ شیخ محبوب عالم (م ۱۱۱۱ھ) کے شاگرد تھے۔ اور ۱۱۴۳ھ میں جب حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تھے تو وہاں کے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا تھا۔ احمد آباد میں آپ کا مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مدرسہ ایک شاندار عمارت میں قائم کیا گیا تھا جو شیخ نور الدین کے ایک شاگرد نواب اکرام الدین صدر گجرات نے سوا لاکھ روپے کی خطیر رقم صرف کر کے تعمیر کرایا تھا۔ اور یہ بہت بڑا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔ شیخ نور الدین کے اسی مرکز سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ اس مرکز میں علوم نقلیہ (تفسیر و حدیث و فقہ) اور علم عقلیہ (منطق، ریاضی، فلسفہ) دونوں پڑھائے جاتے تھے۔ اور بہت منظم انداز میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ مولانا نور الدین آخری عمر تک اپنے مدرسہ سے وابستہ رہے۔ ۱۱۵۵ھ کو ۹۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے مدرسے کی عمارت میں مدفون ہوئے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ”نور القاری“ کے نام سے تالیف کی جسے طلبہ اور علماء کے حلقوں میں پذیرائی اور مقبولیت ملی۔

3.11 مرزا محمد بن رستم بدخشی (م ۱۱۹۵ھ)

محمد بن رستم بن قباد حارثی، بدخشی ۲۱ جمادی الاول ۱۰۹۸ھ کو جلال آباد (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد مرزا رستم، جن کو معتمد خان کا لقب عطا کیا گیا تھا، اورنگ زیب عالمگیر کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے اور ۱۱۱۷ھ میں دکن کی جنگ میں مارے گئے۔ صرف پندرہ سال کی عمر میں آپ نے ”رسالہ رد البدعہ وعقائد اہل السنۃ“ لکھا اور اسی رسالہ کی وجہ سے روح اللہ خان نے ۱۱۱۵ھ میں آپ کو اورنگ زیب عالم گیر سے متعارف کرایا۔ اورنگ زیب نے مرزا محمد کوشش صدی منصب عطا کیا۔ آپ نے اپنے آپ کو تصنیف و تالیف کے ساتھ وابستہ رکھا اور مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑیں:

۱- مفتاح النجاح فی مناقب العباد: یہ کتاب فضائل اہل بیت کے باری میں ہے جو زیادہ تر احادیث و روایات پر مشتمل ہے اور اس میں اہل بیت کی ولادت و وفات اور زندگی کے اہم واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر ایک باب کو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ رمضان ۱۱۲۳ھ میں مرزا محمد نے اسے لکھنا شروع کیا اور ۱۷ محرم ۱۱۲۴ھ کو اسے لاہور میں مکمل کر لیا۔

۲- تراجم الحفاظ: یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اس میں ممتاز محدثین کے حالات زندگی قلم بند کئے گئے ہیں۔ اور ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب امام سمعانی کی ”کتاب الأنساب“ پر مبنی ہے اور دہلی میں قیام کے دوران لکھی گئی ہے۔

۳- نزول الأبرار بما صح من مناقب أهل البيت الاطهار: یہ احادیث کا مجموعہ ہے جن سے آل رسول ﷺ کے اوصاف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ مؤلف نے امیر الامراء حسین علی خان الحسینی بارہوی کے لیے لکھا تھا۔

۴- تحفة المحبین فی مناقب الخلفاء الراشدین: یہ رسالہ چاروں خلفاء راشدین کے مناقب و فضائل پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے ان روایات کو جمع کیا ہے جن سے خلفاء راشدین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ مؤلف نے دو اہم کتابیں تالیف کیں۔ ایک کا نام ”تاریخ محمدی“ ہے اور دوسری کا نام ”عبرت نامہ“ ہے۔ مرزا محمد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

3.12 مرزا جان برکی (م ۱۱۰۰ھ)

اوحہ الدین مرزا جان برکی، جالندھری، مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے دور کے اہم مراکز حدیث سے استفادہ کیا اور حدیث و سیرت کے اہم اور بنیادی مصادر کا پورے التزام اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ کیا۔ سیرت نبوی ﷺ پر آپ نے ”نظر الدرر والہرجان“ کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ بہت اہم اور جامع تالیف ہے اس میں آپ ﷺ کے حالات، معجزات، حقوق اور امتیازی اوصاف احادیث و روایات کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ سید علیم اللہ جالندھری (م ۱۲۰۲ھ) نے ”نثر الجواہر“ کے نام سے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

3.13 محمد صادق لاہوری (م ۱۱۹۳ھ)

مولانا محمد صادق نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں شیخ یحییٰ بن صالح الہکی اور ابوالحسن سندھی سے حدیث کے مصادر کا درس لیا، شیخ ابوالحسن نے ۱۱۷۰ھ میں آپ کو سند عطا کی۔ شیخ محمد صادق کا تعلق افغانستان سے تھا۔ آپ کے والد لاہور آئے تھے۔ اور یہاں مسجد وزیر خان کے امام مقرر ہوئے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۱۹۳ھ میں ہوا۔ آپ نے ”ازالۃ الفسادات فی شرح مناقب السادات“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب دراصل دولت آبادی کی تالیف ”مناقب السادات“ کی شرح ہے۔ مؤلف نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

مدرس اور اور کرناٹک کا علاقہ اسلامی جھنڈے کے تحت بہت دیر سے آیا یعنی عالمگیر کے عہد میں۔ تاہم اس کا ساحلی حصہ مدت دراز سے عرب تاجروں کا جولانگاہ تھا۔ مالیبہار میں ان کی بڑی آبادی تھی، مصر اور عرب سے ان کے براہ راست بحری تعلقات تھے اس بنا پر یہ بات باسانی سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں علم حدیث مصر اور عرب کے راستے سے براہ راست داخل ہوا ہوگا۔ لیکن چونکہ اس علاقہ کی کوئی تفصیلی تاریخ موجود نہیں اس لیے کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بہر حال اورنگزیب عالمگیر کے بعد بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب نظام دکن کی سلطنت کی وسعت کے اندر کرناٹک کا علاقہ آیا اور ارکاٹ میں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اہل علم نے بھی

ادھر کا رخ کیا۔ اس عہد کے علماء میں شیخ محمد اسعد حنفی کی قابل ذکر ہیں۔ شیخ موصوف، شیخ تاج الدین مکی کے شاگرد تھے۔ شیخ عبداللہ بن سالم مصری نے ”ضیاء الساری“ کے نام سے صحیح بخاری کے جو شرح لکھی تھی اس کا اصل نسخہ شیخ اسعد نے ان کے بیٹے سے خرید لیا تھا اور اس کو لے کر وہ مدراس میں آ گئے تھے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے ارکاٹ میں وہ نسخہ ان کے پاس دیکھا تھا۔ اس گرانقدر نسخہ کو ہندوستان لے آنے پر علامہ آزاد نے شیخ اسعد کو ملامت کیا اور کہا کہ اس گرانقدر خزانہ کو اسلامی مرکز سے اتنی دور سفر میں لے آنا مناسب نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میری محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی اس کو اپنے سے جدا رکھوں۔ یہ وہ دور تھا جب نظام الدولہ ناصر جنگ (والی حیدر آباد دکن) اور فوج کے افغانوں کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ اور ارکاٹ میں فتنوں کا طوفان برپا تھا۔ اس بنا پر شیخ نے ”ضیاء الساری“ کا یہ نسخہ اورنگ آباد دکن میں بھجوا دیا اور وہ خود ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کے ساتھ ۱۱۶۶ھ میں شہید ہوئے۔ میر آزاد لکھتے ہیں کہ وہ نسخہ اس وقت تک اورنگ آباد میں محفوظ ہے۔ (المحطۃ فی اخبار الصحاح السنیۃ: ص ۹۸)

خود آزمائی ②

- (۱) شیخ سعید، فرخ شاہ اور سراج احمد مجددی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔
- (۲) شیخ معصوم اور خواجہ سیف الدین کی علمی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
- (۳) شاہ ابوسعید مجددی اور شاہ عبدالعزیز مجددی کی شہرت اور مقبولیت کے عوامل کی نشاندہی کیجئے۔
- (۴) شیخ محمد صدیق، شیخ حسین ہروی اور شیخ جعفر بدیع عالم کی حیات و خدمات پر ایک نوٹ قلمبند کیجئے۔
- (۵) شاہ محمد فاخر الہ آبادی، مولانا امین جوہنوری اور مرزا محمد بدخشی کے اساتذہ اور تلامذہ پر ایک شذرہ تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- ۱- اخبار اللہ اخیار مؤلف عبدالحق دہلوی
- ۲- نزہۃ الخواطر از عبدالحی حسنی
- ۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی
- ۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
- ۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد
- ۶- فوائد القواد اردو ترجمہ: غلام احمد
- ۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
- ۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
- ۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
- ۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
- ۱۱- المحیط فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
- ۱۲- معارف العوارف از عبدالحی حسن
- ۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
- ۱۴- یاد ایام از عبدالحی حسنی
- ۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
- ۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
- ۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
- ۱۸- مقدمہ اوجز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
- ۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر حسن گیلانی

- ۲۰۔ منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
- ۲۱۔ عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی
- ۲۲۔ عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی
- ۲۳۔ حیات شبلی از سید سلمان ندوی
- ۲۴۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر 13

برصغیر میں علم حدیث 4

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

409	یونٹ کا تعارف
410	یونٹ کے اغراض و مقاصد
411	① برصغیر میں علم حدیث
411	1.1 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
416	1.2 تالیفی خدمات
416	1.3 حجة اللہ البالغة
416	1.4 اربعین
417	1.5 وحیۃ الآخرة
417	1.6 الدرۃ الثمین فی مبشرات النبی الامین
417	1.7 الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین
417	1.8 الإرشاد إلی مہبات الاسناد
417	1.9 تراجم البخاری
418	1.10 شرح تراجم ابواب البخاری
418	1.11 مصفی شرح موطأ
418	1.12 موسوی شرح موطأ
419	② شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ
419	2.1 قاضی ثناء اللہ پانی پتی
420	خود آزمائی

- 421 ③ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
- 422 3.1 تالیفی خدمات
- 422 3.2 بستان المحدثین
- 422 3.3 عجالتہ نافعہ
- 422 3.4 تحفۂ اشاعتیہ
- 423 ④ شاہ اسحاق دہلوی
- 423 ⑤ مولانا مظہر نانوتوی
- 423 ⑥ احمد علی سہارنپوری
- 424 ⑦ شاہ عبدالغنی مجددی
- 424 ⑧ مولانا قاسم نانوتوی
- 425 ⑨ مولانا سید نذیر حسین بہاری
- 426 ⑩ مولانا عبدالحی بڈھانوی
- 427 ⑪ فرنگی محل اور علم حدیث
- 429 11.1 ملا مبین اور ملا حیدر
- 429 11.2 ملا عبدالرزاق
- 429 11.3 مولانا عبدالحلیم
- 430 11.4 مولانا محمد نعیم
- 431 11.5 مولانا عبدالحی لکھنوی
- 433 11.6 مولانا عبدالباری

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ”برصغیر میں علم حدیث“ سے ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے مراحل ان کے ذہن میں ہوں۔ اور جن جن حضرات نے اس مجال میں خدمات انجام دی ہیں ان کے علمی، عملی، تدریسی اور تالیفی آثار سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ اس یونٹ میں پوری ترتیب کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کا کام کیسے شروع ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر ہندوستان کے مختلف خطوں اور گوشوں میں اس کو پھیلنے کا موقع ملا۔ ان تالیفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ہندوستان میں رائج اور متداول رہیں۔

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں جو مواد ہمارے لٹریچر میں موجود ہے وہ مختلف کتابوں میں منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں چونکہ علمی زبان ایک عرصہ تک فارسی رہی ہے اس لیے بیشتر علمی، ادبی اور تالیفی کام فارسی میں ہوا۔ اور اب صورتحال یہ ہے کہ فارسی زبان کی تالیفات اور آثار یا تو لائبریریوں کی زینت ہیں اور یا نمائشی مقاصد کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اب ہر فن اور مجال کے طلبہ ان خدمات اور مساعی سے ناواقف ہیں جو برصغیر کے علماء اور اساتذہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں انجام دی ہیں۔ اس یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے متعلق بنیادی اور اساسی مواد جہاں کہیں بھی ملے سلیس اور عام فہم زبان میں مرتب اور منضبط اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ آپ اس یونٹ کا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے آپ اسے مفید اور کارآمد پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ⇐ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس کردار پر بحث کر سکیں جو انہوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ادا کیا۔
- ⇐ شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکیں۔
- ⇐ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تالیفات پر تبصرہ کر سکیں۔
- ⇐ شاہ اسحاق دہلوی، مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کی جدوجہد اور علم حدیث کے مجال میں ان کی مساعی کی نشاندہی کر سکیں
- ⇐ شاہ عبدالغنی مجذبی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا نذیر حسین بہاری کے مراکز حدیث پر ایک جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔
- ⇐ فرنگی محل اور علم حدیث کے موضوع پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔

① برصغیر میں علم حدیث ④

1.1 شاہ ولی اللہ

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا وجود ایسے حالات میں نمایاں ہوا جب سلطنت مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ نام نہاد فقراء اور مشائخ جا بجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں کو ذریعہ روزگار بنائے بیٹھے تھے۔ مدارس میں منطق، فلسفہ، حکمت اور معقولات کا زور تھا۔ فقہ کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں لیکن ان کے فہم پر توجہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ عوام تو عوام خواص تک قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کی عبارت محض تہرک کے لیے پڑھتے تھے۔ آیات اور روایات کے معانی و مطالب سے علماء کو سروکار نہ تھا۔ شاہ ولی اللہ نے امت مسلمہ کو ان کا بھولا ہوا راستہ یاد دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کو صحیح ہدایت اور رہنمائی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ملے گی۔ معقولات کی کتابوں سے نہیں۔ شاہ ولی اللہ کا اصل نام احمد بن عبدالرحیم ہے۔ آپ عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے بروز ہفتہ، بتاریخ ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ شاہ ولی اللہ نے جب اپنے دور کے مروجہ نصاب کی تکمیل کی تو آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح، شمائل النبیؐ اور صحیح بخاری کے ایک حصہ کا درس مولانا افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) اور اپنے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) سے لیا جو فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں آپ نے حریم شریفین کا سفر کیا اور وہاں چودہ ماہ تک مقیم رہے۔ حریم میں آپ نے ابو طاہر بن ابراہیم کردی شافعی (م ۱۱۴۵ھ) سے صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور حصن حصین کا اور شیخ و فذ اللہ المالکی الہکی سے مؤطا امام مالک کا درس لیا۔ اس کے علاوہ تاج الدین الہکی اور شیخ عمر بن احمد الہکی سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۱۴۶ھ کو آپ واپس دہلی آئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ طلبہ کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا اس لیے کچھ عرصہ کے بعد یہ جماعت ایک وسیع عمارت میں منتقل کر دی گئی جو محمد شاہ (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) نے اس مقصد کے لیے دی تھی۔ یہاں مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کی تعلیم تقریباً پچیس سال تک دیتے رہے۔ آپ کے درس دینے کا

طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے طلبہ سے گزشتہ دن کا سبق سنتے تھے اور اس کے بارے میں طلبہ سے مختلف سوالات کرتے تھے۔ اس کے بعد نئے موضوع سے متعلق گفتگو فرماتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو بھی موضوع ہو اس پر تفصیل کے ساتھ بحث و تمحیص ہو جائے۔ مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔ خاص کر ایسے اختلافات کو جو احناف اور شوافع کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ ایسے تمام فقہی مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس سے نوجوان طلبہ میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی اور ان کے دل میں چاروں ائمہ اجتہاد اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام و رواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے امت مسلمہ کی دینی اور فکری راہنمائی کے لیے بہت کچھ کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی ساری صلاحیتوں کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ذیل میں آپ کی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ طلبہ کو چاہئے کہ وہ یونٹ کے اس حصہ کو خاص طور پر ذہن میں رکھیں۔

www.kitabosunnat.com

(۱) مغلیہ دربار پر شہنشاہ ہمایوں سے لے کر اب تک ایسے علماء کا قبضہ تھا جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے نہیں تھا۔ دربار میں ایرانی امراء کی کثرت ہمیشہ رہی اور اس کا اثر نیچے درجہ تک درجہ بدرجہ نمایاں تھا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد میں تو لکھنؤ کی نوابی کے سبب سے مسلمانوں پر اور زیادہ اثر پڑ رہا تھا۔ علماء اہل سنت میں اس اثر کو روکنے کی ہمت اور جرأت نہ تھی۔ شیخ مجتہد الدلف ثانی جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تھے ان کے مکتوبات سے اس دور کی صورت حال ظاہر ہو رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے نہایت تحقیق، کد و کاوش اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کام کو انجام دیا۔ اور ”ازالۃ الخفاء عن خلفاء الخلفاء“ جیسی عالمانہ اور محدثانہ کتاب تالیف کی جس میں سینکڑوں، ہزاروں حدیثوں سے خلفاء راشدین کے مناقب و فضائل کے وہ رموز و نکات کھولے جو اب تک نہیں کھلے تھے۔

(۲) عقائد و کلام سے متعلق بے سروپا جزئیات و تفصیلات کا جن پر اب تک علم دین کا گویا مدار سمجھا جاتا تھا بھرم کھول کر رکھ دیا اور ان کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے اسرار و مصالح منظر عام پر لائے اور ہندوستان کے علماء کو ان کی سات سو برس کی غلط تاویلات پر متنبہ کیا۔

(۳) قرآن مجید، جو دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور مرکز و محور ہے اور جو ہندوستان میں اب تک صرف تبرکات تلاوت کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے فہم و تعلیم کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تفسیر کے اصول لکھے۔ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ قرآن پاک کے درس کا حلقہ قائم کیا اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کتاب بنایا۔

(۴) عربی زبان کی واقفیت، قرآن و حدیث کے سمجھنے میں عام لوگوں کے لیے رکاوٹ تھی۔ اس کو دور کرنے کے لیے اپنے دور کی علمی زبان فارسی میں جہاں قرآن مجید کا ترجمہ کیا وہاں مؤطا امام مالک کی شرح بھی مرتب کی۔

(۵) اب تک ہندوستان میں جو فقہ حنفی مروّج تھی، وہ تمام تر فتاویٰ کی نقل و نقل اندھی تقلید تھی اور ہر وہ کتاب جس کو کسی حنفی فقیہ نے پہلے لکھ دیا ہو وہ استناد و اعتماد کے قابل سمجھی جاتی تھی اور خاص امام ابوحنیفہ کا مسلک بن جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے اس تقلیدی فقہ کی جگہ تحقیقی فقہ کو رواج دیا۔ ہر مسئلہ میں آپ ہر امام و مجتہد کی مختلف آراء، دلائل اور اسناد سے واقف تھے۔ اس لیے آپ ان میں باہم تطبیق یا ترجیح دیتے تھے۔ مجتہدین کے اختلافات کے اسباب پر آپ نے کام کیا اور اس ضمن میں بہت بنیادی مباحث علماء کے سامنے پیش کئے۔ اجتہاد اور تقلید کی تشریح کی اور کتاب و سنت کی اتباع اور پیروی کی عام دعوت دی۔

(۶) شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے جو کام شروع کیا تھا آپ نے اس کی تکمیل کی۔ تالیف و تصنیف کے ذریعہ مصادر حدیث کو عام کیا۔ حدیث کی بہت اہم اور بنیادی کتاب مؤطا امام مالک کی فارسی اور عربی میں دو شرحیں لکھیں۔ صحیح بخاری کے تراجم کی شرح کی اور ”الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین“ ایک رسالہ لکھا۔ فقہ، اصول فقہ اور احکام کے اسرار و رموز میں ”حجة الله البالغة“ جیسی گرانقدر کتاب مرتب کی۔

۷) آپ نے ہندوستان میں حدیث کے درس و تدریس کے باقاعدہ حلقے قائم کئے۔ آپ کے بعد آپ کے شاگردوں نے ان حلقوں کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ کرتے چلے گئے۔

۸) شاہ ولی اللہ کی اولاد نے اپنے والد بزرگ وار کے نام تمام کاموں کی تکمیل کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو پیغام نبوی ﷺ کے آواز سے معمور کر دیا۔ آج برصغیر میں جہاں بھی ”قال رسول اللہ ﷺ“ کی آواز سنائی دیتی ہے وہ اسی خانوادہ فضل و کمال کی خیر و برکت کی صدائے بازگشت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مرکز حدیث سے جو لوگ مستفید ہوئے ان کی تعداد ہزاروں میں ہے اس لیے ان سب کا یکجا کرنا بہت مشکل کام ہے تاہم اس ضمن میں چند بزرگوں کے نام دستیاب ہیں۔ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک نہایت اہم نسخہ ہے جو شاہ ولی اللہ کی درس گاہ میں زیرِ درس رہا ہے اور اس پر شاہ صاحب کے دست خاص سے ایک تحریر ہے۔ اور ایک تحریر شاہ صاحب کے اس شاگرد کی ہے جس نے آپ سے یہ نسخہ پڑھا۔ اس شاگرد کا نام محمد ابن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح بلگرامی الہ آبادی ہے۔ اس پر مولانا پیر محمد کے ہاتھ سے جو عربی عبارت ہے اس کا اردو ترجمہ یوں ہے:

”دلی میں جنما کے کنارے جامع فیروزی میں چہار شنبہ کے دن بتاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ جامع صحیح امام بخاری شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمری بلگرامی ثم الہ آبادی کے ہاتھ سے تمام ہوئی۔ ساتھ ہی شروع سے آخر تک اس کی قرآء بھی شیخ ولی اللہ عمری کے درس میں تمام ہوئی۔“

پھر اس پر شاہ ولی اللہ کے دست مبارک سے عربی میں امام بخاری تک ان کی اپنی سند اور اجازت درج ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فرماتے ہیں:

”شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمری نسباً، بلگرامی اصلاً، الہ آبادی مولداً نے صحیح بخاری مجھ سے پڑھی۔ خواجہ محمد امین پڑھتے تھے اور وہ سنتے تھے۔ نیز بقیہ

کتب صحاح ستہ کے اطراف مجھ سے پڑھے اور مؤطا امام مالک اور مسند داری اور مشکوٰۃ المصابیح کے کچھ حصے پڑھے اور میں نے ان کو ان کی اجازت دی۔ میں نے یہ اجازت وسند شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے حاصل کی اس کو ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور ابن احمد بن محمود نے اپنے ہاتھ سے لکھا جو نسباً عمری، وطناً دہلوی، عقیدۂ اشعری، طریقۂ صوفی، عملاً خفی اور تدریسا خفی و شافعی اور تفسیر وحدیث وفقہ و عربیت اور کلام کا خادم ہے۔ سہ شنبہ ۲۳ شوال ۱۱۵۹ھ۔

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ عبارت ہے:

”اس خط والد بزرگوار است بے شبہ۔ کتبہ الفقیر محمد رفیع“

اس نسخہ پر ایک اور عبارت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ کی ہدایت پر ۱۱۸۴ھ میں محمد نامی کسی عالم نے اس میں شروع سے آخر تک اعراب لگائے اور کسی مصحح نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا۔ (تذکرہ علمائے ہند: ص ۶۶)

خواجہ محمد امین جن کا شاہ صاحب کی اس تحریر میں ذکر ہے شاہ صاحب کے مخصوص شاگردوں اور مریدوں میں ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں ایک بزرگ مولانا رفیع الدین مراد آبادی ہیں۔ مولانا رفیع الدین نے شاہ صاحب کے علاوہ شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد مولانا خیر الدین سواتی سے بھی حدیث پڑھی۔ امام نووی کی اربعین کی شرح لکھی اور اپنے سفر حج کے حالات میں فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ کشمیر کے ایک اور بزرگ شاہ محمد عاشق پھلتی معروف بہ بابا محمد عثمان کشمیری ابن شیخ محمد فاروق، شاہ صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے حدیث اور فقہ کا درس شاہ صاحب کے مرکز میں رہ کر حاصل کیا۔

1.2 تالیفی خدمات

شاہ ولی اللہ دہلوی نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں۔ ذیل میں آپ کی چند اہم تالیفات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے:

1.3 حجة اللہ البالغہ

یہ شاہ صاحب کی بہت جامع اور وسیع تالیف ہے۔ جس میں فقہ، دینیات، طبعیات، الہیات، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ اور علم الاسرار جیسے اہم علوم و فنون پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں جس جس موضوع پر بحث کی گئی ہے اس میں آیات اور روایات کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں۔ ”حجة اللہ البالغہ“ ایک ایسی عظیم شاہکار ہے جس کی تعریف اور قدردانی تمام اسلامی دنیا میں ہوئی۔ نواب صدیق حسن خان کے بقول:

”یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک ایسی نادر تصنیف ہے جس کی کوئی نظیر عرب اور عجم کے علماء گزشتہ بارہ صدیوں میں کبھی پیش نہ کر سکے۔“

حجة اللہ البالغہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ھ میں صدیقی پریس، بریلی میں حسب فرمائش منشی جمال خان بھوپال طبع ہوئی تھی اور اس کا مصری ایڈیشن ۱۹۰۳ھ میں مطبعہ خیر یہ قاہرہ نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں اب تک کئی رسالہ اس پر پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھے چکے ہیں۔

1.4 اربعین

یہ رسالہ چالیس احادیث کا انتخاب ہے جو حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہیں۔ اور ان کے اخلاف کے توسط سے آنے والی نسلوں تک پہنچی ہیں۔ خرم علی بلہری (م ۱۲۷۱ھ) نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا اور حواشی بھی لکھے تھے۔ جسے ۱۸۵۸ھ میں ہادی علی لکھنوی نے ایک منظوم شرح کی شکل میں قلم بند کیا۔ اور اس کا نام ”تخیر زکھا جو ۱۸۶۶ھ میں مصطفائی پریس دہلی میں طبع کی گئی تھی۔“

1.5 وثیقۃ الآخرة

یہ امام نووی کی اربعین کی فارسی شرح ہے۔ جس میں بین السطور اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عبدالحلیم کا کخیل کی منظوم پشتو شرح کے ساتھ ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں طبع ہوا تھا۔

1.6 الدرر الثمین فی مبشرات النبی الامین

یہ رسالہ ایسی چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو شاہ ولی اللہ کے شیوخ نے عالم خواب میں خود رسول اکرم ﷺ سے سنیں۔ یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے جو ظہیر الدین احمد نے کیا تھا ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں شائع ہوا تھا۔

1.7 الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین

یہ حدیث مسلسل کا مجموعہ ہے جو حفاظ حدیث کے طبقات، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء، اہل بیت، محدثین اندلس، محدثین مشرق، شعراء محدثین اور علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے روایت کی ہیں۔ یہ بہت ہی نادر رسالہ صحیح بخاری کی جلد دوم کے اس ترجمہ کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کیا گیا تھا جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک شاگرد شیخ محمد الہ آبادی نے ۱۱۶۰ھ سے قبل کیا تھا اور یہ بانکی پور کی اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے۔

1.8 الارشاد الی مہمات الاسناد

یہ کتاب خود شاہ ولی اللہ کے شیوخ اور ان روات حدیث کا تذکرہ ہے جن کی سند سے احادیث، رسول اکرم ﷺ سے ان روات تک پہنچی ہیں۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی تراجم البخاری کے ساتھ ۱۸۸۹ھ میں دہلی میں طبع کیا گیا تھا۔

1.9 تراجم البخاری

یہ صحیح بخاری کی وسعت و غایت اور اصول ترتیب پر مختصر تبصرہ ہے۔

1.10 شرح تراجم ابواب البخاری

یہ رسالہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب (عنوانات) کی شرح ہے۔ جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے ۱۹۳۸ھ میں دوسری مرتبہ شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ رسالہ صحیح بخاری کے اس ایڈیشن میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا تھا جو ۱۹۴۰ھ میں اصح المطابع دہلی میں طبع ہوا تھا۔

1.11 مصفیٰ شرح مؤطا

یہ کتاب امام مالک (م ۱۷۹ھ) کی مؤطا کی مختصر شرح ہے جو فارسی میں دو جلدوں میں لکھی گئی ہے اور ۱۸۷۶ھ میں فاروقی پریس، دہلی میں پہلی بار طبع کی گئی تھی۔ اس شرح میں شاہ ولی اللہ نے ہر ایک حدیث کا فارسی ترجمہ درج کیا ہے اور حسب ضرورت اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے نیز اس کے متعلق مذاہب اربعہ بالخصوص حنفی اور شافعی مکاتب کا نقطہ نظر بھی بیان کر دیا ہے اور جگہ جگہ فقہی مسائل پر بحث کی ہے۔ مگر کسی مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح نہیں دی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بیس صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جو امام مالک اور ان کی مؤطا کے بارے میں ہے۔ جو شاہ ولی اللہ اور امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کے نزدیک حدیث کی سب سے مقدم اور مستند کتاب ہے اور ”اصح الکتاب بعد کتاب اللہ“ ہے

1.12 مسویٰ شرح مؤطا

یہ کتاب ۱۷۵۱ھ میں لکھی گئی تھی اور ۱۸۷۹ء میں مطبع فاروقی دہلی نے اسے مصفیٰ کے حاشیہ پر طبع کیا تھا۔ یہ رسالہ امام مالک کی مؤطا کی عربی میں شرح ہے جس میں زیادہ تر حنفی اور شافعی مکاتب کی آراء پر بحث کی گئی ہے۔

1.13 آثار المحمدین

یہ معروف و مشہور محدثین کا تذکرہ ہے اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔

1.14 مکتوبات مع مناقب امام البخاری وابن تیمیہ

یہ کتاب فارسی میں ہے اور سیّد عبدالرؤف نے جن کا تعلق نذیریہ بزم ادب، دہلی سے تھا اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

② شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ

شاہ ولی اللہ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

2.1 قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ پانی پتی شیخ جلال الدین کبیر اولیاء کی دسویں پشت میں تھے۔ آپ نے حدیث کا درس شاہ ولی اللہ سے لیا۔ اور علم تصوف مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۰۵ھ) سے حاصل کیا۔ علم حدیث میں آپ کی صلاحیت اور مہارت کی بنا پر آپ کو شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ”نبیہقی وقت“ کا لقب دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ”تفسیر مظہری“ میں احادیث بکثرت درج کی گئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو علم حدیث پر کتنا زیادہ عبور حاصل تھا۔

تالیفی خدمات

قاضی صاحب نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ نے بہت اہم، مفید اور وسیع تالیفات مرتب کیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

اللباب

یہ کتاب شیخ شمس الدین صالحی (م ۹۴۲ھ) کی تالیف ”سبل الہدی والرشاد“ کی جلد سوم کا خلاصہ ہے۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف عالیہ، معاملات اور معمولات بیان کئے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے منقول دعائیں، احکام اور فیصلے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مقدمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قاضی ثناء اللہ نے یہ کتاب اپنے مرشد مظہر جان جاناں کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اللباب میں جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے ان کے اختصارات یوں درج کئے گئے ہیں:

خ:	برائے صحیح بخاری
م:	برائے صحیح مسلم
د:	برائے سنن ابوداؤد
س:	برائے سنن نسائی
ج:	برائے سنن ابن ماجہ
ک:	برائے مؤطا امام مالک
ف:	برائے مسند امام الشافعی
ک:	برائے مستدرک حاکم
ط:	برائے معجم الطبرانی
ی:	برائے سنن دارمی
ق:	برائے سنن دارقطنی..... وغیرہ وغیرہ

اللباب کا ایک مخطوطہ مدرسہ جامع العلوم، کانپور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

خود آزمائی ①

- (۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حیات و خدمات پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔
- (۲) حجۃ اللہ البالغہ، وشیقۃ الآخرة اور الدرر الثمین پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔
- (۳) الفضل السمین، الارشاد الی مہمات الاسناد اور تراجم البخاری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔
- (۴) مصفیٰ اور مسویٰ حدیث کی کون سی کتاب کی شروح ہیں۔ اس بارے میں وضاحت کیجئے۔
- (۵) شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ کے نام بتائیے؟ اور علم حدیث کی ترویج کے لیے ان کی خدمات کا تذکرہ کیجئے۔

③ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(م ۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلوی کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ امین اور خواجہ عاشق پھلتی سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ میں باقاعدہ داخل ہو گئے جہاں آپ نے بہت تفصیل اور اہتمام کے ساتھ مصابیح السنۃ، مسوی فی شرح المؤطا، صحیحین کا ایک حصہ اور سنن اربعہ کا درس لیا۔ ۱۱۷۴ھ میں جب شاہ عبدالعزیز کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی آپ نے تعلیم مکمل کر لی اور ۱۱۷۶ھ میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد وہ مدرسہ رحیمیہ میں مدرس ہوئے وہاں علوم قرآن و حدیث کا درس ساٹھ برس سے زیادہ مدت تک دیتے رہے۔

شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترقی و اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دیں اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے کئی شاگردوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں حدیث کی تعلیم و اشاعت کے مراکز قائم کئے۔ ذیل میں آپ کے شاگردوں کے نام اور مراکز کے مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے:

- ۱- شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) بمقام دہلی
- ۲- شاہ محمد اسماعیل شہید (م ۱۲۳۶ھ) بمقام دہلی
- ۳- شاہ محمد مخصوص اللہ (م ۱۲۷۳ھ) بمقام دہلی
- ۴- مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۵۸ھ) بمقام دہلی
- ۵- حسن علی محدث لکھنوی (م ۱۲۲۶ھ) بمقام لکھنؤ
- ۶- حسین احمد ملیح آبادی (م ۱۲۷۵ھ) بمقام ملیح آباد
- ۷- شاہ رفیع احمد مجتہد دی (م ۱۲۳۹ھ) بمقام بھوپال
- ۸- شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۵ھ) بمقام مراد آباد
- ۹- خرم علی بلہری (م ۱۲۷۱ھ) بمقام بلہر (لکھنؤ)

- ۱۰۔ شاہ ابوسعید (م ۱۲۵۰ھ) بمقام رام پور دہلی
 ۱۱۔ محمد شکور جعفری (م ۱۳۰۰ھ) بمقام مچلی شہر (اعظم گڑھ)
 ۱۲۔ شاہ ظہور الحق قلندری بمقام پھلواڑی شریف (پٹنہ)
 ۱۳۔ اولاد حسین بمقام قنوج
 (نواب صدیق حسن خان کے والد)
 ۱۴۔ کرم اللہ محدث (م ۱۲۵۸ھ) بمقام دہلی
 ۱۵۔ سلامت اللہ بدایونی بمقام کانپور

3.1 علمی اور تالیفی خدمات

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو اللہ جل شانہ نے بہت رواں قلم عطا کیا تھا۔ آپ نے لکھا اور بہت خوب لکھا۔ آپ کی ہر ایک تالیف کو علماء اور عوام کے ہاں قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ حدیث کے حوالہ سے آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں مرتب کیں۔

3.2 بستان المحمدیہ

یہ بہت وقیع اور مفید رسالہ ہے جس میں حدیث کی اہم کتب اور مصادر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مؤطا امام مالک سے آغاز اور امام بغوی کی مصابیح پر اختتام ہوا ہے۔ اس میں ان کتب کے مؤلفین کے مختصر حالات بھی درج کئے گئے ہیں۔

3.3 بحالہ نافعہ

یہ اصول حدیث پر فارسی میں بہت مفید رسالہ ہے۔ مطبوعہ ہے۔ کئی بار چھپا ہے۔

3.4 تحفہ اثنا عشریہ

شاہ عبدالعزیز نے اہل تشیع کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ لکھی۔ قرآن کی فارسی میں تفسیر لکھی۔ زندگی بھر حدیث کی ترویج کے لیے کام کیا۔

④ شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دہلوی (م ۱۲۶۲ھ)

۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کے استاد، ان کے مشہور شاگرد اور پوتے شاہ اسحاق ہوئے جو بہت قابلیت کے ساتھ بیس برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۲۵۰ھ میں شاہ اسحاق ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے جہاں انہوں نے رجب ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی۔

تراجم علمائے حدیث ہند کے مؤلف نے ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے ایسے اکتالیس محدثین کے نام درج کئے ہیں جو شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔ ان میں مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری، وہ اساتذہ ہیں جنہوں نے دارالعلوم سہارنپور میں حدیث کے مصادر پڑھانے کا آغاز کیا۔ شاہ عبدالغنی مجہدی، مولانا قاسم نانوتوی کے شیخ ہیں اور مولانا نذیر حسین برصغیر میں اہل حدیث مکتب فکر کے بانی ہیں۔

⑤ مولانا مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ)

مولانا مظہر نانوتوی نے شاہ اسحاق کے علاوہ علم حدیث کی تعلیم رشید الدین دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) اور مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۷۳ھ) سے حاصل کی۔ آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) ہیں۔

⑥ احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوری (م ۱۲۰۷ھ)

مولانا احمد علی سہارنپوری دہلی میں شاہ اسحاق سے سند حاصل کرنے کے بعد فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے جہاں انہوں نے حرمین شریفین کے محدثین سے استفادہ کیا۔ حجاز سے واپس آنے کے بعد آپ نے اپنی نگرانی میں اور اپنے مشہور شاگرد مولانا قاسم کے تعاون سے دہلی میں مطبع احمدی قائم کیا جس نے حدیث کی مستند کتابیں طبع کر کے ہندوستان میں کئی سال تک قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں صحیح بخاری پر آپ کی تعلیقات کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح بخاری کے اسناد اور متون کے بارے میں وہ تمام معلومات قلم بند کر دی گئی ہیں جن کو جاننا ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ اس

کے علاوہ مولانا احمد علی نے ”جامع ترمذی“ پر حواشی لکھے جو ۱۳۲۸ھ میں مجتہائی پریس، دہلی نے شائع کئے تھے۔
 ۱۸۵۷ھ میں جب حالات بہت بگڑ گئے تو مولانا احمد علی نے مطبع بند کر دیا اور دہلی چھوڑ کر اپنے آبائی شہر
 سہارنپور چلے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ کے بعد آپ مظاہر العلوم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ ۱۲۹۷ھ تک شیخ
 الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔

⑦ شاہ عبدالغنی مجتہدی (م ۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی نے مؤطا امام مالک اپنے والد مولانا شاہ ابوسعید سے پڑھی۔ مشکوٰۃ المصابیح شاہ رفیع الدین
 کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہ سے اور بقیہ کتابیں شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں۔ شاہ عبدالعزیز کی مجلس درس میں
 روایات حدیث کی قرأت آپ کے ذمہ تھی۔ سنن ابن ماجہ پر آپ کا حاشیہ ہے جس کا نام ”انجام الحاجۃ“ ہے۔
 انگریز استعمار کے تسلط کے بعد آپ نے ہجرت کی۔ پہلے مکہ مکرمہ میں رہے پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر
 لی۔ شاہ عبدالغنی صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں دو حضرات ایسے ہیں جنہیں اپنی
 علمی، عملی اور فکری خدمات کی بنا پر بہت زیادہ شہرت، مقبولیت اور محبوبیت حاصل ہوئی۔ ایک دارالعلوم دیوبند
 کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دوسرے شیخ رشید احمد گنگوہی ہیں۔

⑧ مولانا قاسم بن اسد بن غلام شاہ نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)

مولانا قاسم نانوتوی نے درسیات یعنی عربی و فارسی کے مروجہ نصاب کی تعلیم اپنے چچا مولانا مملوک علی
 صاحب سے حاصل کی۔ جو دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم کردہ مدرسہ میں مدرس تھے اور حدیث کا درس شاہ
 عبدالغنی مجتہدی سے لیا۔ آپ نے شروع میں تدریس اختیار کی۔ لیکن بعد میں مطبع احمدی، دہلی سے منسلک ہو گئے
 اور اپنے استاد مولانا احمد علی سہارنپوری کے ساتھ کتب حدیث کو مرتب کرنے اور ان پر حواشی و تعلیقات لکھنے کا
 کام ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی شروع ہونے تک انجام دیتے رہے۔ ۱۸۶۰ء میں آپ نے فریضہ حج انجام دیا
 اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی (م ۱۳۱۷ھ) کے مرید ہو گئے۔ ۱۸۶۶ھ میں مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے مرشد

حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور شیخ شاہ عبدالغنی مجددی کی ہدایت پر دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی دارالعلوم میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا فخر الحسن گنگوہی، اور مولانا احمد حسین امرہوی نے مولانا قاسم نانوتوی سے حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ مولانا قاسم نانوتوی نے ۴ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ بمطابق فروری ۱۸۸۶ھ کو وفات پائی اور نانوتہ میں دفن کئے گئے۔

⑨ میاں نذیر حسین بہاری دہلوی (م ۱۳۲۰ھ)

میاں نذیر حسین صاحب بہار کے ضلع مونگیر میں بمقام بٹوہ پیدا ہوئے۔ مشکوٰۃ المصابیح اور قرآن مجید کے ابتدائی پاروں کی تفسیر کی تعلیم شاہ محمد حسین سے صادق پور میں حاصل کی جو پٹنہ کے قریب ہے۔ ۱۲۳۳ھ میں آپ دہلی گئے اور شاہ اسحق محدث دہلوی کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ جہاں آپ نے علم حدیث میں بھرپور استفادہ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں ایک مدرسہ قائم کیا جو کچھ عرصہ کے بعد پھانک جیش خان کی ایک عمارت میں منتقل کر دیا۔ یہ مدرسہ اور اس کا کتب خانہ جو میاں صاحب کے نام پر کتب خانہ نذیر یہ کہلاتا ہے اب تک موجود ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرح میاں نذیر حسین صاحب بھی ساٹھ برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ محدث کی حیثیت سے آپ کی شہرت تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئی چنانچہ افغانستان، بخارا، سمرقند، حجاز اور سوڈان جیسے دور دراز ممالک سے بھی شوقین طلبہ آپ سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی آتے تھے۔ میاں صاحب کی سوانح عمری ”الحیاء بعد الہما“ میں ایسے پانچ سو محدثین کی فہرست موجود ہے جو میاں صاحب کے شاگرد تھے۔ حافظ ابراہیم آردی، بانی مدرسہ احمدیہ آ رہ، شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد کے مشہور مؤلف) حافظ عبدالمنان پنجابی، نواب وحید الزمان حیدر آبادی، عبدالعزیز رحیم آبادی بہاری، حافظ عبداللہ غازی پوری اور عبدالرحمن مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی کے مؤلف) آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ یہ ایسے محدث تھے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اپنے سینکڑوں شاگردوں کو بھی اس مقصد کے لیے ہندوستان کے تمام اطراف میں پھیلا دیا تھا۔

⑩ مولانا عبدالحی بڈھانوی اور مولانا اسماعیل شہید

مولانا عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے داماد اور شاگردِ خاص اور مولانا اسماعیل شہید شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے بھی درس و تدریس کی خدمات انجام دیں لیکن زبان و قلم سے آگے بڑھ کر اپنے زورِ بازو سے بھی کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کے خلاف جہاد کیا۔ بنگال سے لے کر افغانستان کی سرحد تک کا دورہ کیا۔ وعظ و نصیحت کی، مناظرے کئے۔ جمعہ و جماعت کا اہتمام کیا۔ غلط رسوم اور غلط رواج کا ابطال کیا۔ لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور ان مہمات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مولانا سخاوت علی جون پوری نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں رہ کر ان کے فیوض و برکات کو حاصل کیا۔ مولانا سخاوت علی کچھ عرصہ تک نواب ذوالفقار خان رئیس باندہ کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ جونپور آ کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بہار، جونپور، اعظم گڑھ اور بنارس سے بکثرت طلبہ آپ کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے اور ان کے ذریعہ سے جاہلانہ رسوم کے ابطال اور مذہبی شعائر کے اجراء میں بڑی مدد ملی۔ ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے اسلوب پر مولانا سخاوت علی نے ”القدیم فی احادیث النبی الکریم“ ایک مفید کتاب لکھی جو بین الدولۃ وزیر الملک نواب محمد علی خان آف ٹونک کی ہدایت پر ۱۳۱۳ھ میں مطبع صدیقی بنارس میں چھپی۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں رہ کر حج کا فریضہ ادا کیا۔ اور ۱۲۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے جن کو شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا کرامت علی جونپوری، مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، مولانا غلام محمد جگدیش پوری، مولانا شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا محمد عمر غازی پوری، مولانا غلام جیلانی غازی پوری، مولانا فیض اللہ منوی اعظم گڑھی، مولانا رحیم اللہ بستوی، مولانا سید یعقوب بہاری اور مولانا سید مصطفیٰ شیر صاحب بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ۔ (تذکرہ علمائے ہند: ص ۶۹)

۱۱ فرنگی محل اور علم حدیث

لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا۔ ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین کے عہد سے لے کر مولانا عبدالخلیم کے عہد تک اس خانوادہ فضل و کمال کی عملی کوششوں کا محور منطق اور اصول کی کتابیں رہیں۔ اس طرح ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ علوم حدیث سے نا آشنا رہی۔ یہاں کے مروجہ نصاب میں صرف مشکوٰۃ المصابیح شامل تھی اور یہی ایک کتاب حدیث میں پڑھائی جاتی تھی۔ علمائے فرنگی محل میں سب سے پہلی شخصیت جن کی تالیفات کتب حدیث کے حوالوں سے آراستہ ہیں وہ مولانا عبدالعلی بحر العلوم خلف الصدق ملا نظام الدین ہیں۔ مولانا عبدالعلی نے حدیث کی کتابیں باقاعدہ کسی مرکز میں شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں رہ کر نہیں پڑھی تھیں بلکہ خود حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ شروع میں آپ کا تعلق بھی معقولات سے تھا۔ آپ کی ابتدائی تالیفات جب دہلی میں پھیل گئیں اور شاہ عبدالعزیز نے انہیں دیکھا تو فرمایا: عبدالعلی علوم نقلیہ (قرآن و حدیث) سے کورے ہیں۔ یہ بات جب مولانا عبدالعلی کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فقہ میں ارکان اربعہ کے نام سے کتاب لکھ کر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں اس کا ایک نسخہ بھیجا۔ ارکان اربعہ کی اس کتاب میں محققانہ مسائل پر بحث اور احادیث کے بکثرت حوالے موجود ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ”ملا عبدالعلی تو بحر العلوم ہیں۔“

شاہ عبدالعزیز کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ اطراف و اکناف تک پھیل گیا اور اتنا مقبول ہوا کہ لوگ بحر العلوم کی شہرت کے مقابلہ میں عبدالعلی نام کو بھول گئے اور زبانوں پر بحر العلوم رہ گیا۔ مولانا بحر العلوم کی دو تالیفات ”ارکان اربعہ“ فقہ میں اور ”فواتح الرحموت“ اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں احادیث اور روایات کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ ارکان اربعہ میں جو مباحث ہیں ان کا ماخذ دو کتابیں ہیں اس کتاب کی اصل بنیاد تو علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ہدایہ) پر ہے۔ فتح القدیر میں اہم اور بنیادی کتب حدیث کے اقتباسات اور

حوالے موجود ہیں اور انہی کے مباحث اور حوالوں کا خلاصہ ”ارکان اربعہ“ ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا مخد مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ علامہ ابن اثیر الجزری کی ”جامع الاصول من احادیث الرسول“ ہے جس کا مولانا عبدالحی نے بارہا حوالہ دیا ہے۔ اور اسی سے روایات نقل کی ہیں۔ ”فواتح الرحموت“ کی تالیف کے وقت مولانا عبدالحی کی لائبریری میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اس وقت ”فتح القدیر“ اور ”جامع الاصول“ کے علاوہ حافظ ابن حجر اور حافظ جلال الدین السیوطی کی کتابیں آپ کو مل گئی تھیں۔ چنانچہ ”فتح الباری“، تفسیر ”درمنثور“ اور ”الاتقان فی علوم القرآن“ کے حوالے آپ کی اس کتاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تفسیر ”درمنثور“ اور ”الاتقان“ گو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں مگر ان میں تمام تر بنیاد احادیث اور روایات پر ہے اور ان میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ مصادر حدیث کی روایات بھی آئی ہیں۔ اس طرح ان دونوں کتابوں میں حدیث کی بیشتر کتابوں سے روایات آ گئی ہیں۔ مولانا بحر العلوم نے ان ضمنی روایات کو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس طریقہ سے آپ کی تالیف ”فواتح الرحموت“ میں درج ذیل کتب حدیث کے نام اور حوالے ملتے ہیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، مؤطا امام مالک، متدرک امام حاکم، مسند بزاز، صحیح ابن حبان، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ بھی آپ کے مطالعہ میں تھی۔ جس کا ذکر اس کتاب میں جرح و تعدیل کے ضمن میں آیا ہے اور خیر واحد کی حجیت کے مسئلہ میں بھی شیخ کا حوالہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ تفاسیر اور شروح حدیث میں سے حسب ذیل کتابوں کے حوالے ہیں:

معالم التنزیل للامام بغوی، درمنثور للامام السیوطی، فتح الباری للحافظ ابن حجر العسقلانی، متاخرین محدثین میں امام ابن ہمام اور امام ابن تیمیہ کے نام بھی آئے ہیں۔

کتب حدیث اور ان کی روایات کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آئے ہیں ان سے بآسانی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحیحین مولانا کے مطالعہ میں تھیں اور دیگر کتب حدیث کی روایات بالواسطہ اور زیادہ تر درمنثور اور اتقان سے ماخوذ ہیں اور مؤلف نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کر دیا ہے۔

11.1 ملا مبین اور ملا حیدر

مولانا بحر العلوم کے علاوہ فرنگی محل کے علمائے متقدمین میں دو اور ایسے حضرات کے نام بھی ملتے ہیں جن کا تعلق حدیث سے تھا۔ ایک ملا مبین ہیں جن کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں ہزاروں احادیث زبانی یاد تھیں اور جب آپ وعظ و نصیحت اور خطبہ ارشاد فرماتے تو احادیث کی بنیاد پر فرماتے تھے۔ دوسرے ملا مبین کے بڑے بیٹے مولانا محمد حیدر ہیں۔ ملا حیدر اس خاندان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرب جا کر وہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ ۱۲۴۰ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ پہلے مکہ مکرمہ میں رہے اور پھر مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ مکہ مکرمہ میں سید یوسف بطاح یمنی اور شیخ ملا عمر کی سے صحیحین پڑھیں۔ حجاز میں قیام کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ حیدر آباد واپس آئے۔ اور پھر اپنی وفات تک حیدر آباد ہی میں رہے۔

11.2 مولانا عبدالرزاق

فرنگی محل کے ایک اور مشہور شیخ مولانا عبدالرزاق ہیں۔ آپ نے حدیث کی کتابیں اپنے خاندان سے باہر مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادی اور مرزا حسن علی محدث لکھنوی سے پڑھیں۔ اور پھر اپنے شیوخ کے ساتھ مل کر حدیث کی اہم کتابیں شیخ محمد حسن مدنی سے اس طرح پڑھیں کہ مولانا عبدالرزاق ”قرآۃ“ کرتے تھے اور باقی علماء سماعت کرتے تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں آپ نے سند حاصل کی۔ مولانا عبدالرزاق کے دونوں بیٹوں، مولانا عبدالباسط اور مولانا حافظ عبدالوہاب نے اپنے والد سے حدیث پڑھی۔ (اغصان اربعہ: ص ۱۰۷)

11.3 مولانا عبدالحلیم

علمائے فرنگی محل میں علم حدیث کے درس و تدریس کا باقاعدہ نظام مولانا عبدالحلیم (مولانا عبدالحی کے والد) کے دور سے شروع ہوا۔ مولانا عبدالحلیم نے مفتی محمد یوسف اور دیگر علمائے فرنگی محل سے علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ ۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار بہادر رئیس باندہ (بندیل کھنڈ) کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر اپنے

استاد مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محل کی جگہ پر جو پور کے مدرسہ امامیہ حنفیہ کے مدرس ہوئے۔ ۱۲۷۷ھ میں نواب سالار جنگ کی طلب پر حیدر آباد گئے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں کے علماء و شیوخ سے کتب حدیث کی سند حاصل کی جن میں سب سے پہلے نام شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی کا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد جمال حنفی، محمد بن محمد العرب شافعی مدرس مسجد نبوی ﷺ اور مولانا شاہ عبدالغنی مجذبی سے فیوض و برکات اور اجازت و سند حاصل کی۔ منطق، فلسفہ، کلام اور اصول کے علاوہ حدیث و سیر اور فقہ کے مسائل پر رسالے مرتب کئے۔ مثلاً: نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن، برکات الحرمین، خیر الکلام فی مسائل الصیام، ایقاد المصابیح فی صلاة التراویح، الأسماء فی تحقیق الدعاء، غایة الکلام فی بیان الحلال والحرام، القول الحسن فیما يتعلق بالنوافل والسنن، عمدة التحریر فی مسائل اللون واللباس التحریر۔

۱۲۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

11.4 مولانا محمد نعیم صاحب

مولانا محمد نعیم، مولانا بحر العلوم کے پوتے اور عبدالعلیم کے بیٹے ہیں۔ آپ نے اپنے والد ہی سے استفادہ کیا اور انہی کی آغوش میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے اور اسلاف کی زندہ یادگار تھے۔ تعلیم سے فراغت پا کر حجاز گئے اور وہاں کے شیوخ سے سند حاصل کی۔ آپ کو جہاں حدیث میں کمال حاصل تھا وہاں فقہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان میں جس شخصیت کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ مولانا سید عبدالحی صاحب ہیں جو ندوة العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے۔ مولانا محمد نعیم کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں حدیث کی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا انتہائی شوق تھا۔ جب معانی الآثار کی کتاب مارکیٹ میں آئی تو مولانا کے پاس اس کو خریدنے کے لیے رقم نہیں تھی چنانچہ انہوں نے اپنا ایک مکان بیچ دیا اور رقم لے کر کتاب خرید لی۔

11.5 مولانا عبدالحی

فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحی صاحب کے عہد میں ہوئی۔ آپ نے تعلیم و تربیت اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے پائی۔ ساتھ ہی دو مرتبہ حجاز جا کر وہاں کے علماء اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں۔ پہلی مرتبہ اپنے والد کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں شیخ احمد دحلان اور شیخ عبدالغنی مجہدی دہلوی سے حاصل کیں۔ مولانا عبدالحی نے گو عمر بہت کم پائی۔ ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ کل چالیس برس کی عمر پائی مگر اس مختصر عمر میں آپ کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور تحقیق و تدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیاے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف و اکناف سے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور استفادہ کرتے تھے۔ معقول و منقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخرین لمحے تک ٹھائیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم و فنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کے جملہ اطراف کے طلبہ آپ کے وجود سے مستفید ہوئے۔ آپ نے حدیث اور متعلقات حدیث کی متعدد کتابیں اپنے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیں۔ حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے تحریر کئے۔ مولانا عبدالحی جس دور میں تھے یہ وہ دور تھا جب ہر طرف عدم تقلید کا قضیہ نیا نیا اٹھ رہا تھا اور ہندوستان میں جگہ جگہ علم حدیث کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بھوپال اور دہلی میں علمائے اہل حدیث کا مجمع تھا۔ رسالوں پر رسالے نکل رہے تھے۔ ادھر لکھنؤ میں ان کے مقابلہ میں مولانا عبدالحی لکھنؤ کی ہستی تھی۔ نواب صدیق حسن خان اس زمانہ میں اہل حدیث مکتبہ فکر کے امام اور مولانا عبدالحی لکھنؤی احناف کے سرکردہ تھے۔ دونوں طرف سے تقلید، عدم تقلید، اور مذاہب اربعہ کے متدلات کے حوالے سے لمبی لمبی بحثیں ہوئیں اور تحریری کام ہوا۔ متون کتب میں سے مولانا عبدالحی نے مسند امام ابوحنیفہ، مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا اور ان کو چھپوا کر شائع کیا۔ متعلقات حدیث میں سے موضوعات سیوطی، المقاصد الحسنیہ للامام السخاوی، فتح المغیث اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابیں آپ کی ہدایت پر آپ کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں۔

کتابوں پر حواشی لکھنے اور اشاعت میں مولانا عبدالحی لکھنؤی کو جو اہتمام تھا اس میں دو باتیں خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے۔ مولانا عبدالحی سے پہلے کسی شارح یا حاشیہ نگار نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یورپ میں مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہاں کے محققین مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کی معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں مولانا عبدالحی نے علمائے یورپ کے طریق کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ دی اور بالکل اس طریق پر بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا۔ آپ نے جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا۔ پھر اس پر حواشی لکھے۔ شروع میں مقدمہ لکھا جس میں مصنف، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے۔ کتاب اور متعلقہ فن کی دوسری کتابوں کے بارے میں معلومات جمع کیں اور اس فن کی مختصر تاریخ بھی لکھی۔ دوسری قابل ذکر بات کتابوں کی صحت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابیں اور ان پر باریک حاشیے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے۔ آج جبکہ ہر قسم کی سہولیات موجود ہیں۔ کتابت کی بجائے کمپوزنگ ہے۔ طباعت کے نئے طریقے ہیں۔ پروف ریڈنگ جتنی باریک کی جائے کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی کتابوں میں غلطیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنؤ کے ساتھ آپ کے شاگرد مولانا خادم حسین عظیم آبادی اور مولانا عبدالعلی مدراسی کے اہتمام کو بھی دخل تھا۔ مولانا لکھنؤ کے شاگردوں میں اس فن کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے جن میں قابل ذکر مولانا ظہیر احسن، مولانا حکیم عبدالباری عظیم آبادی، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا قادر بخش سہرامی، مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری، مولانا عبدالکریم پنجابی، اور مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ کر علم و فن کی خدمت کی۔ مولانا لکھنؤ کے شاگردوں میں مولانا ابوالفضل محمد حفیظ اللہ صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صدر مدرس رہے اور مولانا شاہ محمد سلیمان چشتی پھلواروی کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔

11.6 مولانا عبدالباری

سب سے آخر میں فرنگی محل کے علم و فضل کا دائرہ جناب مولانا عبدالباری کے نقطہ کمال میں سمٹ کر آ گیا تھا۔ مولانا عبدالباری نے فرنگی محل میں جناب مولانا عین القضاة صاحب (مولانا عبدالحی کے شاگرد) سے کتابیں پڑھیں اس کے بعد حجاز جا کر علم حدیث کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ میں قیام کیا اور شاہ عبدالغنی مجتہد دی کے تلامذہ میں سے سید محمد علی اثری اور شیخ رحمت اللہ سے سندیں حاصل کیں۔ مولانا عبدالباری کو فقہ حنفی کے ساتھ والہانہ تعلق تھا اور اس کی نادر و کمیاب اور ائمہ احناف کی اصل کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور ساتھ ہی ایسی حدیثوں کی بھی آپ کو بڑی تلاش رہتی تھی جن سے کسی بھی مسئلہ میں حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ مولانا عبدالباری کی مجالس میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کے مصادر و اعلام اور تحقیقات سے متعلق بحث ہوتی تھی۔ حدیث و فقہ کی نادر مخطوطات کی بہم رسانی کا بھی آپ کو شوق تھا۔ امام محمد کی ”السیر الکبیر“ کے نسخہ پر آپ نے کام کیا۔ کتاب الآثار للامام محمد کے رجال کی تحقیق پر رسالہ مرتب کیا۔ احادیث متواترہ جمع کیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب ”مصنف“ میں ایک خاص باب امام ابو حنیفہ کے رد میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں چھپ بھی گیا ہے۔ مولانا عبدالباری نے امام ابن ابی شیبہ کے اس رد کا جواب لکھا۔ اس کے علاوہ بھی مختصر رسالے آپ نے مرتب کئے جن میں سے ایک مجموعہ گیارہ مقالات پر مشتمل ہے۔

عزیز طلبہ و طالبات!..... آپ نے اب تک ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ان محدثین کے بارے میں مطالعہ کیا ہے جن کا تعلق شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مراکز سے رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مدرسہ دہلی میں بارہویں صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا۔ پھر شیخ سلام اللہ محدث نے اس کو رام پور منتقل کر دیا اور وہ خود اس کے سربراہ رہے۔ شیخ احمد سرہندی کا مکتب سرہند تھا جو ۱۰۷۱ھ سے سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا شکار بن گیا۔ اس لیے ۱۰۶۲ھ میں یہ بھی رام پور منتقل کر دیا گیا۔ ریاست رام پور کے نوابوں کی شاہانہ فیاضی کی بدولت سرہند اور دہلی کے یہ دونوں مدارس بہت اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ تیرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی تک علم حدیث کی ترویج و ترقی کا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن

۱۲۲۹ھ میں شیخ سلام اللہ کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مدرسہ بند ہو گیا اور دوسرے مدرسہ کے سربراہ شاہ ابوسعید مجددی (م ۱۲۵۰ھ) رام پور چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالعزیز کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سرہند کا مدرسہ بھی شاہ ولی اللہ کے مرکز میں ضم ہو گیا۔ شاہ عبدالغنی مجددی جو دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کے شیخ ہیں اس متحدہ مکتبہ محدثین کی ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی دونوں بزرگوں کے مکاتبہ حدیث کا خلاصہ اور ماحصل ہے اور اس میں ان دونوں اداروں کی روح کارفرما ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور اپنے قیام اور ترقی کے لیے مولانا مظہر نانوتوی کا مرہون منت ہے جو شاہ اتحق دہلوی کے شاگرد تھے۔ جب سے یہ ادارے قائم ہوئے ہیں یہ اپنے قابل اور باصلاحیت علماء کی سرکردگی میں منجملہ دیگر علوم اسلامیہ، ہندوستان میں علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ اور نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں، بلکہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد یہاں تحصیل علم کے لیے آتی ہے۔ چنانچہ علم حدیث میں خصوصی مہارت و قابلیت حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کے طلبہ، جو پہلے حجاز جاتے تھے اب وہاں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ دونوں ادارے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اب بھی شیخ مجتہد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی زندہ یادگار کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

خود آزمائی ②

- (۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی حیات و خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیجئے۔
- (۲) شاہ عبدالعزیز کی تالیفات پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیجئے۔
- (۳) شاہ اتحق دہلوی کے مرکز حدیث کے نتائج و اثرات پر بحث کیجئے۔
- (۴) مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کی علمی خدمات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- (۵) مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا نذیر حسن بہاری کے مراکز حدیث پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کیجئے۔
- (۶) فرنگی محل اور علم حدیث کے موضوع پر ایک شذرہ تحریر کیجئے۔

فہرست مصادر و مراجع

- ۱- اخبار الاخیار مؤلف عبدالحق دہلوی
- ۲- زہدۃ الخواطر از عبدالحی حسنی
- ۳- مآثر الکرام از علامہ غلام علی آزاد بکرامی
- ۴- تذکرہ علماء ہند از رحمان علی
- ۵- سیر الاولیاء مؤلف امیر خورد
- ۶- فوائد القواد اردو ترجمہ: غلام احمد
- ۷- تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی
- ۸- تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ
- ۹- طبقات ناصری از منہاج السراج
- ۱۰- ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان
- ۱۱- المحطۃ فی ذکر صحاح ستہ از نواب صدیق خان
- ۱۲- معارف العوارف از عبدالحی حسن
- ۱۳- خزینۃ الاصفیاء از علام سرور
- ۱۴- یادایام از عبدالحی حسنی
- ۱۵- عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز
- ۱۶- تراجم علمائے حدیث ہند از امام خان نوشہروی
- ۱۷- حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی
- ۱۸- مقدمہ او جز المسالک از مولانا محمد زکریا کاندہلوی
- ۱۹- نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر حسن گیلانی

- ۲۰- منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
- ۲۱- عرب و ہند کے تعلقات از سید سلمان ندوی
- ۲۲- عربوں کی جہاز رانی از سید سلمان ندوی
- ۲۳- حیات شبلی از سید سلمان ندوی
- ۲۴- ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہی از ابوالحسنات ندوی



یونٹ نمبر 14

تاریخ استشراق و مستشرقین 1

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

441	پونٹ کا تعارف
442	پونٹ کے اغراض و مقاصد
443	① مستشرقین
444	1.1 مستشرقین سے متعلق عربی مصادر
445	1.2 مستشرقین سے متعلق اردو مصادر
448	② استشراق
448	2.1 لفظی اور اصطلاحی مفہوم
449	2.2 مستشرقین اور پیغمبر اسلام
451	2.3 تحریک استشراق کا آغاز
454	2.4 سولہویں صدی عیسوی اور تحریک استشراق
456	③ تحریک استشراق کا ارتقاء
456	3.1 ایڈورڈ پوکاک
457	3.2 ولیم ہیدول
457	3.3 واٹنیر
457	3.4 ہانجر

- 458 3.5 ڈاکٹر ہنری اسٹب
 458 3.6 جین بررڈ
 458 3.7 لینسلوٹ ایڈیسن
 458 3.8 ہمفرے برائی ڈیکس

④ تحریک استشراق اور اٹھارہویں صدی عیسوی

- 459 4.1 سائمن اوکلے
 460 4.2 ایڈورڈ پوکاک
 460 4.3 جارج سیل
 461 4.4 جین گینجیئر
 461 4.5 رسک
 461 4.6 ایڈورڈ گین
 461 4.7 والٹیر

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ”تحریک استشراف و مستشرقین“ سے ہے۔ جس طرح علمائے حدیث نے حدیث اور علم حدیث کے مصادر و مآخذ کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کے لیے کام کیا۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی حدیث اور علم حدیث کے بہت سارے مصادر پر تدوین اور ترتیب کے پہلو سے کام کیا۔ ان دونوں گروہوں میں فرق یہ ہے کہ علمائے حدیث نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ارادت، عقیدت، محبت اور عبادت کے طور پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ ان حضرات نے رسول کریم ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حدیث رسول ﷺ کی خدمت کو اپنا مشغلہ بنایا اور اس خدمت میں دن رات مگن رہے۔ جبکہ مستشرقین حضرات کا ہدف محض یہ رہا کہ ان مصادر کی محتویات میں کسی طرح مین میکھ نکالا جائے اور ان لوگوں کے سامنے جو حدیث کے علوم و فنون سے ناواقف ہیں حدیث کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ وہ اس کے بارے میں مذہب اور مرتد ہو جائیں۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لیے حدیث کے مصادر پر بھی تنقید کی۔ حدیث کے رواد کو بھی نشانہ بنایا اور حدیث کے متون کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کر دیا۔ تحریک استشراف کا آغاز کیسے ہوا۔ اس تحریک کے اہداف کیا تھے؟ اس تحریک کے اہم عناصر کون کون سے رہے۔ اس یونٹ میں ان سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحریک استشراف سے متعلق زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی میں ہے اس لیے ہمارے ہاں زیادہ تر طلبہ اس تحریک کے خدوخال سے ناواقف رہتے ہیں۔ آپ اس یونٹ کو توجہ اور انہماک کے ساتھ پڑھیں۔ امید ہے متعلقہ موضوع پر بنیادی نکات آپ کے سامنے آجائیں گے۔ اگر آپ اس پر تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو یونٹ میں دیئے گئے مراجع اور مصادر کی طرف رجوع کیجئے۔ امید ہے کہ آپ اس یونٹ کو مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
 - ⇨ مستشرقین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
 - ⇨ استشرق کی لفظی اور اصطلاحی مفاہیم کی وضاحت کر سکیں۔
 - ⇨ تحریک استشرق کے ارتقاء کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بات کر سکیں۔
 - ⇨ سترھویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کے نام بتا سکیں۔
 - ⇨ اٹھارہویں صدی عیسوی میں تحریک استشرق کی نوعیت اور ماہیت پر بحث کر سکیں۔

① مستشرقین

ہمارے ہاں کے علمی اور دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور ہو چکا ہے اور اب ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی جدوجہد، ان کی تحقیقی کارناموں اور ان کے اثرات و لوازمات سے واقف نہ ہوں۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالہ سے بالعموم اور مطالعہ حدیث و سیرت کے حوالہ سے بالخصوص، مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کے رویہ اور سلوک اور ان کی کیفیت و کمیت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ آگاہی رکھتے ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے بارے میں صورتحال اب پہلے سے مختلف ہو چکی ہے۔ ایک دور تھا کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کے لیے مستشرقین کا تعصب اپنے انتہاء پر تھا اور ان کی تحریروں میں بے باکی و گستاخی فحاشی کی حد تک پائی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ بحیثیت مجبوری، مختلف عوامل کے نتیجے میں شدت کم ہوتی چلی گئی۔ مختلف فرقے وجود میں آئے اور انکشاف حقیقت کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی جماعت میں کچھ معتدل مزاج مصنفین بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ عہد جدید میں استشراق (Orientalism) اور مستشرقین (Orientalists) مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور دنیائے اسلام کو بہت غلط طور پر پیش کیا ہے۔ نتیجہ یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جو کچھ نظریات پہلے قائم کئے گئے تھے ان کو بالکل بدلنا ممکن نہ ہو تو ان پر نظر ثانی بہر حال کی جانی چاہئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب بعض مستشرقین نے اپنے نظریات واقعتاً تبدیل کر لیے ہیں۔ مثلاً عہد جدید کے عظیم ترین مستشرق گب کے نظریات، یا دور حاضر کے مستشرق اسمتھ وغیرہ۔ اسمتھ لکھتے ہیں:

”جدید سائنسی تحقیقات نے بہت سے مفروضات کو باطل قرار دے دیا ہے اور

جدید مغرب اب اسلام کے معاملے میں نرم (Soft) پڑ گیا ہے اور معاملہ میں نفی

(No) سے رجوع کر لیا ہے۔“

اسمٹھ نے H.A.R. Gibb کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ وہ قرآن کو وحی الہی اور تنزیل ماننے لگا تھا۔ ایک اور مسیحی عالم Kenete Cragg کے متعلق اس کی شہادت ہے کہ وہ قرآن کو مذہبی اعتبار سے مسترد کرنے سے انکاری ہے۔ آگے چل کر اسمٹھ نے توقع ظاہر کی ہے کہ آئندہ دور میں غالباً مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوال و جواب میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

(Smith, W.C: an understanding Islam, Selected Studies, Mouton Publishers, Hague. 1981 (P 296-299)

1.1 مستشرقین سے متعلق عربی مصادر

اب الحمد للہ صورتحال ایسی ہو گئی ہے کہ مستشرق مشرق بہ اسلام بھی ہو گئے ہیں۔ مثلاً مارٹن (Martin) Lings (Schun) اور حامد الگر (Hamid Algar) وغیرہ دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور عربی میں بالخصوص مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم و تحقیق کی نوعیت اپنے پراپوں سب پر کھلتی جا رہی ہے بلکہ گزشتہ تین چار عشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ان کتابوں میں خاص طور پر ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب قابل ذکر ہے۔ مصنف نے استشراق کے تمام مسائل پر مفصل بحث اور جرأت مندانہ تجزیہ کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی، معاشرتی، اور ثقافتی حالات، دنیا کے ہر حصہ میں بہت حد تک الٹ پلٹ ہو چکے ہیں۔ علم و تحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہو چکی ہیں اور پرانی نسل کے مقابلہ میں نوجوان نسل فکر و نظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔ انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصہ شہود پر آ چکی ہیں۔ مثلاً:

- ۱- نجیب العقیقی المستشرقون (۳ جلد) دار المعارف مصر ۱۹۶۳ء
- ۲- احمد، ابراہیم خلیل المستشرقون والمبشرون قاہرہ ۱۹۶۳ء
- فی العالم الاسلامی

- ۳- زکریا، ہاشم زکریا المستشرقون والاسلام لجنة التعریف بالاسلام ۱۹۶۵ء
- جمهورية العربية المتحدة

- ۴- محمد الہی المشرقون والمستشرقون الازھر
فی موقفهم عن الاسلام
۵- حسین البراوی المستشرقون والاسلام المجلس الاعلى للشئون الاسلامیة
۶- محمد الدسوقی الاسلام والمستشرقون قاہرہ، ۱۹۷۲ء
۷- عبد الجلیل شلی الاسلام والمستشرقون قاہرہ، ۱۹۷۷ء
۸- دکتورہ عفاف صبرہ المستشرقون ومشکلات دار النهضة العربیة، ۱۹۸۰ء

الحضارة

ان کتابوں میں سے نجیب العقیقی کی کتاب اہم اور مفصل ترین ہے۔ جو اسم باسٹمی ہے اور اس موضوع پر واقعی ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے بڑی جامعیت کے ساتھ دنیائے مغرب کے تمام اہم علاقوں، فرانس، اٹلی، برطانیہ، اندلس، سوڈن، روس اور امریکہ وغیرہ کے تمام قابل ذکر مستشرقین کے احوال و آثار کو جمع کر دیا ہے۔

www.kitabosunnat.com

1.2 مستشرقین سے متعلق اردو مصادر

جہاں تک اردو زبان میں مستشرقین کی تحقیقات اور اس کے جواب میں تحقیقی کام کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے کوئی منظم اور باقاعدہ کام اب تک سامنے نہیں آیا۔ ہاں انفرادی طور پر بعض حضرات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً:

- (۱) ڈاکٹر محمد حسین ”وام ہمرنگ زمین“
(۲) پروفیسر احمد رابت ”مستشرقین کی بے خبری“
اردو ترجمہ خلیل احمد حامدی
(۳) عبد الوہاب جودی ”مستشرقین اور احادیث رسول“
(۴) مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ”مستشرقین اور تحقیقات اسلامی“

مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے یہ مقالہ شام ہمدرد اور لہندی میں ۱۹۶۹ء میں پیش

کیا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔

(٥) ڈاکٹر پیر محمد حسن ”مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت“

مجلد ”فکر ونظر“ اسلام آباد۔ شمارہ مارچ ٦١٩٧ء

(٦) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ”مستشرقین کے تصور اسلام کا تاریخی پس منظر“

ماہنامہ ”معارف“، اعظم گڑھ، شمارہ اکتوبر ١٩٨٢ء

(٧) محمد اسد شہاب ”روسی اسٹشرق“

ماہنامہ ”معارف“، اعظم گڑھ۔ شمارہ جولائی ١٩٨٢ء

(٨) پروفیسر حبیب الحق ندوی ”اسلام اور مستشرقین“

ماہنامہ ”معارف“، شمارہ، مئی، جون، جولائی ١٩٨٣ء

(٩) فلپ کے ہٹلی ”اسلام اور محمد مغربی لٹریچر میں“

اردو ترجمہ: وحید الدین خان، ماہنامہ ”محمدؐ“۔ رسول نمبر ٢، ص: ٣٣

(١٠) ہندوستان کے مقتدر علمی ادارہ ”دارالمصنفین“ کے تحت ”اسلام اور مستشرقین“ کے موضوع پر

ایک بین الاقوامی سیمینار ٢١ تا ٢٣ فروری ١٩٨٢ء میں منعقد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے منتخب

مسلمان علماء اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ اور بہت ہی خیالات انگیز مقالات پیش کئے۔

سیمینار میں مستشرقین کے سلسلہ میں جوابی کام کے لیے لائحہ عمل پر بھی غور و فکر کیا گیا۔ اجلاس کی

روئیداد ماہنامہ ”معارف“، اعظم گڑھ میں برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کی آخری آٹھویں قسط

اکتوبر ١٩٨٢ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریک اسٹشرق کا جواب، اردو زبان

وادب میں اب تک نہیں دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس صدی کی ابتداء میں اس موضوع پر جو اکا دکا کام

شروع ہوا تھا اور پھر جسے علامہ شبلی نعمانی نے مؤثر بنانے کی کوشش کی تھی اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ

روز بروز مدہم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب صورتحال بہت ہی مختلف ہو گئی ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے

کہ ادھر مغربی، یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب و لہجہ کے فرق کے ساتھ تاحال جاری و ساری ہیں اور ان کے

عزائم و مقاصد میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ لیکن ادھر ہماری طرف انتظام و اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ علامہ

شبلی نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اور ان کے معیار کی جو نشاندہی کی ہے اور ان کی تصانیف کو جس طرح جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کنگھالا جاتا اور تمام علوم اسلام یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ اسلامی اور سیرت کے باب میں واقفیت تامہ حاصل کر کے، ان کی غلطیوں، بددیانتی اور تلخیص و تحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا اور اس ضمن میں بڑے پیمانہ پر ایک منظم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر ایسا نہیں ہو سکا بلکہ المیہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت و شدت کو سمجھا نہیں گیا۔ نہ ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم و تحقیق کی سرپرستی کر سکیں اور ان کی کوششوں کو متحد و منظم کر سکیں جو انفرادی و اجتماعی اور نجی و سرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔ ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اس معیار کی علمی و فنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرہ امتیاز ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے اس تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی۔ مثلاً علم و تحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسس و تفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت، ادب و ثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم و فنون سے دلچسپی، مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت و ریاضت وغیرہ۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ مستشرقین کی تحریک کو بڑی حد تک تقویت خود ان مسلمان محققین و علماء کے رویہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصول تعلیم و تحقیق کے لیے جاتے ہیں تو وہاں کے احوال و مناظر سے اس درجہ متاثر و مرعوب ہو جاتے ہیں کہ انہی کے ہم آواز ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی فکر، اپنی روایات و اقدار اور معمولات و اعمال سے بھی ہاتھ دھو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ

”ادھر دنیائے مشرق کے علماء، مغربی علماء اور مستشرقین پر اپنا علمی رعب قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مشرق میں مستشرقین اور علمائے مغرب کو اعزاز و استناد حاصل ہے اور اس درجہ حاصل ہے کہ شام، عراق، مصر وغیرہ میں علمی و تحقیقی اداروں کی رکنیت انہیں پیش کی جاتی ہے۔ ان کے مشورے اور آراء کو خاص وقعت دی جاتی ہے اور عربی و اسلامی دنیا کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ خود مستشرقین کی تحقیقات و مطالعات اور تجزیات پر اندھا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان کی دریافت کو حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔“

② استراق

2.1 لفظی اور اصطلاحی مفہوم

استراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لفظی لحاظ سے بہت زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان و ادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارہویں صدی کے آخر میں شروع ہوا۔ چنانچہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں الفاظ Orient سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں ”شرق، یا مشرق یا مشرقی سمت جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے“۔

پھر اس سے Oriental ہے یعنی مشرقی، جو تمام معنوں میں مغربی Occidental کا ضد ہے۔ اس لحاظ سے مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم و فنون، آداب و ثقافت اور تہذیب و تمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔

عربی میں ”استراق“ کے لغوی معنی ہیں بہ تکلف مشرقی بننا اور مستشرق کا مطلب ہوگا وہ شخص جس نے یہ تکلف مشرقیت اختیار کی۔ اردو زبان میں بھی مستشرق کا مفہوم یہی ہے یعنی وہ یورپین اور امریکن سکالر، جو مشرقی زبان یا علوم کا ماہر ہو۔ مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن زیادہ وسیع مفہوم میں وہ تمام غیر مسلم مصنفین بھی آتے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور حدیث و سیرت کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔ (ڈاکٹر عفاف صبرہ، المستشرقون ومشكلات الحضارة: ص ۹)

زبان و لغت کی بحث سے استراق اور مستشرق کا مفہوم اگرچہ ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

تاہم استراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جبکہ استراق السنہ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و عناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض و عناد پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین

مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشرق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری اور بنیادی مباحث کو موضوعِ سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ، اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی دورِ جدید کی ضروریات و حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کے اقوال و افعال اور سیرت و کردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں۔ اور ان کے لائے ہوئے متن کو ناقابلِ توجہ اور غیر اہم گردانا جائے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعمیر و ترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعہٗ خرافات ٹھہرے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "Islam & Western Orientalists" میں اس موضوع کے بعض اہم نکات کی وضاحت کی ہے۔

2.2 مستشرقین اور پیغمبر اسلام

ان تمام تجربات و مطالعات کا ہدف بہر حال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت، اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدینتی کے باوجود مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی و انسلاک کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے ان کے فکر و فن اور تحقیق و تالیف

کا معیار بھی جدا جدا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے مصنفین یورپ کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل مآخذ سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان اور علم، ادب، تاریخ، فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر مثلاً تفسیر، حدیث اور سیرت و اصول کے فن سے نا آشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن جب حدیث اور سیرت رسول ﷺ پر قلم اٹھایا تو کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی بھرمار کر دی۔“

(سیرۃ النبی ﷺ، ج ۱، ص: ۹۵-۹۷)

زبان و لغت کی بحث سے استشرق اور مستشرق کی نوعیت و ماہیت اگرچہ کسی قدر واضح ہو جاتی ہے تاہم استشرق، السنۃ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے یک رخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و عناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض و عناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علیست کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اب مستشرقین کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کریں۔ اسلام کی حقانیت اور اسلام کے ساتھ اہل اسلام کی جذباتی لگاؤ کو کم کرنے کے لیے مناسب دلائل تلاش کریں۔ مسیحیت کو عالم اسلام میں ایسی شکل و صورت دے کر پیش کریں کہ اس میں کشش اور جاذبیت ہو۔ مشنری سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کریں اور خاص کر عالم اسلام میں مشنریز کا مربوط جال (Network) پھیلانے کے لیے مالی اور مادی وسائل جمع کریں اور انہیں بروئے کار لائیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس دوسرے مرحلہ میں استشرق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوعِ سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے

ی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں اور قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا۔ تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہد جدید کی ضروریات و حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت و کردار کے بارے میں ان نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابل التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعمیر و ترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعہ خرافات ٹھہرے۔ ان تمام مطالعات کا ہدف بہر حال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور مرد و ایم کے ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نقل کر عقلیت، عملیت اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدینتی کے باوجود مخالفت اور مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، انداز استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے فکروں اور تحقیق و تالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔

2.3 تحریک استشرق کا آغاز

تحریک استشرق کو اگر خلاف اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔ اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہل مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض و عداوت کا اظہار موقع بر موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور دفور جذبات سے سرشار، زور،

بارنظنی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایات صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ افواہوں کی شکل میں اڑتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی آئندہ نسلوں کا سرمایہ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانی اسلام کے حوالہ سے ان کی مخالفت و خصامت کا عام انداز یہی رہا اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق و واقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا ایک بظاہر سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں اور ان کی تعلیمات و ارشادات اور ہدایات کو سمجھ سکیں۔ اس پر متزاد یہ کہ تصادم و کشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے۔ اس تصادم کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے لیے پروفیسر ظفر علی قریشی کا مقالہ بہت مفید ہے جو ماہنامہ ”اسلامک لٹریچر“ (اپریل تا اکتوبر ۱۹۶۸ء) میں طبع ہوا ہے۔ تصادم اور کشمکش کے واقعات کے علاوہ بعد کے دور میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ دشمنی اور عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری کر گیا ہے جو آج تک نہیں اترتا۔ صلیبی جنگوں کے طویل مہمات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا سبب بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد دہنی اور فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو نقصان پہنچایا جائے۔ (صلیبی جنگوں میں پہلے خود مسیحیت کی طرف سے ہوئی اور پوپ ار بن ثانی کے خطبہ جنگ ۱۰۹۵ء کے بعد ہی میدان جنگ گرم ہوا۔ یہ جنگیں ۱۰۹۹ء سے ۱۳۶۳ء تک جاری رہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے مقالہ کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ یہ مقالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور کی جلد نمبر ۱۲ میں طبع ہوا ہے۔ ص ۲۰۹)

(۲۲۱۳)

فکری محاذ پر دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، شریعت کے بنیادی مصادر، پیغمبر اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے

جذبائی طوفان پہلے سے موجود تھا۔ پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم اور معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی بے بنیاد اور ناکارہ تھی، بہر حال مفید مطلب تھیں۔ جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاسکتا تھا اور سیرت رسول اللہ ﷺ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جاسکتا تھا۔

اس پورے عرصہ میں بحیثیت مجموعی، اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں، مغرب کے پاس معلومات انتہائی ناقص اور مبہم تھیں اور اس خلاء کو افسانہ طرازی اور دیومالائی کہانیوں سے پر کیا گیا۔ اس افسانوی اور دیومالائی مواد کے بھی دو حصے تھے ایک حصہ تو وہ تھا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ کے واقعات سیرت کو پیکر خیال میں پیش کیا گیا۔ اور دوسرا حصہ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد اور کذب و افتراء سے عبارت تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا: ج ۱۲، ص ۶۰۵-۶۰۹)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ تو کئی مستشرقین نے کیا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر جان آف دمشق ہے۔ جان آف دمشق کا زمانہ ۷۰۰ء تا ۷۵۴ء تھا۔ جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل، راہب اور پادری تھا۔ جان کو بازنطینی روایات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ پہلے اسی نے بھڑکائی۔ جان آف دمشق اور اس کے پیروکاروں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی نامناسب رویہ اپنایا اور آپ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ و کلمات استعمال کئے جن کے استعمال کی توقع عام طور پر شائستہ، مہذب اور پڑھے لکھے افراد سے نہیں کی جاتی۔ جان ہی وہ پہلا مشنری تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر جنسی الزامات لگائے۔ جان کے بعد آنے والے قرون وسطیٰ کے بیشتر مستشرقین نے بھی جان کا تتبع کرتے ہوئے تصویر رسول ﷺ کو خوب بگاڑا۔ گھسے پٹے الزامات عائد کئے اور چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد کئی صدیوں تک بھی مسیحی نفرت و عداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور اہل مغرب رسول اکرم ﷺ کو بدستور جھوٹا اور مکار قرار دیتے رہے تھے کہ اتنے میں صلیبی جنگوں کے طویل سلسلہ نے جلتی پرتیل کا کام کیا۔ صلیبی جنگوں

میں صلیب کو شکست ہوئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہوا۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ میدان جنگ میں رسد، کمک اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود وہ مسلمانوں کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تو پھر انہوں نے کمال عیاری سے اسباب، وسائل اور تدبیر و حکمت عملی کو یک سر بدل ڈالا اور گویا یہ فیصلہ کر لیا کہ جنگ جیتنے کے لیے نیا ترکش، نئے تیر استعمال کئے جائیں۔ اور ”گرم جنگ“ نہ سہی، ”سرد جنگ“ میں مسلمانوں کو زیر کیا جائے۔ اور یہ سرد جنگ مادی ہتھیاروں سے نہیں، علم و تحقیق کے معنوی ہتھیاروں سے لڑی جائے۔ شائد اس لیے رائمنڈ ل (Raymond Lull) نے اہل مغرب کو سب سے پہلے مشرقی علوم کی تحصیل پر آمادہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

”ایک پر امن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے جس کا اسلحہ اور ساز و سامان خالص روحانی ہو۔“

نوٹ: اس بحث کی تفصیل کے لیے بارکر، اینسٹ کی کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبد المجید سالک نے ”حروب صلیبیہ“ کے نام سے کیا ہے۔ یہ کتاب مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

2.4 سولہویں صدی عیسوی اور تحریک استشرق

سولہویں صدی عیسوی میں بالآخر وہ مرحلہ آ گیا جبکہ ایک طرف تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کا اتحاد ہوا سب نے مل کر اسلام کو اپنا واحد مشترک دشمن قرار دیا۔ اور ایک متحدہ رومن کیتھولک چرچ کی بنیاد رکھی گئی اور دوسری طرف یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس محاذ پر پہلے صرف عیسائی، یہودی، راہب، پادری، قصہ گو، مناظر اور شاعر وغیرہ ڈٹے ہوئے تھے اب ان کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء، علماء اور فضلاء لیں گے جو کلاہ علمی سے آراستہ ہوں گے اور درس و تدریس کی مسندوں پر فائز ہو کر داد و تحقیق دیں گے۔ تاکہ ادھر ان کے ان دیکھے جذبات نفرت و عداوت بھی تسکین پائیں اور ادھر علم و تحقیق کے حوالے سے ان کا رعب و دبدبہ قائم ہو جائے۔ چنانچہ یہی ضرورتیں گیارہویں پوٹل (Guillaume Postel) کو سامنے لائیں۔ (گیارہویں پوٹل فرانسیسی

مشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۸۱ء ہے۔ پوٹل کا اصل کام ابجدیات پر ہے یہ اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوٹل اور اپنی نیوس دونوں کا شمار یورپی نشاۃ ثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ پوٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیا سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے۔ پوٹل، جو عام طور پر مستشرقین یورپ کا باوا آدم شمار ہوتا ہے۔ وہ پہلا اصولی مشرق تھا جس نے تحریک استشرق کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور بطور خاص لغت و لسانیات کے حوالہ سے اہم خدمات انجام دیں۔ پوٹل ہی کے لیے ۱۵۳۹ء میں کلیہ فرانس (College de France) قائم کیا گیا۔ اور وہ عربی کی پہلی کرسیء صدارت پر فائز ہوا۔ گیام پوٹل کے کام کو لغت و لسانیات کے ہی مکرر حوالے سے اس کے لائق و فائق شاگرد جوزف سکا لجر (Joseph Scaliger) نے آگے بڑھایا۔ بہر حال کم و بیش پینتالیس سال کی تیاری کے بعد ۱۵۸۶ء میں عربی مطبوعات کا سلسلہ یورپ میں شروع ہوا۔ جس کا سہرا بڑی حد تک ڈیوک آف یسکانی (Duke of yuscany) کے سر ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: لعققی: ج ۱، ص ۱۶۰)

خود آزمائی ①

- (۱) مستشرقین سے مراد علماء کی کون سی جماعت ہے؟ اس ضمن میں تفصیل بیان کیجئے۔
- (۲) مستشرقین سے متعلق عربی مصادر کی نشاندہی کیجئے؟
- (۳) مستشرقین سے متعلق اردو زبان میں جو کتابیں دستیاب ہیں ان کی فہرست تیار کیجئے۔
- (۴) استشرق کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ وضاحت کیجئے۔
- (۵) مستشرقین کا پیغمبر اسلام کے بارے میں کیا موقف ہے؟ اس بارے میں تبصرہ کیجئے۔
- (۶) تحریک استشرق کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ اس موضوع پر اختصار کے ساتھ گفتگو کیجئے۔

③ تحریک استشرق کا ارتقاء

تحریک استشرق کے حوالہ سے سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ زمانہ اس تحریک کے ارتقاء اور اس کے پھلنے پھولنے کا عہد ثابت ہوا۔ جہاں تک سترہویں صدی کا تعلق ہے تو یہ یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے اور یورپ کی جدوجہد، سعی و کشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ پھر یہ عروج استعمار کی صدی ہے جس کے پچھلے استبداد میں رفتہ رفتہ عالم اسلام آتا چلا گیا۔ یورپ کے متمول افراد کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔ عربی زبان کی ماہیت اور خاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ارپی نیس (Erpeinuss, 1584-1624) نے پہلی عربی کی قواعد شائع کی جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔ پھر اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Goluis, 1596-1667) نے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ (روڈنس: ص ۳۶)

3.1 ایڈورڈ پوکاک (Edward Pocoke)

پھر ۱۶۳۸ء میں ایڈورڈ پوکاک (Edward Pocoke, 1604-1691) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ میں شعبہ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔ (پوکاک انگلستان کا ایک مشہور عربی دان مستشرق تھا جو بلاد مغرب میں سترہویں صدی کے مستشرقین میں ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا وہ ایک پادری کا بیٹا تھا جو ۱۶۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۳۱ء میں واپس آکسفورڈ آیا اور باقی عمر وہیں صرف کردی۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ پوکاک کے علمی کارناموں نے یورپ میں عربی علوم کی تحقیقات کے لیے ایک نیا باب کھول دیا)۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ج ۵، ص ۷۰۷)

پوکاک کے علاوہ عربی زبان کے قواعد اور لغت کا کام آسٹریا کے میرنسکی (Loniuner Franz)

Meurnski نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک ادارہ ہربیلوٹ (Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوتی تھیں ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی۔ سترہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عامیانہ خیالات اور سنی سنائی باتوں کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام اور مصادرِ شریعت کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو مصادر کے اقتباسات میں اپنے تجزیات اور خیالات کو بھی شامل کیا گیا۔ اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ بدل جانے میں مضمر تھی۔ ازمہ وسطی کی روایتی لاطینی اور بیزنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انہوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سنیوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا۔ (اسلام اور مستشرقین، مؤلفہ عبیدالحق ندوی: ص ۳۴۶)

3.2 ولیم بیڈول (Bedwell. W)

انگریز مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء ہے۔ اس نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک عربی لغت جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور ۱۶۱۰ء سے پہلے شائع ہوئی۔ دوسری سیرت رسول پر کتاب، جو لندن سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مواد گستاخانہ ہے

3.3 وائیئر (Vattier. P)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۱۳ء تا ۱۶۶۱ء ہے۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے کئی کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

3.4 ہاٹنجر (Hottinger D.H.)

سوئٹزر لینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۲۰ء تا ۱۶۶۷ء ہے۔ اس نے مشرقی تصانیف کی ایک فہرست تیار کی جو ہائیڈلبرگ سے ۱۶۵۸ء میں شائع ہوئی۔

3.5 ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe)

سترہویں صدی کا مشہور مستشرق (۱۶۳۱ء تا ۱۶۷۷ء) ہے۔ ڈاکٹر اسٹب پہلا مستشرق ہے جس کے رویہ میں ایک حد تک اعتدال نظر آتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "An account of the rise and progress of Mohammetanism" میں ان مستشرقین کے رویہ اور سلوک پر تنقید کی ہے جو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق اپنایا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: اسٹب کی کتاب: ص ۴۹ اور ص: ۱۹۵)

3.6 جین بررڈ (Genebrard)

جین بررڈ (Genebrard) کا زمانہ اگرچہ ۱۵۳۵ء تا ۱۵۹۷ء تھا۔ لیکن اس کا موقف سترہویں صدی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا۔ اس نے عربی زبان کو وحشیانہ زبان قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو زبان کے پہلو سے ہدف تنقید بنایا ہے۔

۱۶۳۵ء میں الیگزینڈر روس (Alexander Ross) نے اپنی کتاب "Pandebilis" شائع کی۔ اس کتاب کا تعلق اگرچہ تقابلی ادیان سے ہے۔ تاہم اس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کچھ مواد پایا جاتا ہے۔

3.7 لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison)

لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison) نے ۱۶۷۹ء میں اپنی کتاب "The life and death of Muhammad" شائع کی۔ اس کتاب کے مصادر مستشرقین کے خیالات اور خرافات تھے۔

3.8 ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux)

ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux) نے رسول اللہ ﷺ کی سوانح لکھی۔ لیکن اپنے دامن کو وہ بھی خرافات سے نہ بچا سکا اور دوسرے مستشرقین کی طرح اس نے بھی آپ ﷺ کی ذات پر بے بنیاد الزامات لگائے۔ اس کتاب کو یورپ میں بڑی مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ایک ہی سال ۱۶۷۷ء میں اس کے دو ایڈیشن چھپ گئے تھے اور فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۸ء میں ہو گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: نجیب العقیقی کی کتاب: ج ۲، ص ۴۶۴

④ تحریک استشرق اور اٹھارہویں صدی عیسوی

اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریک استشرق منازل ارتقاء طے کرتی رہی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کو اپنے مال و اسباب کی قیمت اور ساز و سامان کی حقیقت معلوم ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے باوجود مستشرقین کے رویہ میں کچھ چلک اور نرمی پیدا ہو گئی۔ اس نرمی اور چلک کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان میں سے چند کا رویہ، اسلوب اور انداز بیان بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ولندیزی مستشرق ریلان (H. Reland) ہے۔ جس نے ۱۷۰۳ء میں اپنی کتاب (PeReligioneMohammdica) کے نام سے لکھی۔ اپنی تالیف میں ریلان نے اپنے ہم مشربوں سے مطالبہ کیا کہ ”ہم مشرق کو اس کے اپنے اصل ماخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں“۔ اور یہ بھی کہا کہ: ہمیں اسلام کو بھی ”تاریخی انصاف“ کی ترازو میں تولنا چاہئے۔

پیر بائل (Pierie Bayle) اور بولین ولیرز (Baulonillars) نے بھی ریلان کی آواز میں آواز ملائی۔ بولین ولیرز کی کتاب فرانسیسی زبان میں Vie de Mohamet کے نام سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا انداز بیان بہت معذرت خواہانہ ہے۔ بقول مولانا عبیدالحق ندوی، یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب پہلی دوستانہ کاوش تھی جو مسیحی یورپ میں ظاہر ہوئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مستشرقین کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں کے علاوہ، سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی سرگرمیاں منظم کی گئیں۔ خاص کر اس صدی کے اواخر میں ان رجحانات نے زیادہ زور پکڑا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ جس نے ”اورینٹلسٹ“ کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی۔ جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ شرقیہ کے مدارس کھولے۔ مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں۔ ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں۔ مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے۔ اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔ اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں جاری ہو گئیں۔ عام یونیورسٹیوں میں عربی

زبان کے پروفیسر ز اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔ (سیرۃ النبی ﷺ: ج ۱، ص ۹۰)

السنۃ شرقیہ کے علاوہ مسلمانوں کے سائنسی علوم پر علمی و تحقیقی کام کی غرض سے پیرس میں ۱۷۹۵ء میں ایک ادارہ "Ecole des Langues Orientales Vivanless" قائم کیا گیا۔ اس کے تحت اضافی طور پر مشرقی زبانوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔

اٹھارہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ استشرق (Orientalism) اور مستشرق (orientalist) کی اصطلاحوں کا رواج اسی زمانے میں شروع ہوا۔ چنانچہ انگلستان میں ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب ”مستشرق“ کی اصطلاح رائج ہوئی۔ اور پھر جلد ہی ”استشرق“ نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اس لغت میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictionnaire del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں مندرج ہوا: Orientalism۔ (روڈنس: ص ۴۷)

اس اصطلاح کے استعمال اور رائج ہونے کے ساتھ ایک مخصوص تصور اور مخصوص سلوک اور رویہ (Discipline) نے بھی جنم لیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور مستشرقین میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

4.1 سائمن اوکلے (Oklay S.)

اوکلے انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۸ء تا ۱۷۲۰ء ہے۔ اس کی کتاب مسلمانوں کی تاریخ پر "History of the Saracens" کے نام سے ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۸ء شائع ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ مستشرقین کے نتائج تحقیق کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔

4.2 ایڈورڈ پوکاک (Pococke, E.)

انگریز مستشرق تھا جس کا دور ۱۶۳۸ء سے ۱۷۲۷ء تک ہے۔ اس کا ایک ہم نام مستشرق سترہویں صدی میں بھی رہا۔ جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

4.3 جارج سیل (Sale G.)

انگریز مستشرق، جس کا زمانہ ۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء تھا۔ اس نے ۱۷۳۴ء میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا۔ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھا۔ اس نے اسلام کو فاسد مذہب قرار دیا۔

4.4 جین گجینیئر (Gagnier, J.)

گجینیئر انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۰ء سے ۱۷۳۰ء تک تھا۔ اس نے دو کتابیں شائع کیں۔ ان دونوں کتابوں کا مقصد بولین ولیر کی اس تنقید کو رد کرنا تھا جو اس نے مستشرقین پر کی تھی۔ بولین ولیر چونکہ معتدل مزاج اور انصاف پسند مستشرق تھا اس لیے گجینیئر اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔

4.5 رسک (Reiske, J. J.)

رسک جرمن مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۷۴ء تک تھا۔ وہ جرمنی کا کلاسیکی لغوی اور عربی سکالر تھا۔ اور یونانی زبان و ادب پر سند مانا جاتا تھا۔

4.6 ایڈورڈ گبن (Gibbern, E.)

انگریز مؤرخ تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۳ء تھا۔ اپنی کتاب تاریخ زوال رومہ کے لیے خاص شہرت کا حامل ہے۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے۔ اس نے ۱۷۵۰ء میں کتاب مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت دل سوز رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور رواداری کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت ہی نامناسب الفاظ اور زبان استعمال کی ہے۔

4.7 والٹیئر (Voltaire Fr.)

والٹیئر فرانسیسی مصنف تھا اس کا دور ۱۶۹۴ء سے ۱۷۸۷ء تک تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا: "Le Farnatisme on Mohammaticv Prophete" یہ ڈرامہ اگرچہ تاریخی لحاظ سے بے بنیاد تھا تاہم یہ امر ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ اس وقت تک مستشرقین

شریعت اسلامی کی باریکیوں سے واقف نہ ہوئے تھے۔ یہ ڈرامہ ۱۷۴۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے ان تمام مستشرقین کی شدت کے ساتھ مذمت کی جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب نرمی اور چلک کا رویہ اختیار کیا۔ یا انصاف کا مطالبہ کیا۔ والٹیر نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی۔ اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔ اس نے اس ڈرامہ کو پوپ (چہارم) کے نام سے منسوب کیا۔ اور اس کے مقدمہ میں اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا اور دل کی بھڑاس نکالی۔ پھر اپنے مقالات کے مجموعے میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ یہ مجموعہ ۱۷۵۶ء میں شائع ہوا۔

والٹیر کی شخصیت اور تالیفات کا اثر دوسرے مستشرقین پر بھی پرا۔ چنانچہ ڈیدی روٹ نے اسلام کے خلاف اپنی تحریروں میں وہ انداز اختیار کیا کہ والٹیر کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔

خود آزمائی ②

- ۱) تحریک استشرق کا ارتقاء کس صدی عیسوی میں ہوا؟ اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔
- ۲) ایڈورڈ پوکاک، ولیم بیڈول اور والٹیر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بتادیں۔
- ۳) ڈاکٹر ہنری اسٹب، ایڈیسن اور ہمفرے کا تعارف کیجئے۔
- ۴) سائمن اوکلے، پوکاک اور جارج بیل نے تحریک استشرق کو کیا رخ دیا؟ بحث کیجئے۔
- ۵) گینجیئر، رسک اور گینن کی تحریک استشرق کے لیے کیا خدمات ہیں؟ تبصرہ کیجئے۔



یونٹ نمبر 15

تاریخ استشر اق و مستشرقین 2

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

469	یونٹ کا تعارف
470	یونٹ کے اغراض و مقاصد
471	① مسلم ممالک کا سقوط و انحطاط
471	1.1 انحطاط کے اثرات و نتائج
474	② معتدل مزاج مستشرقین
474	2.1 گاڈفرے ہکنز
474	2.2 کاسن دی پرسیوال
474	2.3 ویل
475	2.4 نیان
475	2.5 گوئے
478	③ انیسویں صدی عیسوی اور مستشرقین
478	3.1 جان جاک سیدیلو
478	3.2 دیورجے
478	3.3 ڈاکٹر پیرون

478	3.4 گارسن دی تاسی
479	3.5 جوزف وہاسٹ
479	3.6 ولیم راسیٹ
479	3.7 ایڈورڈ پامر
479	3.8 ڈی جونگ
479	3.9 ڈی جوہے
480	3.10 فلاشر
480	3.11 وٹیفیلڈ
480	3.12 بیریزین
480	3.13 جوزف بلائکو
480	3.14 ایڈورڈ سخاؤ
481	3.15 سلیم نوفل
481	3.16 فان کریمر
481	3.17 سرولیم میور
482	3.18 مینارڈ
482	3.19 انی باسے
482	3.20 ڈاکٹر لیبان
482	3.21 گولڈزیہر
483	3.22 دلہازن
483	3.23 واشنگٹن ارونگ

483

3.24 بوجین پونج

484

④ مستشرقین بیسویں صدی ہجری میں

490

4.1 مونے

490

4.2 گاڈ فرے ڈی مباسین

490

4.3 کارول الفانسوئل لینو

490

4.4 سر تھامس بریفالٹ

491

4.5 مارماڈیوک پکٹھال

491

4.6 لین بول

491

4.7 نکلسن

491

4.8 نولدیکے

491

4.9 ہرگروئج

491

4.10 وینک

492

4.11 پروفیسر زخاؤ

492

4.12 جوزف ہورودز

492

4.13 جوزف ہیل

492

4.14 کارل بروکلمان

492

4.15 بار تھولڈ

492

4.16 سموئیل زویر

493

4.17 ایچ جی ویلز

493

4.18 اے آر گب

493

4.19 ولفریڈ اسمتھ

493

4.20 جوزف شاخت

494

4.21 برنارڈ لوئیس

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات! اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم موضوع ”تحریک استشر اق و مستشرقین“ سے ہے۔ جس طرح علمائے حدیث نے حدیث اور علم حدیث کے مصادر و مآخذ کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کے لیے کام کیا۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی حدیث اور علم حدیث کے بہت سارے مصادر پر تدوین اور ترتیب کے پہلو سے کام کیا۔ ان دونوں گروہوں میں فرق یہ ہے کہ علمائے حدیث نے حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے ارادت، عقیدت، محبت اور عبادت کے طور پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ ان حضرات نے رسول کریم ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حدیث رسول ﷺ کی خدمت کو اپنا مشغلہ بنایا اور اس خدمت میں دن رات لگن رہے۔ جبکہ مستشرقین حضرات کا ہدف محض یہ رہا کہ ان مصادر کی محتویات میں کسی طرح مین میکھ نکالا جائے اور ان لوگوں کے سامنے جو حدیث کے علوم و فنون سے ناواقف ہیں حدیث کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ وہ اس کے بارے میں مذہذب اور متردد ہو جائیں۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لیے حدیث کے مصادر پر بھی تنقید کی۔ حدیث کے رواۃ کو بھی نشانہ بنایا اور حدیث کے متون کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کر دیا۔ تحریک استشر اق کا آغاز کیسے ہوا۔ اس تحریک کے اہداف کیا تھے؟ اس تحریک کے اہم عناصر کون کون سے رہے۔ اس یونٹ میں ان سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحریک استشر اق سے متعلق زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی میں ہے اس لیے ہمارے ہاں زیادہ تر طلبہ اس تحریک کے خدوخال سے ناواقف رہتے ہیں۔ آپ اس یونٹ کو توجہ اور انہماک کے ساتھ پڑھیں۔ امید ہے متعلقہ موضوع پر بنیادی نکات آپ کے سامنے آجائیں گے۔ اگر آپ اس پر تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو یونٹ میں دیئے گئے مراجع اور مصادر کی طرف رجوع کیجئے۔ امید ہے کہ آپ اس یونٹ کو مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇨ انیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق کے ارتقاء اور عروج کے اسباب پر بحث کر سکیں۔

⇨ معتدل مزاج مستشرقین کے سلوک اور رویہ کا جائزہ لے سکیں۔

⇨ انیسویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کی فہرست تیار کر سکیں۔

⇨ بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق کی ماہیت پر گفتگو کر سکیں۔

⇨ بیسویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کی فہرست تیار کر سکیں اور ان کی علمی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

① تاریخ مستشرقین

1.1 مسلم ممالک کا سقوط و انحطاط

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں سقوط و انحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا اس ضمن میں ذکر کیا ہاشم لکھتے ہیں:

”سقوط و انحطاط کی یہ داستان تو بہت طویل ہے لیکن بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ مثلاً اگر ایک طرف اندلس (سپین) میں بنو امیہ کے بعد مسلم سپین رو بہ زوال ہوا اور رفتہ رفتہ عملاً عیسائیوں کا باجگزار بن گیا اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا مسلمان وہاں سے نکل کر بکھر بکھر کر رہ گئے تو دوسری طرف صقلیہ کی باری آئی اور نارمنوں نے ۱۰۷۱ء میں اس کے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ۱۰۸۱ء تک پورا سسلی چھین لیا گیا۔ پھر بارہویں صدی میں نارمن حملے افریقہ پر ہونے لگے۔ بحر روم میں طاقت کا توازن درہم برہم ہو گیا اور اسی صدی کے اواخر تک بحر روم پر نارمنوں اور اطالیوں کی برتری قائم ہو گئی۔ یہ گہرے اور گیرے زخم اسی طرح پہنچتے رہے یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی کا زمانہ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کا آخری دور ثابت ہوا اور اہل یورپ کے اعزاز کا یہی اولین دور ہے۔ عالم اسلام اس کے بعد بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ تحریک استشرق کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا۔“ (المستشرقون فی الاسلام : ص

1.2 انحطاط کے اثرات:

سقوط و انحطاط کی یہ منازل طے کرنے کے سبب ایک تو مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے پرانے حریف ”مغرب“ کو زمانہ بیداری کے بعد سے سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جا رہی تھی اور اس کے سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ادھر عالم اسلام کمزور اور بے زور ہوا اور ادھر مغرب کا پرچم استعمار اور بلند ہوا۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے کسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لیے بہر حال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (۱۹۰۰ء تا ۱۹۲۵ء) تحریک استشرق کے عروج و کمال سے عبارت ہے اس عہد میں تحریک استشرق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ مستشرقین کے انداز و اطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت اور کثیت دونوں اعتبار سے ان کے اخلاف اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ چنانچہ:

(۱) کثیت (Quantity) کا اندازہ تو اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً: فرانس، اٹلی، انگلستان، سپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، روس، بیلجیئم، چیکوسلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ۔ اس فہرست میں امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔ (استاد نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان تمام علاقوں کے زیر عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے حالات زندگی اور علمی خدمات پر بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: المستشرقون: ج ۱، ۲، ۳)

(۲) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائد اسلام، قرآن، حدیث، سنت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہل عرب و احوال عرب، ترکوں عربوں کے تعلقات، اسلام کی اصلیت، اسلام تہذیب و تمدن اور پیغمبر اسلام کی سیرت

وسوانح پر کثرت سے لکھا گیا ہے۔ اس دور میں مستشرقین کا معیار تحقیق و استدلال بھی بلند ہوا۔ اور تحقیق و جستجو اور تلاش و طلب میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو باعث حیرت ہے۔ قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار و اکتشافات قدیمہ کا مطالعہ، کتابوں کی تصحیح و اشاعت، اسلامی تاریخ کے مآخذ کی ترتیب و تدوین، فہارس، اشاریوں اور تجویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں، ان کی محنت و ریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں۔ اس ضمن میں کچھ تفصیل علامہ شبلی نے بھی دی ہے اور بطور خاص ان مستشرقین کا تذکرہ کیا ہے جن کی محنت و ریاضت کے نتیجہ میں قدیم مآخذ و مصادر سامنے آئے۔ (سیرۃ النبی ﷺ: ج ۱، ص ۹۱، ۹۲)

(۳) مستشرقین کے گروہ میں حسب سابق دونوں قسم کے افراد نے تصنیف و تالیف میں حصہ لیا۔ ایک طرف اگر روایتی قسم کے متشدد اور متعصب علمائے استشرق تھے مثلاً: اسپرنگر (۱۸۱۳ء تا ۱۸۹۳ء)، سرولیم میور (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۵ء)، ڈوزی (۱۸۲۰ء تا ۱۸۸۳ء)، ڈی گوے (۱۸۳۶ء تا ۱۹۰۹ء) تو دوسری طرف حقیقت بین، انصاف پسند، معتدل مزاج اور نرم روم کے مصنفین بھی تھے مثلاً:

② معتدل مزاج مستشرقین

2.1 گاڈ فرے ہکنز

اس کا زمانہ ۱۷۷۳ء تا ۱۸۳۳ء تھا۔ اس کی کتاب "Apology for Muhammad" کے زیر عنوان لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ پریمیر بک ہاؤس لاہور نے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ سر سید احمد خان بھی اس سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

2.2 کاسن دی پرسیوال

کاسن فرانیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۷۱ء تک تھا۔ اس کے آثار میں ایک تاریخ العرب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری کتاب کا تعلق قبل از اسلام اور عہد رسالت سے متعلق ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "A Critical Examination of the life of Muhammad" کے مقدمہ میں کاسن کے کام کو عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔

2.3 ویل

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔ ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ عہد رسالت پر جو کتاب لکھی اس کی تین جلدیں ہیں۔ "سیرت ابن ہشام" کا جرمنی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر حواشی لکھے اور فٹ نوٹس بھی لکھے۔ "لیالی العرب" کا بھی ترجمہ کیا۔ تاریخ الخلفاء اور مسلمانوں کی تاریخ پر پانچ جلدوں میں کتاب مرتب کی۔ (المستشرقون: ج ۲، ص ۷۰۷)

2.4 نیاں

فرائیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۹۲ء تک حیات رہا۔ اس نے مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مثلاً ”تاریخ الادیان“ مطبوعہ ۱۸۵۷ء، ”کتاب الرسل“ مطبوعہ ۱۸۶۶ء، ”کتاب تقدم الآداب الشرقية“ مطبوعہ ۱۸۶۶ء۔ نیاں کا تعلق فلسفہ، لغت اور تاریخ سے تھا۔

2.5 گوئے

بنیادی طور پر جرمن شاعر تھا۔ ۱۷۴۹ء سے ۱۸۳۲ء تک بقید حیات رہا۔ اس کی اصل شہرت اس کی مشہور نظم "Le Mohamet's Gesan" کے سبب ہوئی۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۰۶) ان کے علاوہ شول، کارلائل اور درمنگھم وغیرہ نے بھی عموماً افراط و تفریط سے گریز کیا۔

(۴) اٹھارہویں صدی عیسوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دوران میں مستشرقین کے سلوک اور رویہ میں نکھار پیدا ہوا۔ اور بحیثیت مجموعی اس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کا رویہ پہلے جیسا نہ رہا، بلکہ مختلف عوامل کے نتیجے میں نرم، حقیقت پسندانہ اور مقبول ہوتا چلا گیا۔ اس کی بظاہر ایک وجہ تو مشرقی مصادر تک ان کی رسائی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں سے واقفیت تھی کہ جس کے نتیجے میں محض تخمین و ظن کے بجائے وہ عقل و استدلال اور علم کی روشنی میں بات کرنے لگے۔ مشرقی ممالک کے مشاہدات و اسفار نے ان کے اپنے اسلاف کی لاعلمی اور افکار و خیالات کی بے بنیادی ثابت کر دی اور بیان واقع کا تضاد ثابت ہو گیا۔ دوسری بڑی وجہ خود یورپ کی بدلتی ہوئی فضا تھی۔ نیز جدت پسندی، سائنسی ایجادات، تعصب کے خلاف عام بے چینی، رومانی تحریک، کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت، تاریخ تنقید کی تحریک وغیرہ بھی مؤثر عوامل ثابت ہوئے۔ ان باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ مستشرقین اس فکری تبدیلی کی تہ میں نہ تو اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت و نفرت پر محبت کے جذبات غالب آ گئے تھے۔ بلکہ درحقیقت حالات کی ستم ظریفی نے انہیں نقطہ نظر بدلنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ ان کے اصل مقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بہر حال اصل وجہ کسی کو قرار دیا جائے، واقعہ عملاً یہ پیش آیا کہ:

اس دور میں مستشرقین کے ہاں فضول اور بے بنیاد روایات کم ہو گئیں۔ الزامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہو گیا اور صورتحال نے کلیسا کا طلسم توڑ کر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیئے جنہوں نے جرأت سے کام لے کر اپنے پیش رو مصنفین کے خیالات اور تجزیات کو غلط قرار دیا اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا۔

(۵) اپنی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی و علمی ادارے قائم کئے۔ مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹن اینڈ آئرلینڈ ۱۸۲۳ء اور امریکن اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء وغیرہ۔ ان تمام اداروں نے جلد ہی اپنے اپنے جریڈے نکالنا شروع کر دیئے۔ جن سے ان کی تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے دل و دماغ کو متاثر کرنے میں رسائل و جرائد کو چونکہ ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے محض ان اداروں کے مجلات کی اشاعت کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اپنی حکمت عملی کا مستقل حصہ بناتے ہوئے مستشرقین نے دوسرے متعدد رسائل و جرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ چنانچہ ہندوستان سے "The Muslim World" کا اجراء، پیرس سے ۱۸۹۵ء میں "Revaed-et-Islam" کا اجراء۔ روس سے ۱۹۱۲ء میں "Mis Islam" کا اجراء وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: آکسفورڈ انگلش ڈکشنری: ج ۷، ص ۲۰۰)

رسائل اور مجلات کی ان اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات اور تجزیات سے دوسروں کو آگاہ کرا سکیں۔ لیکن اصل ہدف اور مقصد اپنے پرانے استشراتی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مرحلہ بھی آیا کہ مستشرقین نے اپنی پہلی عالمی کانگریس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ۱۸۷۳ء میں اسے پہلی بار عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ عالمی کانگریسوں کا انعقاد بھی مستشرقین کے لیے بڑا مفید مطلب تھا۔ مختلف اداروں کی سرگرمیاں، کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، بڑے بڑے علماء و فضلاء کی شرکت، مقالات، خطبات، صلاح مشورے اور قراردادیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں تحریک استشرق کو

فعال اور سرگرم بنانے کے لیے بہر حال ضروری تھیں اور مستشرقین نے اس پہلو کو تکیہ نہیں چھوڑا اور انیسویں صدی کے اوائل سے ہی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کر دیا۔
(المستشرقون والاسلام: ص ۱۶۸)

③ انیسویں صدی عیسوی اور مستشرقین

استاد نجیب العقیقی نے اس دور کے مستشرقین پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہاں چند مشہور و معروف مستشرقین کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ طلبہ کے ذہن میں تسلسل قائم رہے۔ اور تفصیل مطالعہ کرتے وقت تاریخی ترتیب ان کے ذہن میں رہے:

3.1 جان جاک سیدیلو (Sedillo, J.J.)

مشہور فرانسیسی مستشرق جس کا زمانہ ۱۷۷۷ء تا ۱۸۳۲ء تھا۔ اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تاریخ عرب پر انہوں نے مستقل کتاب لکھی۔

3.2 دیور جے (Desvergers)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۰۵ء سے ۱۸۶۷ء تک رہا۔ اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں۔ ”البدایہ والنہایہ“ سے سیرۃ النبی ﷺ کے حصہ کا خلاصہ متن و ترجمہ کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ بلاد عرب پر کتاب لکھی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ خلافت پر بھی لکھا۔

3.3 ڈاکٹر پیرون (Dr. Perron A.)

پیرون فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۶ء کو انتقال ہوا۔ انہوں نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک ”نساء العرب قبل الاسلام و بعد“، مطبوعہ ۱۸۵۸ء اور دوسری کتاب ”الطب البدوی“ کا ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء۔ اس کتاب کے مؤلف جلال الدین ابوسلیمان ہیں۔

3.4 گارسن دی تاسی (Tassy, Garsin, de)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۷۹۳ء سے ۱۸۸۷ء تک حیات رہا۔ گارسن نے دین اسلام، قرآن، مذہبی

تعلیمات و فرائض کو اپنی کتابوں کا موضوع بنایا۔

3.5 جوزف و ہائیٹ (White, J.)

انگریز مستشرق تھا۔ ۱۷۶۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۱۴ء تک بقیہ حیات رہا۔ جوزف و ہائیٹ نے اسلام اور نصرانیت کے تقابلی مطالعہ پر مقالات لکھے اور لیکچرز تیار کئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے موضوع پر مقالات اور خطبات مرتب کئے۔

3.6 ولیم رائیٹ (Wright, W.)

برطانوی مستشرق اور مصنف تھا۔ ۱۸۳۰ء میں پیدائش ہوئی۔ ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔

3.7 ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E. H.)

برطانوی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۸۳ء تھا۔ پامر نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو ۱۸۸۰ء میں آکسفورڈ سے طبع ہوا۔

3.8 ڈی جونگ (Jong, P. de)

ہالینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۹۰ء تک تھا۔ اپنے ہم وطن اور ہم عصر مستشرق ڈی جوہے (Goeje, M.d. D.) کے ساتھ مل کر ”سیرت ابن ہشام“ پر کام کیا۔ متن اور لاطینی زبان میں ترجمہ لیدن سے ۱۸۸۱ء میں شائع کرایا۔

3.9 ڈی جوہے (Goeje, M.d. D.)

ڈی جوہے، ڈی جونگ کا ہم عصر مستشرق تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸۳۶ء میں ہوئی اور انتقال ۱۹۰۹ء میں ہوا۔ جوہے نے ”وفیات الاعیان“ مؤلفہ ابن خلکان پر کام کیا۔

3.10 فلاشر (Fleischer H. C.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۸۸ء تک بقید حیات رہا۔ فلاشر نے کئی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے ”البدایہ والنہایہ“ کو متن و ترجمہ کے ساتھ تعلیقات و حواشی سے آراستہ کر کے لیبرگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا۔ ایک اور کتاب تاریخِ عرب قبل از اسلام کے موضوع پر لکھی جو ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی،۔

3.11 وِسٹنفلڈ (Wustenfeld, F.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۹ء تک بقید حیات رہا۔ وِسٹنفلڈ نے بہت کچھ لکھا۔ تاریخِ مکہ مکرمہ، سیرت ابن ہشام مع تعلیقات و حواشی (تین جلدیں)، اراضیِ مدینہ منورہ اور تاریخِ اشراف مکہ آپ کی تالیفات ہیں۔

3.12 بیریزین (Beresin, N.)

مشہور روسی مستشرق تھا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۹۶ء تک بقید حیات رہا۔ بیریزین روسی مستشرقین کے زمرہِ اساتذہ میں شامل ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصادرِ اسلامی، تہذیب و تمدن اور اسلام کے درمیان تعلق پر کئی کتابیں لکھیں۔ روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم و آداب پر متعدد مقالات اسی مستشرق کے قلم سے ہیں۔

3.13 بلاکو (White Joseph Blanco)

مشہور برطانوی مستشرق تھا۔ بلاکو مذہبی مصنف اور پادری تھا۔ ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۳۱ء میں وفات پائی۔ بلاکو نے سپین کی تاریخ اور معاشرت و ثقافت کا مطالعہ کیا اور اس موضوع میں تالیفات کیں۔

3.14 ایڈورڈ سخاو (Sachau Edward)

ایڈورڈ سخاو معروف و مشہور جرمن مستشرق تھا۔ برلن میں مشرقی زبانوں کی فیکلٹی کا سربراہ، خود بڑا اسکالر

اور زبان دان تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ:

”پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود ”طبقات“ جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی ﷺ میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوئی۔“ (سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۹۲)

3.15 سلیم نوفل (Salim Nofel)

روسی استشراق کی تاریخ میں اہم اور معروف نام، استادوں کا استاد، مستشرقین روس کا سرخیل تھا۔ ۱۸۲۸ء کی پیدائش ہے اور ۱۹۰۲ء میں انتقال کر گیا۔ بنیادی طور پر لبنانی تھا۔ کام فرانسیسی میں کیا۔ اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھایا اور سیرت نبوی ﷺ کو بھی موضوع بحث بنایا۔

3.16 فان کریمر (Van Kremer)

آسٹریا کا مشہور مستشرق تھا۔ ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ وزارت خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا۔ خود بھی وزیر رہا۔ کریمر نے اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا۔ ان میں سے واقدی کی ”المغازی“، ماوردی کی ”الاحکام السلطانیہ“، نشوان کا ”قصیدۃ الحمیریہ“ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فان کریمر نے اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ یہ ساری کتابیں جرمن زبان میں ہیں۔

3.17 سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)

ولیم میور مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاسی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبہ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ولیم میور نے ”The life of Muhammad“ کے نام سے کتاب لکھی۔ جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔ سرسید احمد خان نے اس کے

جواب میں خطبات احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

3.18 مینارڈ (Meynard, Barbieide)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۲۷ء سے ۱۹۰۸ء تک تھا۔ مینارڈ نے استشرق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کروایا۔ جغرافیائی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔ سعودی کی تاریخ ”مروج الذهب“ کا متن و ترجمہ شائع کیا۔

3.19 رینی باسے (Basset Rene)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۲۳ء تک تھا۔ بے شمار کتابوں کا مصنف ہے۔ مثلاً: ”الشعر العربی قبل الاسلام“، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ امام بوصری کے ”قصیدہ بردہ“ کی شرح وغیرہ۔

3.20 ڈاکٹر لیبان (Labon Dr. G.)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ مشہور عالم، طبیب اور مشرقی روایات و ثقافت کا ماہر تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تمدن مصر، تمدن عرب اور چین میں عربی تمدن کے حوالہ سے ان کا کام قابل ذکر ہے۔ لیبان کا تعلق مستشرقین کے اس گروہ سے ہے جو انصاف پسند، معتدل مزاج اور اسلامی خوبیوں کے معترف تھے۔

3.21 گولڈزیہر (Goldziher, Y.)

ہنگری کا مشہور و معروف مستشرق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء تک بقید حیات رہا۔ گولڈزیہر نے بہت کچھ لکھا اور کئی موضوعات پر لکھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور سیرت پر بے شمار مقالات شائع کئے۔ گولڈزیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے نالدیکے کے نقد حدیث سے آگے بڑھ کر انکار حدیث کے مکتب فکر کی داغ بیل ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکار حدیث میں اس کا ہموار بن گیا۔ انکار حدیث کے بعد گولڈزیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔ (گولڈزیہر پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ایک مقالہ ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں موجود ہے، بہت مفید اور معلوماتی ہے۔)

3.22 ولہازن (Wellhausen, J.)

ولہازن جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۴۳ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۹۱۸ء تک حیات رہا۔ ولہازن نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت لکھا۔ تاریخ یہود، محمد ﷺ مدینہ میں، دین اسلام کے مطالعات، عہد نبوی ﷺ میں دستور مدینہ، مکاتیب نبوی اور وفود پران کی تالیفات قابل ذکر ہیں۔

3.23 واشنگٹن ارونگ (Irving Washington)

معروف امریکی سکالر اور مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۸۳ء تا ۱۸۵۹ء تھا۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ خلفاء راشدین اور سیرت پر اس کی کتاب قابل ذکر ہے جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔

3.24 یوجین یونج (Eugene Young)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس نے کئی ضخیم کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ ”نور اسلام کی خاص کرن“ اور دوسرا ”مشرق، مغرب کی نظر میں“ شائع ہوا۔ ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا۔ مستشرقین کی مذکورہ فہرست ان طلبہ کے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے جو ان کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر علمی اور تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔

خود آزمائی ①

- (۱) مسلم ممالک کے سقوط و انحطاط کے اثرات و نتائج پر بحث کیجئے۔
- (۲) تحریک استشراق کے دور عروج پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے عروج کے اسباب کی نشاندہی کیجئے۔
- (۳) معتدل مزاج مستشرقین سے کیا مراد ہے؟ ان کی فہرست تیار کیجئے۔
- (۴) انیسویں صدی عیسوی میں مستشرقین نے اپنی حکمت عملی کو کیا رخ دیا؟ اس موضوع پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔
- (۵) انیسویں صدی عیسوی کے اہم اور مشہور مستشرقین کی فہرست تیار کیجئے اور ان کی تالیفات کا جائزہ لیجئے۔

④ مستشرقین بیسویں صدی عیسوی میں

تحریک استراق کا دور عروج و کمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا۔ اس دور میں ہر پہلو سے استراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ بیسویں صدی کے ربع اول سے تحریک استراق ایک نئے دور میں داخل ہوئی اس دور کو اصطلاح میں ”عہد جدید“ کہا جاتا ہے۔

عہد جدید آیا تو اپنے ساتھ نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی، فوجی، معاشی اور معاشرتی سطح پر پچھلی بہت سے باتوں کو درہم برہم کر گیا۔ چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی و مغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نوآبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم و استحصالی کی تاریکیوں کے خلاف حریت و آزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست و ریخت، ایجادات و اختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نشوونما اور تہذیب و تمدن کے تنوع نے حالات و مسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔ ادھر استراق کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ تحریک استراق پچھلے دور میں جس نقطہ کمال تک پہنچ چکی تھی اب اس کے لیے مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ اس لیے یہ سوال خود بخود پیدا ہوا کہ کیا تحریک استراق رو بہ زوال ہو گئی ہے؟..... بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اسے بہر طور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، مصادر شریعت، اور عالم اسلام کے اعمال و احوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعان نظر برتا جانے لگا۔ جزوقتی علماء کے بجائے کل وقتی علماء نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دوسرے اسلامی و مشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔ (الاسلام و المستشرقون: ۱۶۹۲)

اسلام اور ادب اسلامی کے حوالہ سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوٹے، اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا اس عہد جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔ اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی،

بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت کے غمونے بھی نظر آ جاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق و دریافت، ان کی تجویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت و ریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد و جرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریک استشرق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر و مآخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان و قلوب میں تردد و تذبذب کے بیج بوئے جاسکتے تھے۔ اسی ضمن میں قرآن، حدیث اور دوسرے مصادر کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔

اس دور میں قرآن اور حدیث کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول و ترتیب کو زیر بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرت رسول ﷺ کا مستند و معتبر ذریعہ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلہ میں انکار کے لیے حدیث کے کذب و افتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے، گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے کتب فکر کو بطور خاص فروغ دیا۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۱۵)

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ طبعی نقطہ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور معاشرتی عوامل سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی اور کچھ نے ان سب سے مرکب و مرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی اور فکری پس منظر کی پیداوار تھے۔

عہد جدید کے مستشرق گولڈزیہر نے علم حدیث اور اسناد کو موضوع بحث بنایا اور اس نے اس میدان میں مختلف مقالے تحریر کئے اور ایک ضخیم کتاب ”دراسات اسلامیہ“ "Muhammaddenish Studies" 1889-1890 کے عنوان سے ترتیب دی۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ گولڈزیہر نے اپنے جرمن پیشرو سپرنگر کی پیروی کی ہے اور اس کے نتائج پر ایک گمراہ کن عمارت کھڑی کر

دی ہے جس کی ظاہری چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔

گولڈ زیہر نے اپنی بحث کا آغاز تو یہ کہہ کر کیا ہے کہ سپرنگر نے اس باطل نظریے پر خطِ تنبیخ کھینچ دیا ہے کہ کتبِ حدیث کا انحصار زبانی ذرائع پر تھا۔ تاہم گولڈ زیہر کے خیال میں دینی احتیاط پسندی نیز اسلامی فرقوں کی پابندیِ مسلک کے سبب بعد کے زمانے میں تدوینِ حدیث کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا۔ گولڈ زیہر کے اس قول سے وہی باطل نظریہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ سپرنگر نے مستند مصادر سے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کی بنیاد پر تو گولڈ زیہر نے یہ رائے قائم کی کہ صحیفوں اور اجزاء میں احادیث کو قلمبند کرنے کا کام عملاً اسلام کے دورِ اول میں انجام پا گیا تھا۔ تاہم ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں اس کے ہاں اس موضوع پر جس خیال نے شکل پکڑی وہ کچھ یوں تھا:

”یہ تصور کرنے سے کوئی شے مانع نہیں کہ صحابہ و تابعین نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور آپ سے مروی روایات کی حفاظت کرنی چاہی۔ لہذا ضائع ہو جانے کے خوف سے انہیں قلم بند کیا۔ بھلا یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اقوالِ رسول کو ایک ایسے معاشرہ میں، محض سینہ بسینہ حفظ رہنے کے اتفاقات کے حوالے کر دیا جائے۔ جس میں عام لوگوں کے اقوال بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا دستور تھا؟“

گولڈ زیہر مزید کہتا ہے:

”بہر حال اسلام کے دورِ اول تک کے حوالے سے یہ رائے درست ہے۔“

تاہم اس کے بعد جو مفروضہ سامنے آتا ہے وہ کچھ زیادہ صحیح نہیں، وہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں حدیث کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کرنے کے بارے میں ایک طرح کا تامل پیدا ہو گیا۔ گولڈ زیہر نے جو رائے قائم کی اس کی بناء پر اس نے بعد میں لکھے جانے والے مجموعہ ہائے حدیث سے متعلق روایات کو رد کر دیا اور اسی تصور پر اکتفا کر لیا کہ حدیث کی جمع و تدوین کی کوششوں کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔ اس اعتبار سے گولڈ زیہر کی رائے کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتبِ حدیث کی ترتیب بھی ناقدانہ علمی طریق کار یا ایسے دقیق اور باقاعدہ طریق تصنیف کے مطابق نہیں

ہوئی جس کی بنیاد مرتبین نے اسلاف کی ان تحریروں کے انتخاب پر رکھی ہو، جو ان تک پہنچیں۔ گولڈزیہر کا خیال ہے کہ اس صورت حال نے ان لوگوں کو اپنے طویل سفروں میں، زبانی احادیث جمع کرنے اور انہیں روایت کے مقابل روایت کی صورت میں رکھتے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اور یہی حال کتب فقہ کا بھی ہے۔

اس ساری بحث سے گولڈزیہر کا مقصود یہ سوال پیش کرنا تھا کہ محض زبانی روایات کی بنا پر مدون کئے جانے والے ان مجموعوں کی تاریخی قدر و قیمت کیا ہے نیز ان کی صحت کو کہاں تک تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے نزدیک ان روایات کی کوئی تاریخی قدر و قیمت نہیں اور ان کی حیثیت ان ہنگامی اور عصری رجحانات کی بازگشت سے زیادہ کچھ نہیں جن میں ان کا مرتب کرنے والا محصور تھا۔ گولڈزیہر نے یہ بھی کہا کہ ہم ہالینڈ کے عالم ڈوزی (R. Dozy) کی اس رجائیت میں شریک نہیں ہو سکتے جس کی رو سے اس نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ طویل زبانی روایت سے گزر کر ہم تک پہنچنے کے باوجود بہت سی احادیث نبویہ کی صحت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ (تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام، ص ۱۷۴)

عہد جدید میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطہ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور انجیلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقہ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت اور فروغ دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمایوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیورٹ کرائم (Hubret Crimme) کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔ اس کی تحقیقات کا نچوڑ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہئے۔ سیاسی، سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔ مارگولیتھ نے اپنے مقالات اور تالیفات میں انتہائی نامناسب زبان اور غیر شائستہ رویہ اختیار کیا۔ اطالوی مستشرق پرنس لیون کتانی (Prince Leone Cactain) نے اپنے ضخیم تحقیقی کام کا ناخصل یہ قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ بس ایک سیاست دان تھے اور انہوں نے معاشی و سیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔

مشرق کیانی کا زمانہ ۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۶ء ہے۔ اس کے آثار میں اسلام کی اشاعت اور تمدن، اور تاریخ اسلام از اھ تا ۹۲۲ھ بہت مشہور ہیں۔ (کیانی پر ایک مفصل مقالہ ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلہ ”ہمدرد اسلامیکس“ ج: ۵، ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے، مفید اور معلوماتی ہے) عہد جدید سے تعلق رکھنے والے ان مستشرقین کی یہ انتہا پسندی خلاف حقیقت بھی تھی اور خود گروہ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔ مثلاً باسور تھ اسمتھ نے اپنی کتاب "Muhammad and Muahmmansm" میں اپنے مخصوص طرزِ تحریر میں اعتداری رویہ اختیار کیا۔ اسی انداز کا کام الفانسوائٹنی ڈینٹ اور سلیمان بن ابراہیم کے قلم سے ”حیات محمد“ کے عنوان سے سامنے آیا۔ اسی طرح جے۔ سی آر چر نے اسپرنگر کے طبی و مریضاتی نقطہ نظر کی تردید کی۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۲۱) تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔ مثلاً عہد جدید کا مشہور مؤرخ ٹائن بی اپنی تصنیف ”مطالعہ تاریخ“ میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے۔ ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب "Le Prolème Mohamet" میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے زیادہ آپ کی حیات طیبہ کے مصادر سے بحث کرتا ہے اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث و سیر کے ذخیرہ میں بہر حال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ (اسلام اور مستشرقین: ص ۴۲۳)

اسی قسم کا نقطہ نظر ولیم ٹنگمری واٹ کا بھی ہے۔ واٹ کی تصنیفات کو بہر حال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران ”علیت“ نے جو ترقی کی ہے اس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے۔ اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح و تنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ واٹ کا موقف ٹائن بی سے زیادہ مختلف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے۔ (واٹ اور اس کی تصانیف پر ڈاکٹر سید عبداللہ نے

بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے جو ”فکر و نظر“ اسلام آباد کی اشاعت اپریل ۱۹۷۶ء میں چھپا ہے۔

عہد جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہد جدید کے مستشرقین اگرچہ اپنے انداز تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکل یہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے باوجود تحریک استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہد جدید کا ایک مصنف، اطالوی مستشرق فرانسکو جبریلی (Gabrieli Francesco) اپنی زبان قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ

”پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔“

(Muhammad and the Conques of Islam, New York, 1968, P. 15)

اس صورتحال میں ایڈورڈ ڈبلیو سعید (Edward W. Saeed) کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام و انضباط بنیادی طور پر اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو جہان مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں مغلوب تھا اور پھر ”قوت و ضعف“ کے اسی تقاضے نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔ استشراق کے درحقیقت دو چہرے، دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری، خارجی رخ (Manifest)۔ پہلا داخلی، پوشیدہ رخ تو ہمیشہ سے ایک ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں مٹھوا گیا۔ جبکہ دوسرا ظاہری پہلو (Manifest orientalism) متغیر ہوتا رہا۔ یعنی مشرقی معاشرہ و تہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات و افکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالہ سے آتی رہی لیکن داخلی جذبہ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ مؤثر علمی روایت ہے۔ (Orientalism, P 203-6)

ذیل میں عہد جدید سے تعلق رکھنے والے چند معروف و مشہور مستشرقین کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ جو طلبہ عہد جدید سے متعلق تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں انہیں رہنمائی مل سکے۔ یہ فہرست استاذ نجیب الحق کی

کتاب سے ماخوذ ہے۔

4.1 مونے (Monfit, ed.)

فرانسیسی مستشرق، ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۷ء میں انتقال کر گیا۔ علمی آثار میں اسلام، حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۰۱ء)، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء)، تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۱۳ء) اور فرانسیسی میں ترجمہ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں۔

4.2 گاڈفرے ڈی ممبرن (Goudefroy Demombyne)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۶۲ء سے ۱۹۵۷ء تک بقید حیات رہا۔ پیرس میں ”السنہ شرقیہ“ کے شعبہ میں عربی کا استاذ رہا۔ متعدد کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً اسلام میں نظم (مطبوعہ ۱۹۳۱ء)، مکہ و مدینہ (مطبوعہ ۱۹۱۸ء)، عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبیوں تک (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) وغیرہ۔

4.3 کارلو الفانسو نلینو (Nallino, Carlo Alfanzo)

اطالوی مستشرق، ولادت: ۱۸۷۲ء، انتقال: ۱۹۳۸ء بے شمار تالیفات و مطبوعات اس سے منسوب ہیں۔ مثلاً: منتخبات القرآن (مطبوعہ لیجزگ ۱۸۹۳ء)، اسلام سے پہلے قبائل عرب کی تشکیل و ترتیب (۱۸۹۳ء)، تاریخ یمن قبل از اسلام (۱۹۲۷ء)، ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصر حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء، قبائل و تراجم رجال، فہرست مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیات محمد جو اس کے انتقال کے بعد روین سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی۔

4.4 سر تھامس آرنلڈ (Arneld, Sir Thomas) 1864ء تا 1930ء

برطانوی مستشرق، اس کی مشہور ترین کتاب دعوت اسلام "The preaching of Islam" ہے۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔

4.5 رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Staphen)

برطانوی مستشرق، بنیادی تعلق ناول سے تھا۔ مشہور ترین کتاب "The making of humanity"

ہے۔

4.6 مار ماڈیوک پکٹھال (Pickthall, M.W.) 1875ء تا 1936ء

مشہور برطانوی شخصیت پکٹھال نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور اسلامی تہذیب پر مقالات مرتب کئے اور

خطبات دیئے۔

4.7 اسٹینلی لین پول (Stanley Lane Poole) 1854ء تا 1931ء

مشہور برطانوی مستشرق، مؤرخ، ماہر آثاریات، تاریخ مسلمانانِ اندلس پر آپ کا کام قابل ذکر ہے۔

4.8 نکلسن (Nicholson, R.A.) 1868ء تا 1945ء

مشہور برطانوی مستشرق، نکلسن نے کئی کتابیں لکھیں لیکن خاص الخاص کتابیں عرب کی ادبی تاریخ

مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء اور اس کا مضمون "محمد اور قرآن"۔ اس کے علاوہ "محمد کی ایک نامعلوم سوانح" ہیں۔

4.9 نولدیکے (Noldeke, Th.) 1836ء تا 1930ء

مشہور جرمن مستشرق، نولدیکے نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ لیکن جس کام کی وجہ سے اس کو شہرت ملی وہ

نقد حدیث کے مکتب فکر کا قیام ہے۔ نولدیکے نے قرآن کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث کی۔ سامی

زبانوں پر کام کیا اور تاریخ اسلام پر مقالات لکھے۔

4.10 ہرگروئج (Snouck Hergrenje) 1857ء تا 1936ء

ہالینڈ کا مستشرق تھا۔ اس کے آثار میں "مکہ کا حج، فقہ اسلامی اور سیاست نبوی شامل ہے۔ مذہب عیسائی

تھا۔ زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں کیا۔ ماہر اسلامیات سمجھا جاتا تھا اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتداء سے

ہی سیاسی مذہب تھا۔ بہر حال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا۔

4.11 وینسک (Wensink, A.J.) 1881ء تا 1939ء

ولندیری مستشرق تھا۔ اس کی علمی یادگاروں میں ”یہود مدینہ کے بارے میں رسول اللہ کا موقف“ جو اس کے پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ اور لیدن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ اس کی کتاب ”محمد اور یہود“ اور الاسلام (مطبوعہ ۱۹۱۱ء) بھی قابل ذکر ہیں۔

4.12 پروفیسر زخاؤ (Sahau, E.) 1845ء تا 1930ء

جرمن مستشرق تھا۔ کئی تالیفات اور مقالات مرتب کئے۔ زخاؤ کا اہم ترین کام طبقات ابن سعد پر ہے۔

4.13 جوزف ہورودز (Horovitz, J.) 1874ء تا 1931ء

جرمن مستشرق تھا۔ اس کا اہم کام واقدی کی مغازی پر ہے۔ واقدی کی مغازی پر اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

4.14 جوزف ہیل (Hell, Joseph) 1875ء تا 1950ء

جرمن مستشرق تھا۔ عربی تہذیب پر کام کیا۔ کتاب لکھی اور مقالات مرتب کئے۔

4.15 کارل بروکلمان (Brockelman, C.) 1868ء تا 1956ء

بروکلمان مشہور مستشرق ہے۔ تاریخ علوم پر ضخیم کام کیا۔ اس کی مشہور ترین تصنیف ”تاریخ اقوام مسلم“

ہے۔

4.16 بارتھولڈ (Barthold, V.V.) 1869ء تا 1930ء

روسی مستشرق تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ بارتھولڈ نے بہت کچھ لکھا۔ مثلاً: اسلامی تہذیب، تاریخ

ترکستان، عالم اسلام، خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ۔

4.17 سموئیل زدویر (Wells, Herbert Gorg)

امریکی مستشرق ہے اس کی تصانیف بہت ہیں۔ خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر، اس کی کتابوں میں اسلام سے پہلے بلا و عرب، دنیا میں اسلام، حیات محمد، اسلام صحرائے عرب میں اور ورثہ نبوی قابل ذکر ہیں۔

4.18 ایچ جی ویلز (Wells, Herbert Gorgs) 1886-1946ء

ویلز، انگریز مستشرق تھا۔ افسانہ نگار، ماہر عمرانیات اور مورخ تھا۔ اس کی کتابوں میں Outline of History قابل ذکر ہے۔

4.19 گب (Gibb, Sir Hamilton A.R.)

مشہور ترین برطانوی مستشرق ہے۔ گب کی تصانیف اگرچہ بہت سی ہیں۔ تاہم اصل شہرت کتاب Muhammadanism سے ہوئی۔ جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلہ میں گب نے خود توجیہات پیش کیں۔ لیکن یہ نام توجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت و حالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جس کا ثبوت اس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بہر حال اس نے اسلام کے بارے میں اعتدال کا مظاہرہ کیا۔

4.20 ولفریڈ کینیٹول اسمتھ (Smith, W.C.)

اسمٹھ گب کا شاگرد رہا۔ اس نے پی ایچ ڈی کا مقالہ مشہور مستشرق فلپ کے حطی کی نگرانی میں لکھا۔ مقالہ کا عنوان تھا: ”مجلۃ الازہر، تجزیہ و تنقید“۔ ڈلہوزی یونیورسٹی کینیڈا میں religion کا پروفیسر رہا۔

4.21 جوزف شاخت (Schacht, J)

مشہور جرمنی مستشرق خالص یہودی، اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد کتابیں لکھیں۔ لیکن اصل کام قانون اور اصول فقہ اسلامی پر کیا۔ (جوزف شاخت پر محمد طفیل کا مقالہ ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ اپریل ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں طبع ہوا ہے مفید اور معلوماتی ہے)۔

4.22 برنارڈ لوئیس (Levis, Bernord)

عہد جدید کا مشہور انگریز مستشرق بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن مشہور کتابیں Islam in History اور Arabs in History ہیں۔ کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا ایڈیٹر رہا۔ اسلام دشمنی کے لیے مشہور و معروف ہے۔

عہد جدید کے مشہور و معروف مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریک استشرقیت کے کم و کیف کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ اور بطور ماحصل یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریک استشرقیت، اپنے آغاز اور عروج و ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد انتشار (Crisis) سے دوچار ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہر حال نظر نہیں آتی۔ جو پہلے ان کا خاصہ تھا۔ جانسن نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب برطانیہ اور فرانس مسلمان ممالک کے قابو میں تھے اور اسلامی مخالفت کا سامنا کر رہے تھے تو برطانوی اور فرانسیسی Islamists ان ممالک کے مخالف اور غیر ہمدرد تھے جبکہ امریکی مصنفین عام طور پر ہمدرد تھے۔ لیکن حالیہ برسوں میں امریکی مصنفین اسلام کے بارے میں کم ہمدرد ہو گئے ہیں۔ یورپی مستشرقین اب غیر متعلق اور بے پروا نظر آتے ہیں۔ کرداروں کا یہ تقاوت غالباً ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ اختیار کیا گیا۔

(Militant Islam, PanBook, London, 1979, P-85)

مستشرقین کی نوجوان نسل، زمانے کے حالات و مسائل کے پیش نظر ذہن و فکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہو رہی ہے۔ ادھر اسلامی دنیا میں سوچ کی نئی لہریں پیدا ہو رہی ہیں۔ اور بعض جدید مفکرین و مصنفین مشرق کی

تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مدوجز ز پیدا کر دیا ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت و قوت نے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں۔ استعمار اور استحصال کی لغات الٹ ہو گئی ہیں۔ علمی و ذہنی مرعوبیت کا عالم پہلے جیسا نہیں رہا اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک، فضا اور زمین دیکھ رہا ہے۔ اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریک استشراق کے کوچ کا بگل بجادے اس لیے بقول جانسن، وقت آ گیا ہے کہ اسلامی مفکرین و علماء اپنے حریفوں کے مد مقابل آئیں اور مخالفین اسلام کے خلاف، علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آراء ہو جائیں البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت فریب نظر (Myth) ہے۔

(Militant Islam, P-85)

خود آزمائی ②

- ۱۔ بیسویں صدی عیسوی میں تحریک استشراق نے کیا کروٹ اختیار کی؟ اس موضوع پر اجمالی تبصرہ کیجئے۔
- ۲۔ مونٹے گاڈفرے، مہارن اور کارل وٹل لینیو کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجئے۔
- ۳۔ سر تھامس آرنلڈ، مارماڈیوک پکھتال اور لین پول نے کس کس موضوع پر کام کیا؟ ان کی تالیفات کی نشاندہی کیجئے۔
- ۴۔ نکلسن، نولدیکے اور ونشک کی شہرت کس وجہ سے ہوئی؟ ان کے علمی آثار پر بحث کیجئے۔
- ۵۔ پروفیسر زخاؤ، جوزف ہو رووز، کارل بروکلمان اور جوزف شاخٹ پر ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔



یونٹ نمبر 16

فتنہ انکارِ حدیث

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

501	یونٹ کا تعارف
502	یونٹ کے اغراض و مقاصد
503	① فتنہ انکار حدیث کا آغاز
505	1.1 مولانا اسلم جیراج پوری
507	1.2 مرکز ملت کے تصور کا پس منظر
507	1.3 نظریہ مرکز ملت
508	1.4 مرکز ملت کی وضاحت
509	1.5 کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے؟
511	1.6 عبداللہ چکڑالوی
513	1.7 حافظ عنایت اللہ اثری
515	1.8 غلام احمد پرویز
515	1.9 اطاعت رسول
517	② مقام رسالت
517	2.1 رسالت بدستور جاری ہے۔
518	2.2 اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد
519	2.3 الگ الگ اطاعت کا تصور

521

③ نظام ربوبیت

521

3.1 دور نبوی اور نظام ربوبیت

523

④ روایت حدیث

524

4.1 روایات سے جی بہلانا

524

4.2 حضرت ابو بکرؓ اور امتناع روایت

525

4.3 حضرت عمرؓ اور امتناع روایت

526

4.4 صحابہ کرام اور حدیث رسول

527

4.5 حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کی مرویات

529

⑤ قرآن اور فقہ

529

5.1 امام داؤد طائی اور روایت حدیث

530

5.2 امام ابن قتیہ اور تاویل مختلف الحدیث

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق ایک بہت اہم موضوع ”فتنہ انکار حدیث“ سے ہے۔ انکار حدیث کے فتنہ کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس لئے علماء حدیث نے اس فتنہ کے خلاف اس کے آغاز کے ساتھ ہی قلمی جہاد شروع کر دیا۔ اور اس طرح اس ضمن میں ایک بہت وسیع لٹریچر وجود میں آیا۔ اس لٹریچر کا اثر یہ ہوا کہ انکار حدیث کا فتنہ بڑی حد تک دب گیا۔ اور جو لوگ حدیث کی حجیت کا انکار کرنے پر مصر تھے، وقت کے ساتھ ساتھ ان کی آواز بیٹھ گئی۔ بد قسمتی سے انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں کچھ علماء ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اس موضوع کو از سر نو زندہ کیا۔ اور وہ اعتراضات جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اٹھائے گئے تھے۔ انہیں نئی زبان دے کر پھر اچھا لایا گیا۔ اور یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ حدیث کے ذخائر ناقابل استدلال اور ناقابل اعتماد ہیں۔ اس پروپیگنڈہ میں جہاں مستشرقین پیش پیش تھے، وہاں ایسے علماء بھی شامل تھے جو ان کی فکر سے متاثر تھے یا ان کے کچھ اور اهداف و مقاصد تھے۔ اس یونٹ میں متعلقہ موضوع پر بنیادی اور اساسی مواد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں اور ساتھ ساتھ ان کتابوں کو بھی دیکھنے کی کوشش کریں جن کے حوالہ جات یونٹ میں دیئے گئے ہیں۔ امید ہے آپ اس یونٹ کو دلچسپ اور مفید پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ﴿ فتنہ انکار حدیث کے آغاز اور اسباب و عوامل پر بحث کر سکیں۔ ﴾
 - ﴿ مولانا اسلم جیراج پوری اور حدیث کے بارے میں ان کے موقف پر گفتگو کر سکیں۔ ﴾
 - ﴿ غلام احمد پرویز اور اطاعت رسول کے بارے میں ان کے نقطہ نظر پر بات کر سکیں۔ ﴾
 - ﴿ روایت حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کے اعتراضات کی نشاندہی کر سکیں۔ ﴾
 - ﴿ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی امتناع روایت کے بارے میں تبصرہ کر سکیں۔ ﴾
 - ﴿ صحابہ کرام اور حدیث رسول کے موضوع پر منکرین حدیث کے موقف کا تجزیہ کر سکیں۔ ﴾

① فتنہ انکار حدیث

اسلام میں تقریباً پہلی صدی ہجری تک صحیح احادیث کو بلا تفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر و نشر، رؤیت باری تعالیٰ، صراط و میزان، جنت و جہنم اور اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا۔ اور اپنے مخصوص مزاج اور رویہ کی وجہ سے اخبار متواترہ کے علاوہ بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا۔ اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے ذوق و مذاق کے خلاف دیکھیں، تاویلیں کر ڈالیں۔ حافظ ابن حزم اندلسی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ اور دیگر تمام فرقے رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔“ (الاحکام فی اصول الأحکام - ج ۱ - ص ۱۱۳)

علامہ طاہر بن صالح الجزائری لکھتے ہیں کہ

”اگرچہ علماء کے ہاں یہ بات بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں تو غل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مگر یہ خیال بے اصل ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں ظاہر ہو چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسفہ کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا۔ علامہ جزائری کا یہ دعویٰ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے جب بھی فلسفی اثرات کے لئے کتابی تو غل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے عقائد، طرز استدلال، انداز شبہات سب اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ خارجی یا داخلی کسی نہ کسی طور پر ان کے دماغوں پر فلسفہ کا تسلط ضرور ہو چکا تھا۔“

انکار حدیث کی فکر جب عام ہونے لگی تو سب سے پہلے امام شافعی نے اپنی کتاب ”الرسالۃ“ اور ”کتاب الام“ کی ساتویں جلد میں اس کی تردید کی۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اطاعت رسول ﷺ کے اثبات میں مستقل ایک جزو تصنیف کیا۔ اور آیات اور روایات سے اپنے مخالفین کی تردید کی۔ جس کا ایک حصہ حافظ ابن قیم نے ”اعلام الموقعین“ میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے اپنی کتاب ”المستصفی“ میں، امام ابن حزم نے ”الاحکام فی اصول الاحکام“ میں اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزير نے ”الروض الباسم“ میں اس کے خلاف مقالات لکھے۔ یہاں تک کہ پھر اصول حدیث اور اصول فقہ کا یہ ایک مستقل موضوع بن گیا۔ متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی ایک مستقل جزء اس پر تالیف کیا۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا، اس لئے انکار حدیث میں انھیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک گروہ نے یہ تصریح کر دی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (اس کے راوی اول سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دور ہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی روایت قابل استدلال ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوعلی جبائی معتزلی سے نقل کیا ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ ابوالحسن بصری معتزلی نے اپنی کتاب ”المعتمد“ میں مراہیل کو قابل استدلال بتایا ہے۔ اور اس اصول میں جمہور فقہاء کے موقف کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔ لیکن موجودہ دور میں انکار حدیث کا جو فتنہ پایا جاتا ہے، اس فتنہ کی بنیاد علم و فہم پر نہیں بلکہ جہل و عناد پر ہے۔ اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ اس لئے اب انکار حدیث کے لئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کر دیا گیا۔

قرآن نے تو شریعت موسویہ کے صرف چند احکام ہی کو اصر و اغلال سے تعبیر فرمایا تھا، مگر یہاں بعض منکرین حدیث نے آپ ﷺ کی تمام احادیث، احکام و ہدایات کو اصر و اغلال کہہ ڈالا۔ اس جماعت کا عقیدہ یہ ہے

ہے کہ اطاعت صرف کتاب اللہ کی واجب ہے۔ رسول کی اطاعت منصب رسالت کے لحاظ سے کوئی ضروری امر نہیں۔ اس کا فریضہ صرف تبلیغ قرآن سے ادا ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے، گویا اس کے کسی قول و فعل کو تشریحی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے تو ایسے ہی جیسے اپنے زمانے کے ہر امیر اور حاکم کی لازم ہوا کرتی ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد درحقیقت مقام نبوت اور حقوق نبوت سے تمام تر ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ باطل ہے اور اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے اس خیال کی اصلاح کر کے انکار حدیث کی ایک تیسری صورت پیدا کی گئی، اور وہ یہ کہ دین میں کتاب اللہ کے سوا ”اسوۂ رسول“ کا اتباع اور پیروی لازم ہے۔ ”اسوۂ رسول ﷺ“ رسول ﷺ کا وہ عمل ہے جو اس نے امت کو کتاب اللہ کے مطابق کر کے دکھایا ہے، اس کے علاوہ دوسرے امور میں اس کی حیثیت پھر وہی امیر کی حیثیت رہ جاتی ہے، جس کی اطاعت صرف اس کے زمانہ حیات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس خیال و فکر کے حامل جناب اسلم جیراج پوری اور ان کی جماعت ہے۔ مولانا جیراج پوری کے نزدیک حدیث کو کوئی تشریحی حیثیت حاصل نہیں، زیادہ سے زیادہ صرف تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

1.1 مولانا اسلم جیراج پوری

مولانا جیراج پوری ۱۳۹۹ھ میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں بطور لیکچرر کام شروع کیا۔ بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف میں سے تاریخ القرآن، تاریخ امت (آٹھ جلدوں میں) اور الوراثة فی الاسلام قابل ذکر ہیں۔ منکرین حدیث کی جماعت میں آپ کی حیثیت اس پہلو سے زیادہ مسلمہ ہے کہ اس فکر کو تقویت دینے اور غذا فراہم کرنے میں آپ کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ غلام احمد پرویز نے آپ ہی کی افکار سے فیض حاصل کیا ہے۔ مولانا جیراج پوری کی نظر میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظ دیگر، اگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعہ ہائے حدیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی مرضی اور پسند پر منحصر ہے، اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ

وہیکم کی تفسیر کرتے ہوئے آپ احادیث پر ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ کرتے ہیں:

”اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایات سے پوری کی جائے، اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین و ضوابط کے استنباط میں کام لیا جاسکتا ہے۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے۔ وہ یقینی اور دینی ہے، کیونکہ تواتر یقینیات کی اقسام میں داخل ہے اور اس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ ﴿وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (طلوع اسلام۔ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اشتراکیت اور روس میں مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوئے ہیں۔ لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب و ضرب، شورش و انقلاب اور تغیر و تبدل ہو رہا ہے وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے۔ اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے، کیونکہ انسانیت کو ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔“ (نوادرات۔ ص ۱۱۴)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی تاریخ

میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم (خون بہانا)، اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے، اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی لا ہے۔“ (نوادرات - ص ۱۱۳)

آپ کی اس فکر کو بنیاد بنا کر غلام احمد پرویز صاحب نے ”قرآنی نظام ربوبیت“ ایجاد کیا۔ اور تمام منکرین حدیث پر آپ کا احسان یہ ہے کہ آپ نے مرکز ملت کا تصور اختراع کر کے ان حضرات کو ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دلائی۔

1.2 مرکز ملت کے تصور کا پس منظر

مرکز ملت کے تصور کا پس منظر یہ ہے کہ منکرین حدیث نے حدیث سے انکار تو کر دیا مگر اب قرآن کے احکام کی تعمیل کا طریقہ کار کا مسئلہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ انکار سنت تک تو ان سب کی راہ ایک تھی مگر آگے چل کر اس سے کئی راہیں پیدا ہو گئیں اور یہ لوگ کسی ایک مسئلہ میں بھی متحد نہ رہ سکے، اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ بالآخر حافظ اسلم جیراج پوری نے اس ”امت“ کے سامنے مرکز ملت کا نظریہ پیش کیا، اس پر عملدرآمد کی تو کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ تاہم آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور نظریہ پیش کر دیا۔ آپ نے یہ تصور جن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہو بہو اسے نقل کیا جاتا ہے۔

1.3 نظریہ مرکز ملت

”چوتھی دلیل جو بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، یہ ہے کہ بیسیوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیثیں دینی حجت نہ ہوں تو یہ اطاعت کس طرح ہوگی؟ دراصل یہی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو حدیثوں کو دین بنانے کا موجب ہوتی ہے۔ میں نے اس بحث پر ایک مفصل مقالہ ”اسلامی نظام“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہاں مختصر صرف اس

قدر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں:

(۱) پیغمبری، یعنی پیغامات کو بلا کم و کاست لوگوں تک پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ ﷺ کی ذات پر ختم ہو گئی۔

(۲) امامت، یعنی امت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم قرار دی گئی۔

1.4 مرکز ملت کی وضاحت

یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی، قیامت تک کے لئے مستمر (جاری و ساری) ہے، جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ ہمیشہ رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعت رسول ﷺ کے جو احکام ہیں، آپ ﷺ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ منصب امامت کے لئے ہیں۔ جس میں آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے، اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔ (اور یہ امت ہمیشہ آپ کی ہی امت رہے گی کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی۔

اطاعت رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے جو کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں گے۔ دین کی ضروریات، قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے، جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضاء زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدت مرکز قائم رکھے گا، اور متفرق نہ ہونے دے گا۔ (مقام حدیث ص ۱۳۰)

مولانا جیراج پوری کے پیش کردہ تصور کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی صرف دو حیثیتیں تھیں، ایک بحیثیت رسول ﷺ، دوسرے بحیثیت حاکم۔ حالانکہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی کئی حیثیتیں بیان کی ہیں۔

(۲) پیغمبری والی حیثیت ختم ہو گئی ہے، حاکمیت والی باقی ہے۔ بعد میں آنے والا ہر حاکم چونکہ رسول کا قائم مقام ہے، لہذا اس کی اطاعت، رسول کی اطاعت، اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ گویا بعد میں آنے والے حاکم یا مرکز ملت کی اطاعت، اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت ہے۔

(۳) یہ کہ مرکز ملت قرآن کو سامنے رکھ کر حسب اقتضاء زمانہ شریعت سازی کرے گا۔

(۴) اس مرکز ملت کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ وحدت مرکزی کو بھی قائم رکھے گا۔

1.5 کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے؟

مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے، درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر غلط

(۱) رسول مامور من اللہ ہوتا ہے، جبکہ دوسرے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ مرکز ملت یا تو منتخب شدہ ہو گا، یا بزور بازو و برسر اقتدار آئے گا اور ان دونوں صورتوں میں غلطی کا امکان ہے۔

(۲) ”رسول تمام امت کے لئے اسوہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کی سیرت و کردار میں کوئی جھول رہ جائے تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ مگر مرکز ملت کے لئے اصلاح کی یہ صورت ممکن نہیں۔

(۳) قرآن اور نبی کی سیرت و کردار یہ دو چیزیں مل کر شریعت بنتی ہے۔ اور یہ دوسری چیز بھی یا تو منزل من اللہ ہوتی ہے یا منشاء الہی کے مطابق ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ (۵/۴۰)

”تم میں سے ہر امت کے لئے ہم نے شریعت اور طریقہ مقرر کیا۔“

اور رسول اللہ کے لئے خاص کر فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾ (۱۸/۴۵)

”پھر ہم نے آپ کو امر (اقامت دینی) میں ایک شریعت پر قائم کیا، سو اسی کی پیروی کرو۔

نوٹ: مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ اگر مرکز ملت قائم ہو جائے تو امت میں اختلاف ختم ہو جائیں گے اور مرکز ملت کے ساتھ مرکزی وحدت بھی قائم ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی ”خیالی جنت“ ہے جس کا عملی دنیا میں وقوع پذیر ہونا ناممکنات میں سے ہے، اس لئے کہ:

(۱) آج کے دور میں بھی مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کی شرعی حیثیت اور اسے شرعی قانون کا ماخذ تسلیم کرتی ہے۔ ان حالات میں نہ ایسا مرکز ملت قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس خیالی مرکزی وحدت کا امکان ہے۔

(۲) اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ سارے مسلمان سنت کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت پچاس پچپن ممالک میں مسلمان حکمران ہیں وہ ایک مرکز ملت قائم کرنے پر کیسے رضامند ہو جائیں گے۔ بصورت دیگر وہ اپنے اپنے ممالک میں الگ الگ مراکز ملت قائم کریں گے اور قرآن کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے ملک کے لئے الگ الگ شریعتیں تیار کریں

گے۔ اور پھر یہ سلسلہ صرف ایک دور تک محدود نہیں تا قیامت جاری رہے گا۔ تو اندازہ کیجئے کہ اس طرح تیار شدہ شریعتوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ پھر چونکہ ہر ملک شریعت سازی کے وقت اپنے ملک کے حالات اور تقاضوں کو بھی مد نظر رکھے گا، اس لئے ان شریعتوں میں اختلاف ناگزیر ہوں گے اور بحث وجدال و انتشار کے کئی نئے میدان کھل جائیں گے۔

(۳) مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کو شرعی حجت تسلیم کرتی ہے اور سنت نے ہر فریضہ کی بجا آوری کے لئے ایک متعین شکل سامنے رکھ دی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کی آیات کی تفسیر و تاویل میں جو کچھ اختلافات ہیں وہ معلوم و مشہور ہیں۔ اب اگر سنت کو چھوڑ کر محض لغت کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر و تاویل کی جائے گی تو اس میں جس قدر اختلافات ممکن ہیں، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ پھر اگر لغوی تفسیر میں حالات و زمانے کے تقاضوں کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جائے گا۔ یہ سنت کو شرعی حجت ماننے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے اربوں افراد اصولی احکام و مسائل میں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع نظر آتے ہیں۔

1.6 عبد اللہ چکڑالوی

حدیث و سنت کو حجت نہ ماننے والوں میں ایک اہم نام عبد اللہ چکڑالوی کا بھی ہے۔ عبد اللہ چکڑالوی، ضلع گورداسپور کی ایک بستی چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ آپ کا تعلق ابتداء میں اہل حدیث مکتب فکر سے رہا، لیکن بعد میں حجت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

”پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے، اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل و انبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔“

جس طرح شرک موجب عذاب ہے، اسی طرح مطابق ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ اور ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ اور ﴿لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ کے شرک فی الحکم یعنی دین میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کر دینے والا باعثِ ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ (ترجمۃ القرآن - ص ۹۸)

نوٹ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چکڑ الوی صاحب نے جن تین آیات کا حوالہ دیا ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ ہی بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب (قرآن) میں اپنے رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دے تو یہ شرک فی الحکم یا شرک فی الکتاب کیسے بن گیا؟ انکارِ حدیث کی بناء پر چکڑ الوی صاحب دوسرے منکرینِ حدیث کی طرح معجزات، شفاعت، عذابِ قبر، ایصالِ ثواب اور تعددِ ازواج کے بھی قائل نہ تھے البتہ ایک بات ایسی ہے جس میں چکڑ الوی صاحب دوسرے منکرینِ حدیث سے ممتاز نظر آتے ہیں وہ یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سید الانبیاء ہونے کے قائل بھی نہ تھے۔ آپ ایک سائل کو جواب یافتوی دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”آپ نے اپنے مسلمہ قرآن اور بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیمؑ کا خصوصاً، لقب مرحمت فرمایا ہے۔ اور پھر آپ نے ان کو نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء اور رسل کی تحقیر و تذلیل کر کے ”لانفرق بین احد من رسلہ“ کا کفر کیا یا نہیں؟“ (اشاعۃ القرآن - مئی ۱۹۲۲ء - ص ۱۳)

نوٹ: چکڑ الوی صاحب کو ﴿لَا نَفَرًا﴾ والی آیت کو قرآن میں نظر آگئی مگر ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ کہیں نظر نہیں آیا۔ پہلی آیت میں مقامِ رسالت کا ذکر ہے، رسول ہونے کی حیثیت سے تمام انبیاء برابر ہیں۔ دوسری آیت میں انبیاء کے درجات کا بیان ہے، اس پہلو سے انبیاء میں فرق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سابقہ انبیاء کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ ﴿فَهِدْهُمْ اِقْتَدُوا﴾ اور یہ ہدایت منزل من اللہ اور سب انبیاء پر ایک جیسی ہی نازل ہوئی ہے اور ابراہیم کی ملت کی اتباع کا ذکر فرمایا ہے اور ملت سے مراد وہ نظام دین ہے۔ جو ابراہیم نے تو قائم فرمایا تھا۔ نظام دین کے قیام میں پیش آمدہ مشکلات میں اگر سابقہ انبیاء کی ایسی ہی مشکلات اور صبر و ثبات کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کو بھی ان کے طریق کار کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے تو اس سے آپ ﷺ کا درجہ کیسے کم ہو گیا؟ درجہ کی فضیلت تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس نظام دین کو قائم کرنے میں کون سا رسول سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے؟ اور قرآن و حدیث اور تاریخ شاہد ہے کہ اس پہلو سے آپ ﷺ سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

چکڑ الوی صاحب کو صحیح بخاری اور صحاح کی دیگر کتابوں میں یہ حدیث ((انا سید ولد آدم ولا فخر)) بھی کہیں نظر نہ آئی، اس حدیث کی رو سے آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ جن میں یہ تمام انبیاء اور رسل بھی شامل ہیں۔ نہ ہی چکڑ الوی صاحب کو کہیں یہ حدیث نظر آئی کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

1.7 حافظ عنایت اللہ اثری (م ۱۹۸۰ء)

حافظ عنایت اللہ اثری کا تعلق مکتب اہل حدیث سے تھا لیکن بعد میں انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ آپ بھی تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر تھے۔ حافظ اثری صاحب نے تمام امت مسلمہ کے مسلمہ عقیدہ کے برعکس ”عیون زمزم فی ولادۃ عیسیٰ بن مریم“ نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدائش کی تردید کی۔ علاوہ ازیں دو کتابیں ”بیان الحجاز“ اور ”قول الحجاز“ لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات کا انکار کیا ہے۔ حافظ صاحب اور دوسرے منکرین حدیث میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا طریق کاریہ ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں، پھر بعد میں قرآن مجید کی من مانی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ حافظ صاحب نے پہلے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کیں، اور پھر احادیث کا انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کی من مانی اور من گھڑت تاویلات میں حافظ اثری نے باقی تمام منکرین

حدیث کو مات دی ہے۔ حافظ اثری نے جب واقعہ اسراء کی تاویل کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد ”دور کی مسجد“ اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسراء سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا، تو غلام احمد پرویز صاحب نے انھیں درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

”اگلے دنوں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیر آبادی ثم گجراتی) کی کتاب ”حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن“ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجد اقصیٰ کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے ”مفہوم القرآن“ میں لکھا تھا۔ ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایاتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو، واقعی باعث تعجب ہے۔ (اور چونکہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کی منشاء کے مطابق ہے، اس لئے وجہ حیرت ہے) مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے ایسا ہی ہو اور خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرات پر ہدیہ تبریک قبول فرمائیں۔“ (طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۵ھ)

خود آزمائی ①

- (۱) فتنہ انکار حدیث کا آغاز کب ہوا؟ اس فتنہ کے اسباب و عوامل پر بحث کیجئے۔
- (۲) مولانا اسلم جیراج پوری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کے موقف کو اختصار کے ساتھ پیش کیجئے۔
- (۳) مرکز ملت کی اطاعت اور رسول کی اطاعت میں کیا فرق ہے؟ اس بارے میں وضاحت کیجئے۔
- (۴) عبد اللہ چکڑالوی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیلاً بیان کیجئے۔
- (۵) حافظ عنایت اللہ اثری کون تھے؟ منکرین حدیث کے ہاں انھیں کس پہلو سے اہمیت حاصل ہے؟

1.8 غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ھ)

غلام احمد پرویز، حافظ اسلم جیراج پوری کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزارا۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے اور علامہ کے کلام کا بیشتر حصہ آپ کو ازبر تھا۔ ۱۹۳۸ھ میں علامہ اقبال نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سیڈنڈیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام طلوع اسلام جاری کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد غلام احمد پرویز اس ماہنامہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اور پھر اس کی سرپرستی سنبھال لی۔ شروع میں علامہ اقبال کی تعلیمات اور افکار کے حوالہ سے لکھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اس پرچہ کو اپنے افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے۔ کراچی آ کر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لئے مختص کر لیا۔ اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا گیا۔ ماہنامہ طلوع اسلام پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرین حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۵۵ء میں غلام احمد پرویز نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ اس کے بعد لاہور منتقل ہو گئے اور گلبرگ میں رہنے لگے۔ فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ غلام احمد پرویز مغربی مفکرین کے افکار و نظریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لئے بکثرت ان کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ بعد میں قرآنی آیات لکھ کر ان افکار پر فٹ کر دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے افکار و نظریات کی مکمل وضاحت کے لئے طلوع اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود رہے اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو بھی شائع کیا۔ اور آپ کے افکار و نظریات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ غلام احمد پرویز نے اپنے افکار و نظریات کو پھیلانے کے لئے وسیع لٹریچر تخلیق کیا۔ ذیل میں آپ کے افکار کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1.9 اطاعت رسول

امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت فرض اور واجب و لازم ہے۔ لیکن غلام احمد پرویز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”مقلد ائمہ ہوں یا مقلد روایات، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کبار یا ائمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں وقت اتنا نہیں سوچتے کہ رسول اللہ ﷺ و صحابہ کبار یا ائمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آپ بھی اپنے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجئے۔“ (اسباب زوال امت - ص ۱۰۱)

اس اقتباس میں غلام احمد پرویز صاحب نے تقلید کا لفظ ائمہ اجتہاد و فقہاء کے ساتھ صحابہ کبار اور اس سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت پر بھی استعمال کر کے، مسلمانوں کو اطاعت رسول سے برگشتہ کرنے کی جسارت کی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا خود سوچنے میں سارے مسائل کا حل موجود ہے؟ اگر خود سوچنے کی بات تھی تو رسول اکرم ﷺ نے ”افک“ کے معاملہ میں مہینہ بھر کیوں سوچا؟ اور اتنی پریشانی برداشت کی؟ جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں پر پورے پچاس دن کیوں سختی کی جاتی رہی۔ آپ نے خود سوچ کر اس کا حل کیوں نہ پیش فرمادیا۔

غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے کروڑوں افراد قرآن اور لغت کے ماہر ہیں اور ان میں سے ہر شخص اتنا ذی استعداد اور باصلاحیت ہے کہ خود سوچ کر اپنے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے سب لوگوں کو ایک جیسی صلاحیت نہیں دی ہے۔ جہاں تک قرآن و حدیث کی آیات و روایات کے فہم صحیح کا تعلق ہے تو اس کا انحصار لغت کی مہارت اور مطالعہ کی وسعت پر نہیں بلکہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق اور ارادت و عقیدت پر ہے۔ اگر ہر شخص اپنی سوچ اور فکر سے اپنے مسائل حل کر سکتا تو اللہ جل شانہ ہدایت و رہنمائی کا یہ سارا نظام کیوں قائم فرماتا؟..... کتاب کیوں نازل فرماتا؟..... اور انبیاء کیوں مبعوث فرماتا؟..... جہاں تک ائمہ اجتہاد کا تعلق ہے تو یہ حضرات بھی ہر معاملہ میں کتاب و سنت کو اپنے اجتہاد کا ماخذ قرار دیتے تھے۔ اگر کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ کو بھی ماخذ قانون بنانے کو ”تقلید“ کا نام دیا جائے تو بلاشبہ یہ سارے حضرات مقلد تھے۔ اور سنت کی تقلید و اتباع ظاہر ہے کہ لازمی اور ضروری ہے۔

② مقام رسالت

سنت رسول ﷺ کی پیروی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد غلام احمد پرویز صاحب

مقام رسالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”توحید کے بعد رسالت حضور ختم المرسلین پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن رسول پر ایمان لانے سے مفہوم اس کی ذات پر ایمان نہیں کیونکہ اس کی ذات تو مکان و زمان کے حدود کی پابند ہوتی ہے اور ملت اسلامیہ جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے، ابدیت سے ہمکنار ہے۔ رسالت محمدیہ پر ایمان سے مقصود اس کتاب پر ایمان ہے جو حضور ﷺ کی وساطت سے امت کو ملی۔“ (فردوسِ گمشدہ:

ص ۳۸۳)

جمہور علماء امت کے نزدیک نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے لیکن غلام احمد پرویز صاحب کی تعلیمات کے مطابق نبی اور رسول میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ جو نبی ہے وہ رسول بھی ہے اور جو رسول ہے وہ نبی بھی۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں:

”نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ ایک قوت ہے، دوسری اس کی عملی تفسیر، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایک ہی شخصیت کو کہیں نبی کہا گیا ہے اور کہیں رسول۔“ (سلیم کے نام سولہواں خط: ص ۲۶۳)

2.1 رسالت بدستور جاری ہے۔

ایک طرف تو غلام احمد پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں لیکن دوسری طرف آپ اس ”ایک ہی حقیقت“ کے دونوں رخوں کو جدا جدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی نبوت کو تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں اور رسالت کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں آپ

لکھتے ہیں:

”نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے اور رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت ختم ہو گئی مگر رسالت باقی رہ گئی۔ اس لیے کہ اب انقلاب کا مدار رسالت پر تھا نہ کہ شخصیتوں پر۔ آئیڈیالوجی حروف و نقوش کی شکل میں محض مجرد تصور ہوتی ہے۔ اس کی عملی صورت نظام کہلاتی ہے۔ لہذا یوں سمجھئے کہ ختم نبوت کے بعد اشخاص کی جگہ نظام نے لی۔ مگر رسالت محمدیہ قیامت تک کے لیے باقی ہے۔ لیکن مسلمان اس سے دور ہی نہیں بلکہ اس کی راہ میں روک بنا کھڑا ہے۔ ختم نبوت کی لم مدت ہوئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اس لیے اس نے رسالت کو ایک عرصہ سے پس پشت ڈال رکھا ہے۔“ (سلیم کے نام چودہواں خط: ص ۲۳۱)

2.2 اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد

غلام احمد پرویز صاحب اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بارے میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”چونکہ نظام دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لیے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا۔ لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظام دین (Central Authority) ہے جہاں سے احکام قرآنی نافذ ہوں۔“ (معراج انسانیت: ص ۶۱۶)

اب ظاہر ہے کہ یہ مرکز ملت بھی کوئی شخص یا اشخاص کا گروہ ہو گا جن کو اللہ اور رسول دونوں کے جملہ حقوق تفویض کئے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں ادارہ طلوع اسلام کے ایک اہم رکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب کہتے ہیں:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

”عملی انتظام کی سہولت کے لیے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو نمائندہ بنا کر ((فیکم رسول)) کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد ((فیکم رسول)) سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے۔ جو رسول کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے۔ اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے۔“ (طلوع اسلام: جون ۱۹۵۹ء)

2.3 الگ الگ اطاعت کا تصور

غلام احمد پرویز نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد قرآن کی اطاعت لیتے ہیں اور رسول کی اطاعت سے مراد احادیث کی اتباع ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی الگ الگ اطاعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اور رسول ﷺ کی اطاعت عبارت ہے قرآن اور اسوۂ حسنہ سے۔ اس طریق اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی تصور مسلمانوں میں موجود نہیں۔ غلام احمد پرویز صاحب ﴿أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم﴾ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولی الامر سے مراد لیے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کی حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو بار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔ ذرا غور فرمائیے کہ دنیا میں نظام حکومت اس طرح سے قائم رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے، اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن

وحدیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے دے۔ اس آیت
مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکزِ ملت
ہے اور اولی الامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی
مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں
مناقشات شروع کر دو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو،
اسے مرکزی حکومت کی طرف refer کر دو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لیے
واجبِ تسلیم ہوگا۔ یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف
عدالتِ عالیہ میں مرافعہ (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے۔ (معراج
انسانیت: ص ۲۲۵)

③ نظام ربوبیت

غلام احمد پرویز نے اپنے لٹریچر میں نظام ربوبیت کی اصطلاح کا بہت کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ جس طرح مولانا اسلم جیراج پوری نے مکرملت کی خیالی جنت کا تصور پیش کیا ہے اسی طرح پرویز صاحب نے نظام ربوبیت کو بنیاد بنایا ہے۔ اس ضمن میں آپ کہتے ہیں:

”میں نے جو گزشتہ صفحات میں لکھا ہے (اور جو کچھ بعد میں آئے گا) اسی میں آپ نے ایک چیز کو نمایاں طور پر محسوس کیا ہوگا اور وہ یہ کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی سند میں صرف قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ تاریخ اور روایات سے کچھ نہیں لکھا۔ حتیٰ کہ میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ نبی اکرم نے جس نظام ربوبیت کو مشکل فرمایا ہے اس کے خدوخال کیا تھے؟..... اور وہ کب تک علیٰ حالہ قائم رہا؟..... ایک بات بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کو یہ تسلیم ہے کہ جو کچھ ان صفحات میں لکھا گیا ہے وہ قرآن کی رو سے صحیح ہے تو اس کے بعد ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے مطابق معاشرہ کی تشکیل فرمائی ہوگی۔“ (نظام ربوبیت: ص ۲۲۳)

3.1 دورِ نبوی ﷺ اور نظام ربوبیت

غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں نظام ربوبیت کے قیام کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ جس زمانہ (چھٹی صدی عیسوی) میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ذہن انسان اپنی پختگی تک نہیں پہنچ چکا تھا۔“

اس نے فقط اپنے عہد طفولیت کو چھوا تھا۔ اب اسے رفتہ رفتہ پختگی تک پہنچنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی فقید المثال تعلیم اور سیرت سے قرآنی اصولوں کو معاشرہ میں نافذ العمل کر کے دکھایا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اصول ناممکن نہیں۔ لیکن اس زمانہ کی دنیا ہنوز ذہنی طور پر اس سطح پر نہیں آچکی تھی کہ وہ ان اصولوں کو یا ان کی بنیادوں پر قائم کردہ معاشرہ کو شعوری طور پر اپنا سکے۔ یہ چیز ابھی ان کے شعور میں سما ہی نہیں سکتی تھیں۔ اگر مسلمان اسے اسی ”ایمان بالغیب“ کے انداز سے جس سے یہ معاشرہ قائم ہوا تھا آگے چلاتے رہتے تو یہ آگے بڑھتا رہتا لیکن انہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا اور شعوری طور پر دنیا ہنوز اس قابل نہ تھی کہ اسے اختیار کر سکتی۔ لہذا یہ نظام ختم ہو گیا۔“ (نظام ربوبیت: ص ۲۳۴)

④ روایت حدیث

روایت حدیث کے عنوان کے تحت مولانا اسلم جیراج پوری صاحب لکھتے ہیں:

”روایت کا آغاز عہد نبوی ﷺ میں ہی ہو چکا تھا۔ صحابہ گرام جن اوقات میں صحبت مبارک میں موجود نہیں رہتے تھے۔ ان اوقات کے احوال و اقوال نبوی ﷺ کو دوسرے صحابہ سے جو حاضر رہتے تھے، سنتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس غرض کے لیے اپنے ایک پڑوسی انصاری نو جوان سے باری مقرر کر رکھی تھی اور یہ حضرات سنتے اسی سے تھے جس پر انہیں اعتماد ہوتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں منافقین بھی موجود تھے۔ علاوہ بریں رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی تھی کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے بچو (ابن ماجہ) اس لیے عہد رسالت میں روایتیں بہت تھوڑی تھیں اور وہ بھی اخباری حیثیت رکھتی تھیں۔“ (مقام حدیث: ص ۷۵)

نوٹ: اس اقتباس میں مولانا جیراج پوری صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ گرام کو کثرتِ روایت سے منع فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کی طرف منسوب اقوال و افعال کا تذکرہ کریں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ گرام کو احتیاط کے ساتھ روایت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اصل حدیث یوں ہے:

((إياكم وكثرة الحديث عني، فمن قال علي ما لم اقل فليتبوأ

مقعده من النار)). (سنن ابن ماجہ: التغلیظ فی تعمد الکذب).

”کثرتِ حدیث سے بچو اور جو کوئی میرے متعلق کوئی بات کہے تو اسے چاہئے کہ سچ اور حق بات کہے اور جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات بتائی جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔“

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

مولانا جیراج پوری یہ روایت اس خلیفہ کے متعلق بیان کر رہے ہیں جس کی خلافت کا فیصلہ ایک حدیث ”الائمۃ من قریش“ کی بنیاد پر ملے ہوا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ حدیث بھی اس نے خود پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں دادی کی میراث کا فیصلہ آپ نے حدیث ہی کی بنا پر کیا اور یہ حدیث حافظ اسلم صاحب بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

4.3 حضرت عمرؓ اور امتناع روایت

حضرت عمرؓ کے بارے میں مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

”خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بھی اپنے زمانے میں روایات کو روکتے رہے۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ عراق کو روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ مقام صرار تک ہم کو رخصت کرنے کیساتھ آئے وہاں پہنچ کر فرمایا: ”تم جانتے ہو میں کیوں آیا ہوں؟..... ہم نے کہا: ہماری مشالیت اور تکریم کی غرض سے۔ فرمایا: ہاں اور اس لیے بھی کہ تم سے کہوں کہ تم وہاں جا رہے ہو جہاں لوگوں کی تلاوت قرآن کی آواز شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح گونجتی رہتی ہے۔ لہذا ان کو حدیثوں میں پھنسا کر قرآن سے نہ روکنا اور روایتیں نہ سنانا“ قرظہ کہتے ہیں اس دن کے بعد سے پھر میں نے کبھی حدیث بیان نہیں کی۔“ (مقام حدیث: ص ۷۶)

نوٹ: یہ روایت حافظ ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم سے لی گئی ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اس نوعیت کی تین روایات نقل کی ہیں۔ اس کے بعد ان تینوں روایتوں پر اپنا تبصرہ پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایات سے بعض جاہل اہل بدعت نے احادیث سے بے نیاز کا مطلب نکالا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی ہدایت محض اس لیے تھی کہ جن لوگوں کے پاس قرظہؓ اور ان کی جماعت جا رہی تھی وہ نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی قرآن کی تعلیم سے نا بلد تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے اس ضمن میں اور واقعات بھی پیش کئے ہیں اور آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول درج کیا ہے:

”سیاتی قوم یجادلونکم بشبہات القرآن، فخذوہم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بکتاب اللہ عز وجل“۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۱۲۳)

”عنقریب ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو تم سے قرآن کی متشابہ آیات کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ تم ان پر سنن (احادیث) کے ذریعہ گرفت کرنا۔ کیونکہ اہل سنن ہی اللہ عز وجل کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔“

4.4 صحابہ کرام اور حدیث رسول ﷺ

مولانا اسلم حیراچوری صحابہ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں:

”چنانچہ اکثر صحابہؓ سے بہت سی روایتوں کے قبول کرنے میں توقف ثابت ہے جس سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیثوں کو دینی حجت نہیں مانتے۔“

(مقام حدیث: ص ۲۹)

مولانا جیراچوری نے یہ اقتباس شیخ طاہر بن صالح الجزارری کی کتاب توجیہ النظر سے نقل کیا ہے۔ لیکن پوری عبارت پیش نہیں کی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

وقد استدل بذلك من يقول بعدم الاعتماد في أمر الدين، وقد رد عليهم الجمهور. (توجیہ النظر: ص ۱۵)

”ان باتوں سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیث کو دینی حجت نہیں مانتے اور جمہور علماء نے ان کے اس نظریے کو مردود قرار دیا ہے۔“

مولانا جیراچوری مزید لکھتے ہیں:

”وجوہات مذکورہ کے باعث عہد صحابہؓ میں روایات کا ذخیرہ بہت قلیل تھا۔ علاوہ اس میں وہ عملی زندگی میں منہک تھے اور اعلائے کلمۃ الحق اور حروب و فتوحات کی

مشغولیت سے ان کے لیے موقع بھی کم تھا کہ بیٹھ کر روایتیں کرتے۔ اس لیے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے ناموں سے جو بے شمار روایتیں منسوب کی گئی ہیں وہ زمانہ مابعد کے رواۃ کا کارنامہ ہوں جبکہ حدیثوں نے فن کی صورت اختیار کر لی اور ہر روایت کے ساتھ سلسلہ سند کی ضرورت پڑی جو بلا کسی صحابی کے آنحضرت ﷺ تک منتہی نہیں ہو سکتا تھا۔ (مقام حدیث: ص ۸۱)

نوٹ: عہدِ صحابہ میں روایات کا ذخیرہ اتنا قلیل نہ تھا جتنا کہ مولانا جیراج پوری بتا رہے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے وقت مخاطب صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی جنہیں یہ ترغیب دی گئی تھی کہ وہ حضور ﷺ کے ارشادات کو ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ حافظ ابن الجوزی کی تحقیق یہ ہے کہ موجودہ کتب احادیث میں دس ہزار کے قریب صحیح روایات موجود ہیں۔ روایات کی یہ تعداد متون کے حوالہ سے ہے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں روایات کی تعداد جو لاکھوں میں بتائی جاتی ہے تو وہ اسناد کے لحاظ سے ہے۔ یہ درست ہے کہ صحابہ کرام جہادی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ لیکن جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ مجاہد اپنا کام کر رہے تھے اور معلم و مبلغ اپنا کام کر رہے تھے۔ جہاد کی وجہ سے وہ درس گاہیں بند نہیں ہو گئی تھیں جو دور رسالت میں اور عہدِ صحابہ میں قائم ہو گئی تھیں۔ ان درس گاہوں میں کتاب و سنت کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ انہی مراکز سے حدیث کی روایات پھیلیں اور دوسرے مراکز تک پہنچیں۔

4.5 حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کی مرویات

مولانا جیراج پوری سیدنا ابو ہریرہؓ کی مرویات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ابن مغلہ کا بیان ہے کہ ان (حضرت ابو ہریرہؓ) کی مرویات کی تعداد ۵۷۳۴ ہے۔ حالانکہ وہ عام خیر میں اسلام لائے اور صرف تین سال رسول اللہ ﷺ کی حضوری کا شرف پایا۔ پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ ان کی روایتیں اس قدر ہو سکتی ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن پر عقل و علم کی رو سے گرفت کی گئی

ہے، اور کی جاسکتی ہے اس لیے ہمارا ضمیر قبول نہیں کر سکتا کہ اس قسم کی روایتیں انہوں نے بیان کی ہوں گی۔ (مقام حدیث: ص ۸۲)

نوٹ: مرویات کی یہ تعداد وہ ہے جس کو تمام محدثین نے مختلف طرق اسناد سے ذکر کیا ہے۔ اگر صرف متون احادیث کا لحاظ رکھا جائے تو وہ اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں رہتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت عمرؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷ ہے۔ اور یہ مختلف طرق کے لحاظ سے ہے۔ لیکن جب متون کا شمار کیا گیا تو یہ تعداد دو سو تک بھی نہیں پہنچی۔ اس لحاظ سے بھی اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کو تصور کیا جائے تو یہ تعداد دو ہزار تک بھی نہ پہنچے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ وہ ہیں جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد سینتالیس سال تک حیات رہے اور مختلف امرا کو حدیث میں درس دیتے رہے۔ آپ نے اس دوان میں دیگر صحابہ کرام سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سوا چار سال مسلسل آپ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ سوا چار سال کے عرصہ میں ۵۳۷ روایات زبانی یاد کر لیتا کون سی ایسی بات جسے ناممکن کہا جائے۔ دو اڑھائی سال میں تو لوگ پورا قرآن یاد کر لیتے ہیں۔

⑤ قرآن اور فقہ

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

”ضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ) نے فرمایا کہ زمانہ آنے والا ہے جب قرآن لٹکا دیا جائے گا اور اس کے اوپر مکڑیاں جالائیں گی۔ کوئی کام اس سے نہیں لیا جائے گا اور لوگوں کا عمل حدیث و روایت پر ہوگا۔ سلیمان بن حیان ازدی (م ۱۹۶ھ) نے بھی جن کی کنیت ابو خالد الاحمر ہے کہا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مصاحف کو بے کار چھوڑ دیں گے اور صرف حدیث و فقہ ان کا مشغلہ ہو

گا۔“۔ (مقام حدیث: ص ۸۴)

نوٹ: مولانا جیراج پوری نے اپنی کتاب مقام حدیث کے ص ۲۳۹ سے لے کر ۲۶۲ تک امام ابو حنیفہ کی تدوین فقہ پر بحث کرتے ہوئے یہ تاثر پیش کیا ہے کہ امام موصوف نے تدوین فقہ کے دوران حدیث کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور صرف قرآن کو مد نظر رکھا کہ فقہ کو مرتب کیا۔ اگر اس بیان میں کچھ صداقت ہے تو مولانا جیراج پوری کی پیش کردہ روایت غلط قرار پاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ کی تدوین کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ اسے کتاب و سنت دونوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔

5.1 امام داؤد طائی اور روایت حدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

”امام داؤد طائی نے روایت ترک کر دی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ حدیث کی تعلیم چھوڑ کر کب تک گھر میں بیٹھے رہو گے۔ جواب دیا: میں پسند نہیں کرتا کہ ایسے راستے میں ایک قدم بھی رکھوں جو حق کے خلاف ہے۔“۔ (مقام حدیث: ص ۸۴)

نوٹ: یہ روایت مولانا جیراج پوری نے جامع بیان العلم سے نقل کی ہے۔ اس کی وضاحت جس عبارت سے ہوئی ہے اسے مولانا نے جان بوجھ کر نقل نہیں کیا۔ اصل روایت یوں ہے:

”داؤد طائی سے پوچھا گیا: آپ حدیث بیان نہیں کرتے؟..... کہنے لگے: ایسے کام میں مجھے کیا لچکسی ہو سکتی ہے کہ میں بچوں کو املاء کرواؤں اور وہ پھر صرف میری لغزشوں پر نظر رکھیں۔ پھر جب وہ میرے ہاں سے چلے جاتے ہیں تو ایک کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ خطا کی۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ غلط بات کہی۔ دیکھو آخر میرے پاس وہ کون سی چیز ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔“

5.2 امام ابن قتیبہ اور تاویل مختلف الحدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

”اسی قسم کی باہم متعارض روایات کو دیکھ کر جو ہر بات اور ہر شعبہ میں ہیں معتزلہ نے محدثین پر سخت حملے کئے کہ تم نے مکذوب روایات سے دین کو فاسد کر ڈالا اور علماء میں اختلاف پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی مخالفت بلکہ تکفیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امت فرقوں میں بٹ گئی۔ امام ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث لکھ کر ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی۔ مگر ان میں سوائے محدثانہ تاویلات اور توجیہات کے اور کیا ہے؟“۔ (مقام

حدیث: ص ۸۹)

نوٹ: امام ابن قتیبہ کی کتاب مختلف الحدیث معرکتہ الآراء کتاب ہے۔ امام موصوف نے ایسی تمام حدیثوں کی تطبیق کر کے ان تمام احادیث کا حل پیش کر دیا ہے جن کو معتزلہ متعارض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ایک اور کام آپ نے ایسا کیا ہے جو منکرین حدیث کو پسند نہ آیا اور وہ یہ کہ امام موصوف نے گھر کا بھیدی بن کر لٹکا ڈھائی ہے۔ امام ابن قتیبہ پہلے خود معتزلہ سے متاثر اور ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ پھر جب

انہیں معتزلہ کی جسارت اور احادیث صحیحہ کو بھی رد کرنے کا علم ہوا اور دیکھا کہ وہ قرآن کی تفسیر دوسری قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر کے اپنے عقائد باطلہ کے ہم آہنگ بنا لینے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ ان سے الگ ہو گئے۔ اس کتاب میں ابن قتیبہ نے معتزلہ کے پوشیدہ عیوب و نقائص کو طشت از بام کیا ہے۔ سب سے پہلے نظام معتزلی کا ذکر کیا ہے جس نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ پھر ان اعتراضات کا ازالہ کیا ہے۔ اس کے بعد مشہور معتزلین ابو ہذیل علاف، عبید اللہ بن حسن اور ہشام بن حکم کا ذکر کر کے ان کی یادہ گوئی اور تناقضات پر تبصرہ کیا ہے۔ بعد ازاں معتزلین کے خطیب جاحظ کا ذکر کیا ہے کہ جھوٹا آدمی تھا۔ خود حدیثیں وضع کرتا تھا اور صحیح حدیثوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ پھر اس کے بعد معتزلہ کے دیگر مزعومات باطلہ اور عجیب و غریب اقوال درج کئے ہیں۔

امام ابن قتیبہ کی یہ کتاب مستشرقین کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ وہ اس کتاب سے حدیث پر اعتراضات تو بعینہ نقل کر دیتے ہیں مگر ان کے جو جوابات ابن قتیبہ نے دیئے ہیں یا ان پر جو جرح یا تبصرہ کیا ہے اسے مطلقاً نظر انداز کر جاتے ہیں اور اعتراضات بھی اس انداز سے پیش کرتے ہیں گویا یہ صحابہ اور علماء حدیث کے بارے میں ابن قتیبہ کے ذاتی افکار اور آراء ہیں۔ بالکل اسی انداز پر مولانا جیراچوری اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات نے کام کیا ہے۔ انہیں حافظ ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم کے ۱۱۸۳ ابواب میں مندرجہ ذیل چار باب بہت پسند ہیں:

۱۔ کراہیۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی المصحف: اجزاء اور صحائف کی مشکل میں معلومات و روایات کو لکھ کر محفوظ کرنا پسندیدہ نہیں۔

۲۔ اختلاف العلماء فی بعض الفروع: بعض فروعی مسائل میں علماء کا اختلاف

۳۔ من ذم الاکتار من الحدیث بغیر تفہیم و تفقہ: ان علماء کے اقوال جنہوں نے بغیر

سوچے سمجھے روایات بیان کرنے کی مذمت کی ہے۔

۴۔ لا یقبل قول بعض العلماء فی بعض الابینۃ: ایک عالم کے بارے میں دوسرے عالم کی

بلا دلیل جرح ناقابل قبول ہے۔

منکرین حدیث کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر میں سے توڑ مروڑ کر اقتباسات اور روایات پیش کرتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو روایت کی اصل حقیقت کا پتہ نہ چل سکے۔ ہمارے ہاں عام پڑھے لکھے لوگ چونکہ علوم اسلامیہ سے عام طور پر اور حدیث اور علوم الحدیث سے خاص طور پر ناواقف ہوتے ہیں اس لیے منکرین حدیث کی گفتگو سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ منکرین حدیث زیادہ تر ان لوگوں کا شکار رکرتے ہیں جو سیدھے سادھے اور خالی الذہن ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو علوم اسلامیہ کے ساتھ تھوڑی بہت مناسبت ہوتی ہے اور وہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ منکرین حدیث کے جھانسنے میں نہیں آتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ ترویج دی جائے۔ اور معاشرہ کے افراد کو بتایا جائے کہ رسول کی حیثیت محض ایک پیغام لانے والے کی نہیں بلکہ نبی اور رسول کی ہے جس کی پیروی اور اطاعت لازمی ہے جس کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہے اور جس کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

خود آزمائی ②

- (۱) غلام احمد پرویز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اطاعت رسول کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت کیجئے۔
- (۲) غلام احمد پرویز کے ہاں نظام ربوبیت سے کیا مراد ہے؟ اس اصطلاح کا استعمال وہ کس ضمن میں کرتے ہیں۔
- (۳) روایت حدیث کے بارے میں منکرین حدیث نے کون کون سے بنیادی اعتراضات پیش کئے ہیں؟ بیان کیجئے۔
- (۴) کیا ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام کو روایت حدیث سے منع کیا تھا؟ اس بارے میں منکرین حدیث کا کیا تبصرہ ہے؟ وضاحت کیجئے۔
- (۵) صحابہ کرام اور روایت حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کا نقطہ نظر تفصیل کے ساتھ بیان کیجئے۔



یونٹ نمبر 17

منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ و تحلیل

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

- 537 یونٹ کا تعارف
- 538 یونٹ کے اغراض و مقاصد
- 539 ① مکرین حدیث کے اعتراضات
- 540 1.1 موضوع احادیث
- 541 1.2 رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال
- 543 1.3 متن حدیث
- 547 ② خلاف عقل و درایت روایات
- 549 2.1 سورج کی سجدہ ریزی
- 553 2.2 موسم سرما اور موسم گرما کی تبدیلی
- 555 2.3 گرگٹ کی پھونکیں
- 556 2.4 احادیث نبوی ﷺ اور نامناسب مضامین
- 557 2.5 ازواج مطہرات کی مرویات
- 559 2.6 بوسہ ناقض وضو نہیں
- 560 2.7 غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے۔
- 561 2.8 عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم
- 561 2.9 جنابت اور حیض کے بارے میں قدیم توہمات کا ازالہ

563

③ خلاف علم و تجربہ روایات

563

3.1 سو سال بعد دنیا کا خاتمہ

565

3.2 عجوہ کھجور کی تاثیر

567

3.3 کھمب کی خصوصیات

568

3.4 باہم متعارض روایات

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت جو یونٹ آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس کا تعلق ”منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ و تحلیل“ سے ہے۔ اس سے پہلے آپ فقہ انکار حدیث کے موضوع پر اجمالی مطالعہ کر چکے ہیں۔ منکرین حدیث نے حدیث و سنت کی حجیت سے انکار کے لیے جن دلائل کا سہارا لیا ہے وہ چند گنے چنے دلائل ہیں۔ انہی کو وہ نئے الفاظ اور نئے انداز کے ساتھ دہراتے رہتے ہیں۔ پورے ذخیرہ حدیث میں انہوں نے چند روایات کا انتخاب کیا ہے ان روایات میں وہ مختلف پہلوؤں سے اعتراض کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتماد ہے۔ اگر کوئی شخص حافظ شیرازی کے دیوان سے پانچ چھ اشعار ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لے اور کہے کہ یہ پانچ اشعار چونکہ غیر معیاری ہیں اس لیے حافظ شیرازی کا سارا دیوان غیر معیاری ہے تو ایسے شخص کی بات کون سنے گا اور کون اسے معقول قرار دے گا۔ منکرین حدیث کا ہو بہو یہی حال ہے۔ یہ لوگ ہزاروں روایات میں سے چند روایات لے کر ان پر کلام کرتے ہیں اور پھر فوراً فیصلہ کرتے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کے ذخائر میں یہ مٹھی بھر روایات ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس یونٹ میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے اعتراضات بے بنیاد اور کم علمی اور کٹ جتنی پر مبنی ہیں۔ آپ اس یونٹ کا مطالعہ کریں اور پوری توجہ کے ساتھ کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

⇒ منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لے سکیں۔

⇒ موضوع احادیث کی بنیاد پر منکرین حدیث کے موقف کا جواب دے سکیں۔

⇒ رواق حدیث کی جانچ پڑتال کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر منکرین حدیث کے نقطہ نظر کی تردید کر سکیں۔

⇒ متن حدیث کو پرکھنے کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

⇒ ازواج مطہرات سے مروی روایات پر منکرین حدیث کے اعتراضات کا تجزیہ پیش کر سکیں۔

⇒ خلاف علم و تجربہ روایات کے بارے میں منکرین حدیث کی غلط فہمی کا ازالہ کر سکیں۔

① منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

علم حدیث سے متعلق منکرین حدیث کے موقف اور نقطہ نظر کے بارے میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس یونٹ میں ان اعتراضات پر بحث کی جائے گی جنہیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ذیل میں ترتیب کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

- ۱- احادیث نبوی ﷺ کا موجودہ ذخیرہ ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ اس ذخیرے میں موضوع احادیث بہت کثرت سے شامل ہیں اور صحیح و غیر صحیح اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ جھوٹی احادیث کا سلسلہ عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا جعلی اور جھوٹی حدیثوں کا انبار لگتا چلا گیا۔ موضوع احادیث کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔
- ۲- بعض احادیث خلاف عقل و درایت ہیں لیکن اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے۔

- ۳- بعض صحیح احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں۔
- ۴- بعض صحیح احادیث علم اور تجربہ کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔
- ۵- اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ اور متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں لہذا احادیث بھی تعارض کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہوئیں۔
- ۶- اکثر احادیث کی روایت بالمعنی ہے۔ یعنی راوی نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مفہوم کو اپنے

الفاظ میں ادا کیا ہے جب نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہی محفوظ نہیں تو مفہوم کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ محفوظ ہے۔

۷۔ سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں اور ابو ہریرہؓ کا حال یہ ہے کہ خود صحابہ کے درمیان ان کو ناقابل اعتماد تصور کیا جاتا تھا۔

۸۔ امام ابو حنیفہ نے فقہی مسائل کے استنباط کے لیے صرف سترہ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے ورنہ جتنے احکام و مسائل کا بھی انہوں نے استنباط کیا ہے ان سب کی بنیاد قرآن کی مکتوب ہدایات پر رکھی ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر اس وقت کے حالات کی روشنی میں کریں تو بعد میں آنے والوں کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ قرآن کی تعبیر اپنے وقت کے حالات کو مد نظر رکھ کر حدیث کی مدد کے بغیر کر سکیں۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حدیث کی اہمیت کو کم کرنے اور حدیث پر عام مسلمانوں کا اعتماد مجروح کرنے کی خاطر منکرین حدیث کی جانب سے بار بار مختلف انداز میں بدل بدل کر بڑے شد و مد سے اچھالے جاتے ہیں۔ اب ہم اجمال کے ساتھ ان تمام اعتراضات کا تجزیہ کریں گے۔

www.kitabosunnat.com

1.1 موضوع احادیث

منکرین حدیث کا پہلا اعتراض وضع حدیث سے متعلق ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ موضوع احادیث بہت کثرت سے ہیں اس لیے احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتماد ہو گیا ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ موضوع احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں مگر منکرین حدیث کی یہ منطق کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کی موجودگی احادیث کے تمام ذخیرے کو ساقط الاعتبار بنا دیتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ دنیا میں جھوٹ کی موجودگی سچ کو ناقابل اعتبار بنا دینے کی موجب ہے۔ کیا کسی معاشرہ میں جھوٹ بولنے والوں کا وجود اس معاشرہ کے سچے لوگوں کو بھی جھوٹا بنا دیتا ہے۔ دنیا میں کون سا ملک یا کون سا شہر ایسا ہے جہاں جھوٹے افراد نہیں بستے تو کیا ان جھوٹوں کی وجہ سے یہ حکم لگا دینا صحیح ہے کہ اس ملک یا اس شہر کے تمام باشندے جھوٹے ہیں۔

ہر زمانے میں سچ کے ساتھ ساتھ جھوٹ کا سلسلہ برابر لگا چلا آ رہا ہے مگر آج تک جھوٹ کی وجہ سے کچھ کو کسی نے نہیں چھوڑا۔ منکرین حدیث کی یہ نرالی منطق ہے کہ چونکہ جھوٹی احادیث کا وجود پایا جاتا ہے اس لیے سچی اور صحیح احادیث پر بھی اعتماد نہ کیا جائے۔ بعض احادیث کے موضوع اور مبنی بر کذب ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ کل ذخیرہ حدیث موضوع اور ناقابل اعتبار بن گیا۔ یہ بعض کا حکم کل پر لگانا کون سا اصول ہے؟

در اصل منکرین حدیث کی اس منطق کی بنیاد اس غلط مفروضے پر ہے کہ احادیث کے ذخیروں میں صحیح وغیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے جعلی اور موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت سے علماء حدیث اور ائمہ مجتہدین نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ موضوعات کا یہ ذخیرہ کسی راہ سے بھی احادیث کے معتبر اور قابل اعتماد ذخیروں میں نفوذ نہ کر پائے۔ حضرات محدثین نے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ تھلگ کرنے کے لیے باقاعدہ قواعد و ضوابط بنائے، جھوٹے اور سچے راویوں کی پہچان کے لیے علم ”اسماء الرجال“ ایجاد کیا۔ کھرے کھوٹے میں تمیز کے لیے علم ”جرح و تعدیل“ مدون کیا۔ پھر ایک ایک حدیث کو جانچا اور ایک ایک راوی کو پرکھا۔ موضوعات کو الگ کر دیا اور معتبر روایات کو علیحدہ کر دیا۔ ہر روایت کی سند متعین کی اور ہر راوی کا نام و نسب اور زندگی کا بنیادی خاکہ منضبط کر دیا۔

علماء حدیث نے حدیث کی صحت اور تنقید کا معیار بھی بتلایا اور موضوعات پر باقاعدہ کتابیں بھی لکھیں۔ انہوں نے ایک ایک واضح حدیث کا پتہ لگا کر اس کا نام رجال کی کتابوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ ایک ایک جھوٹی اور موضوع حدیث کا کھوج لگا کر احادیث موضوعہ کے مجموعے مرتب کر دیے۔ جن میں خوب واضح طور پر یہ بتایا کہ یہ حدیثیں جعلی ہیں ان کو کوئی اصل حدیث نہ سمجھے۔ جس حدیث پر بھی کلام کیا پہلے اس کی سند بتائی پھر اس کے راویوں کے صدق و کذب اور ان کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے نیز ان کے حافظے کی قوت و ضعف پر بحث کر کے نتائج مرتب کئے۔ پھر کسی حدیث پر کوئی حکم لگایا۔ اگر کسی حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے میں علمائے حدیث کا اختلاف ہوا تو وہ تمام اختلاف بھی من و عن بیان کر دیا تاکہ ہر کوئی خود دیکھ لے اور

نہرا لونا الگ کر لے۔ اس قدر جدوجہد کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح و غیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط ہیں تو اس پر اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ بروز روشن میں سورج کے وجود سے انکاری ہے۔

علماء حدیث نے قبول حدیث کے لیے جو اصول ابتداء ہی سے مقرر کر دیئے تھے ان کی موجودگی میں یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی جھوٹ نے مجموعہ ہائے حدیث میں اس طرح راہ پالی ہو کہ محدثین اس کی نشاندہی کرنے سے قاصر رہ گئے ہوں۔

1.2 رِوَاۃ حدیث کی جانچ پڑتال

راویان حدیث پر نقد و جرح فن حدیث کا ایک اہم باب ہے اس کے ذریعہ علمائے حدیث نے احادیث صحیحہ و ضعیفہ کو باہم ممتاز کرنے کا ایک ایسا عظیم الشان کام انجام دیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محدثین نے اس سلسلہ میں جدوجہد کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ انہوں نے تمام رِوَاۃ حدیث کو جانچا پرکھا ان کی زندگی، ان کی سیرت حتیٰ کہ ان کی عادات کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے ان کے تمام ظاہری اور باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس راہ میں انہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف دامن گیر ہوا نہ کسی لالچ نے ان کا راستہ روکا۔

نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کئے جانے والے جھوٹ کے قبول کرنے کا تو خیر سوال ہی کیا، محدثین نے تو یہاں تک کیا کہ جس راوی کو کسی ایک حدیث میں انہوں نے غلط بیانی کرنے کا مرتکب پایا اس راوی کی باقی حدیث کو بھی انہوں نے مردود قرار دے دیا۔ یہی نہیں محدثین نے اس شخص کی حدیث کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کا حدیث رسول کی روایت میں تو جھوٹ ثابت نہ ہو لیکن دیگر باتوں میں وہ جھوٹ بولنے کا عادی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محدثین نے تو احتیاط کی انتہا کر دی اس سے زیادہ احتیاط عقل تصوّر رکرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے ایک اصول کی حیثیت سے یہ طے کر دیا کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ بولنے کا ارتکاب کیا ہو اس کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

اس بات سے بچنے کے لیے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کوئی غلط بات کہیں حدیث کا درجہ حاصل نہ

کرے محدثین نے یہاں تک اہتمام کیا کہ اس راوی کی روایت بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے بارے میں یہ گمان ہی پیدا ہو گیا ہو کہ شاید بھولے سے کسی غلطی کی بنا پر یا کم فہمی کے نتیجہ میں وہ روایت کی صحت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ چنانچہ بالاتفاق سلسلہ سند کے ہر راوی کے لیے انہوں نے یہ اصول قرار دے دیا کہ حدیث اس راوی کی قبول کی جائے گی جو:

- ۱۔ صحیح الفہم ہو۔ غبی، کم عقل اور کم فہم نہ ہو یعنی جو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو۔
- ۲۔ صحیح الحافظہ ہو۔ یعنی جس پر بھول چوک اور وہم کا غلبہ نہ ہو۔
- ۳۔ محتاط ہو۔ یعنی روایت میں تساہل سے کام نہ لیتا ہو۔

اور تو اور محدثین نے اس راوی کی روایت کو بھی قابل قبول نہیں سمجھا جو فاسق و فاجر اور بدکار ہو۔ حالانکہ ہر بدکردار شخص کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں لیکن چونکہ بدکردار شخص کے بارے میں احتمال موجود ہے کہ فسق و فجور کی بنا پر اس کی نگاہ میں حدیث رسول کی روایت میں احتیاط کی اہمیت جس قدر کہ لازم ہے نہ رہی ہو اس لیے اس کی روایت کو بھی معتبر نہیں جانا اور یہ شرط لگا دی کہ روایت اس راوی کی قبول کی جائے جو ثقہ، عادل اور متقی ہو نیز معروف ہو۔ مجہول الحال نہ ہو یعنی اہل علم اس کے نام و نسب، سیرت و کردار اور اس کے علم، حفظ اور ثقاہت سے واقف ہوں اور ان کی نظر میں اس کی رفتار و گفتار، اس کے حال احوال اور اس کا عام کردار قابل اعتراض نہ ہو۔

غرض ایک طرف اگر واضعین حدیث تھے تو دوسری طرف محدثین کی مقرر کردہ نقد رواۃ و رجال کی کسوٹی تھی جس نے کھرے اور کھوٹے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں ایسا محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ علم سیر و سوانح کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

1.3 متن حدیث

رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کے ساتھ ساتھ محدثین نے متن حدیث میں بھی ایسی علامات کی نشاندہی کر دی جن سے صاف معلوم ہو جائے کہ کون سی حدیث موضوع ہے اور کون سی موضوع نہیں۔ چنانچہ امور ذیل میں سے کوئی امر اگر کسی حدیث میں پایا جائے تو علماء حدیث کا اصول یہ ہے کہ وہ موضوع ہے۔

۱۔ جو حدیث قرآن کی عبارت النص کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو۔

- ۲- جو حدیث کسی سنت متواترہ کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔
- ۳- جو حدیث قرآن و سنت سے ماخوذ اصول عامہ کے صریحاً خلاف ہو۔
- ۴- جو حدیث اجماع قطعی یعنی اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف ہو اور کسی طرح اس کی توجیہ و تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔
- ۵- جو حدیث عہد رسالت کے معروف تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔
- ۶- جو حدیث کسی معمولی کام کے صلہ میں مبالغہ آمیز اجر و ثواب کا پتہ دیتی ہو یا اس میں معمولی کام کے مرتکب ہونے پر شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہو۔
- ۷- جو حدیث کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہو جو بہت لوگوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو اور اس بنا پر اس کا متقاضی ہو کہ بکثرت لوگ اس کو روایت کریں مگر بایں ہمہ صرف ایک ہی راوی اسے روایت کرے یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔
- ۸- جو حدیث کسی ایسے مضمون پر مشتمل ہو جس کو عقل بدلہ نہ رد کرتی ہو۔ لیکن اس میں علامۃ الناس کی عقل معیار نہیں بلکہ علماء اور ماہرین فہم حدیث اس کو خلاف عقل قرار دیں۔ محاورات عرب سے ناواقف اور حدیث کے علوم سے بے بہرہ افراد کی رائے اس باب میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتی۔
- ۹- جو حدیث ایسے علوم متعارفہ کے مخالف ہو کہ جن کے اصول مشاہدات اور بے شمار تجربات کے بعد قائم کئے گئے ہوں اور ان سے ہمیشہ ایک ہی جیسے نتائج برآمد ہوتے ہوں جن میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔
- ۱۰- جو حدیث ایسے مضمون کی حامل ہو جس کا جاننا تمام مکلف افراد پر فرض ہو اور نہ جاننے کے لیے کوئی عذر بھی نہ ہو مگر بایں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوائے اس ایک راوی کے کوئی نہ ہو۔
- ۱۱- جو حدیث ایسے ریک اور گھٹیا الفاظ پر مشتمل ہو جن کا صدور کسی عام فصیح و بلیغ شخص کی ذات سے

متوقع نہ ہو چہ جائیکہ نبی کریم ﷺ جیسی فصیح و بلیغ شخصیت کی ذات مبارکہ سے ان کا صدور ہو۔

۱۲۔ جو حدیث فساد معنی کی حامل ہو یعنی جس میں ایسا مضمون بیان کیا گیا ہو جو عقلی بدیہیات کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو مثلاً ایسی حدیث جو حکم و اخلاق کے قواعد عامہ کے منافی ہو یا ایسی حدیث جو شہوت و فساد کی موجب ہو۔

۱۳۔ جو حدیث خود اپنے راوی کے اقرار کے مطابق موضوع ہو۔

اب منکرین حدیث بتائیں کہ ان اساسی و اصولی قواعد و ضوابط کے بعد جو محدثین نے متن حدیث کی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کے لیے وضع کئے، کیا کوئی امکان اس بات کا رہ جاتا ہے کہ صحیح و غیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہو گئی ہوں کہ ان میں باہم امتیاز کرنا دشوار ہو۔ حق یہ ہے کہ نقد و رواۃ در جال کی ان کڑی شرائط کی موجودگی میں جن کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا اور متن حدیث سے متعلق ان مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے موضوع احادیث کی جو تعداد موجود ہے اس سے دگنی چگنی بھی ہوتی تو بھی کسی اندیشے اور خطرے کی بات نہ ہوتی۔

نوٹ: مندرجہ بالا بحث کو تفصیل سے دیکھنے کے لیے دیکھئے: کورس کوڈ ۳۵۵۵ کا پونٹ: اصول درایت۔

موضوع احادیث کی موجودگی کی بنیاد پر منکرین حدیث کا احادیث نبوی ﷺ کے پورے ذخیرہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا ایک ایسی نرالی منطق ہے جو عقل کی کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ منکرین حدیث کا منشا تو یہ ہے کہ وضع حدیث کے بہانے حدیث کی حجت کو مشکوک بنا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وضع حدیث خود حجت حدیث کی بڑی زبردست اور بنیادی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو وضع حدیث کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ وضاعین و کذا میں اپنے دل و دماغ سے گھڑی ہوئی باتوں کو حدیث کا نام اس لیے تو دیتے تھے کہ وہ حدیث کے نام پر قبول کر لی جائیں۔ یوں تو ان کی بات کوئی بھی قبول نہ کرتا مگر لوگوں کے درمیان حدیث کی حجت چونکہ مسلم تھی اس لیے وضاعین خیال کرتے تھے کہ ہم حدیث کا نام لیں گے تو ہماری بات بھی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے گی۔ نقل اس سکتے کی گھڑی جاتی ہے جو بازار میں چلتا ہو، جس سکتے کو بازار میں کوئی قبول ہی نہ کرتا ہو بھلا اس کی نقل بنانے سے کسی کو کیا فائدہ۔ حدیث کا سکتہ بازار علم میں چلتا تھا تو موضوع احادیث کے نقلی سکتے گھڑے جارہے تھے۔ مگر جہاں نقلی سکتے گھڑنے والے موجود تھے وہاں ایسے ماہر صراف بھی

موجود تھے جو جعلی اور اصلی سکوں کی خوب پہچان رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف جعلی سکے بنانے والوں کے نام طشت از بام کر دیئے بلکہ ان کے بنائے ہوئے تمام جعلی سکے بھی الگ کر کے رکھ دیئے اور آئندہ آنے والوں کے لیے اس سلسلہ میں تمام ضروری معلومات مہیا کر گئے۔ تاکہ کسی بھی مرحلے پر یہ جعلی اور نقلی سکے دوبارہ رواج نہ پاسکیں۔ غرض موضوع احادیث کی موجودگی ذخیرہ احادیث کو مشکوک بنانے کے بجائے اس کے اور زیادہ محفوظ ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ نیز اس کو وقوع تر بنانے کا موجب ہے۔

② خلاف عقل و درایت روایات

مکرین حدیث کہتے ہیں کہ بعض احادیث خلاف عقل و درایت ہیں اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا رسول کوئی ایسی بات کہے جو عقل اور درایت کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں وہ چند ایسی احادیث بھی پیش کرتے ہیں جو انہیں خلاف عقل نظر آتی ہیں۔

جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے کوئی بھی صحیح حدیث خلاف عقل ہے ہی نہیں۔ اتنی بات تو معترض بھی مانیں گے کہ خلاف عقل وہ چیز ہوا کرتی ہے جس سے کوئی محال (ناممکن) لازم آئے تو پورے ذخیرہ حدیث میں پوری تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی ایک صحیح حدیث بھی خواہ وہ صحت کے نچلے درجہ میں ہی کیوں نہ ہو ایسی نہیں ملے گی جس سے کوئی محال لازم آتا ہو البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے عقل کی سلامتی ایک شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے وہ عقل جو مریض اور بیمار نہ ہو جو نفسانی ظلمتوں اور عامیہ نجاستوں سے آلودہ نہ ہو اور وہ عقل جو حق کی متلاشی ہو کسی تعصب کا شکار نہ ہو حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے ایسی ہی عقل کی ضرورت ہے۔ مریض اور بیمار عقل یا وہ عقل جو کسی تعصب کے زیر اثر ہو حدیث کی جانچ پرکھ کی صلاحیتوں سے محروم ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مخصوص جذبات و احساسات سے مغلوب ہوتی ہے۔ نتیجہً اپنے نظریات و افکار کی بنیاد ایسے شکوک و شبہات پر رکھتی ہے جو کوئی بھی منکر و نظر اور غفلت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسی عقل شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے۔ ایسی عقل کو نقد حدیث کی اجازت دے دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے خود اس بات کا سامان مہیا کر دیا ہے کہ سنت صحیحہ کے لیے سرے سے کوئی مضبوط اساس ہی باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہر ایرے غیرے کی عقل کو نقد حدیث کے لیے حکم ٹھہرانا یوں بھی خود خلاف عقل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مختلف اشخاص کے اعتبار سے عقل کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص درست اور صحیح سمجھتا ہے جبکہ اسی چیز کو دوسرا شخص غلط اور غیر صحیح خیال کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک چیز ایک شخص کی سمجھ سے بالاتر ہو مگر دوسرے شخص کے لیے وہی چیز اس کے فہم و ادراک کے بہت قریب نظر آتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امور میں رائے وہی وقیع خیال کی جاتی

ہے۔ جو متعلقہ امور کے ماہرین کی جانب سے دی گئی ہو۔ اس لیے کہ وہ ان امور کے ہر پہلو سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ نقد حدیث کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے۔ اس کے لیے بھی اگرچہ ماہرین حدیث ہی کی رائے کو وقعت حاصل ہے تاہم معترضین اگر ماہرانہ صلاحیتوں سے محروم ہوں تو کم از کم اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی عینک اتار کر احادیث نبوی ﷺ میں غور کریں۔ ان شاء اللہ ان کو کوئی ایک حدیث خلاف عقل و درایت نظر نہ آئے گی۔

خود آزمائی ①

- (۱) منکرین حدیث کے اعتراضات کے اسباب و عوامل پر بحث کیجئے۔
- (۲) موضوع احادیث سے کیا مراد ہے؟ منکرین حدیث ان روایات کو بطور استدلال کیوں پیش کرتے ہیں۔
- (۳) رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے محدثین نے کیا اصول وضع کئے ہیں۔ ان اصولوں کی نشاندہی کیجئے۔
- (۴) متن حدیث کو پرکھنے کے لیے علماء حدیث کو اصول وضع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ وضاحت کیجئے۔
- (۵) خلاف عقل و درایت روایات سے کیا مراد ہے؟ منکرین حدیث ان روایات کو کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

2.1 سورج کی سجدہ ریزی

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب ”بدأ الخلق“ میں ”باب صفة الشمس والقمر“ میں

حضرت ابو ذر غفاری سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((قال النبی ﷺ لأبی ذرّ حين غربت الشمس: تدری أين تذهب؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: فإنها تذهب حتى تسجد تحت العرش، فتستأذن، فيؤذن لها، وتوشك ان تسجد فلا يقبل منها، وتستأذن فلا يؤذن لها، يقال لها إرجعي من حيث جئت، فتطلع من مغربها، فذلك قوله تعالى: ﴿والشمس تجري لمستقرّ لها، ذلك تقدير العزيز العليم﴾)).

(الصحيح للإمام البخاری: كتاب بدء الخلق: باب صفة الشمس

والقمر)

”نبی کریم نے ایک دن سورج غروب ہوتے وقت ابو ذرؓ کو مخاطب کر کے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ ابو ذرؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا۔ مگر قبول نہ ہوگا اور اجازت مانگے گا مگر اسے اجازت نہ ملے گی اسے حکم ہوگا کہ پلٹ جا جہاں سے آیا ہے اور پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ اور یہی مطلب ہے اللہ جل شانہ کے اس قول: ﴿والشمس تجري لمستقرّ لها، ذلك تقدير العزيز العليم﴾ کا۔“

اُس حدیث میں منکرین حدیث کو جو باتیں خلاف عقل نظر آتی ہیں وہ مختصراً کچھ اس طرح ہیں:

۱- سورج بھلا سجدہ کس طرح کر سکتا ہے۔ سورج کا سجدہ میں گر پڑنا کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں۔

۲- اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ حالانکہ آج ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ طلوع و غروب سورج کی گردش کا نہیں زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

۳- سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی سراسر خلاف عقل ہے۔

جہاں تک سورج کے سجدے میں گر پڑنے کا تعلق ہے تو حیرت ہے منکرین حدیث کی عقل اتنی سی بات نہ سمجھ سکی کہ سورج کا سجدہ وہ سجدہ نہیں جو زمین پر سر ٹیک کر کر لیا جاتا ہے بلکہ وہ سجدہ ہے جو اظہارِ عبودیت کے لیے اس کائنات کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت اپنے رب کے سامنے کرتے رہنے پر مجبور ہے۔ قرآن، زمین و آسمان کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز قرار دیتا ہے:

﴿وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظُلُمًا﴾
 بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿الرعد: ۱۵﴾

اسی طرح قرآن کریم ستاروں اور درختوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے سر بہ سجود ہیں۔
 سورة الرحمن میں ہے:

﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾

تو اب کیا قرآنی آیات کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ چونکہ فلاں فلاں آیت میں خلاف عقل مضمون بیان ہوا ہے جس کا صدور اللہ تعالیٰ سے ممکن نہیں اس لیے اس قسم کی تمام آیات معاذ اللہ موضوع اور ناقابل اعتبار ہیں۔ منکرین حدیث بتائیں کہ مذکورہ آیات میں سجدہ سے کون سا سجدہ مراد ہے؟..... جو مراد وہ ان آیات کی بیان کریں گے وہی مراد مذکورہ بالا حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں سمجھ لیجئے۔ ظاہر ہے اس قسم کی آیات میں سجدہ سے مراد سجدہ تسخیری ہے یعنی کلیتاً امر رب کا تابع ہونا۔ بس یہی سجدہ تسخیری نبی کریم ﷺ کے

الفاظ: ((تسجد تحت العرش)) سے بھی مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے مخاطب کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سورج ہر آن اللہ جل شانہ کے حکم کا تابع ہے۔ اس کا طلوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کا غروب بھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ چونکہ سورج کا مغرب ایک نہیں ہے بلکہ قرآن کی رو سے بہت سے مغرب ہیں جیسے قرآن کہتا ہے:

﴿رَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ﴾ (المعارج: ۴۰)

اور سورج ہر آن ایک خطہ زمین میں غروب اور ہر آن دوسرے خطہ میں طلوع ہوتا رہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث میں سجدہ ریز ہو کر طلوع و غروب کی اجازت مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ سورج ہر آن اور ہر لمحہ امر الہی کا تابع ہے۔

راہ منکرین حدیث کا دوسرا شبہ کہ اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ سمجھا گیا ہے جبکہ سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ طلوع و غروب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کو جن کا ہمیشہ بدلتے رہنا تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے قرآنی آیات یا احادیث نبوی ﷺ کے لیے معیار ٹھہرانا خود خلاف عقل ہے۔ عین ممکن ہے کہ جو سائنس آج سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیتی ہے کل اس کی تحقیق بدل جائے اور وہ زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک قرار دینا شروع کر دے۔ چنانچہ اس رخ پر سائنس نے سوچنا شروع کر بھی دیا ہے۔ تو اول تو یہ معیار ہی غلط ہے۔ دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اتنی بات تو معترضین کو بھی تسلیم ہے کہ نبی کریم ﷺ طبعیات یا ہیئت اور کیمیا کے مسائل بنی نوع انسان کو سکھانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عرفان حقیقت بخشنے اور فکر و عمل کی اصلاح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ نے زمین یا سورج کا ذکر کیا ہے تو یہ بتانے کے لیے نہیں کیا کہ ان میں سے کون متحرک ہے اور کون ساکن۔ بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کیا ہے کہ زمین اور سورج دونوں کا مالک و خالق صرف ایک ذات ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اب اس حقیقت کی تعلیم دینے کے لیے عقل کیا کہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اس علم اشیاء سے مدد لینا چاہئے تھی جو آپ

کے زمانے میں موجود تھا یا اس کو چھوڑ کر ہزار ڈیڑھ ہزار سال بعد کے علم اشیاء کو اس حقیقت کی تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اپنے ہی زمانے کے علم اشیاء سے کام لینا حکمتِ تبلیغ کے عین مطابق ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ ان حقائق کو ذریعہ تعلیم بتاتے جو صدیوں بعد انسان کے علم میں آنے والے تھے تو آپ ﷺ کی تعلیم آپ ﷺ کے عہد کے لوگوں میں مقبول تو کیا ہوتی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ لوگ اصل تعلیم کو چھوڑ کر اس بحث میں پڑ جاتے کہ آخر وہ کونسی ایسی عجیب و غریب دنیا ہے جس کی ایسی عجیب و غریب باتیں آپ ﷺ سنا رہے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سہی اگر زیر بحث حدیث کا مضمون اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس انداز سے بیان کیا جاتا کہ سننے والا طلوع و غروب کا سبب سورج کی بجائے زمین کی حرکت کو سمجھتا تو آج کی دنیا کی نظر میں تو بے شک وہ ایک علمی معجزہ ہوتا مگر خود آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے بارے میں معترضین کا کیا خیال ہے وہ اس علمی معجزے کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے؟ اور پھر اس علمی معجزے کے معمہ کی بھول بھلیوں میں پھنس جانے کی بنا پر وہ مضمون ان کے دل و دماغ میں کہاں تک اترتا جو فی الحقیقت سمجھنا مقصود تھا؟..... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کوئی ایک شخص بھی شاید نبی کریم ﷺ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر نہ دیتا اور جب آپ ﷺ کے زمانے کے لوگ ہی ایسے علمی معجزوں کی بدولت ایمان لانے سے محروم رہ جاتے تو یہ علمی معجزے بعد کی نسلوں تک پہنچتے ہی کیا ان سے داد وصول کرتے۔ غرض حکمتِ تبلیغ اسی طرزِ عمل کا متقاضی تھی جو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے علم و فہم کے مطابق ان سے کلام کیا اور جن حقائق کو آپ ﷺ لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ان کی تفہیم کے لیے ان معلومات سے کام نہیں لیا جو صدیوں بعد ظہور میں آئیں۔

رہی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی بات تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ جو ذات اس سورج کی خالق ہے اس کو تھا مے ہوئے ہے اور جو ذات زمین کو ایک منضبط گردش میں رکھے ہوئے ہے وہی ذات اس پر بھی قادر ہے کہ اس سارے نظام کو الٹا چلا دے اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلتا ہو نظر آئے۔ سائنسی نقطہ نظر سے بھی اس امر کا امکان موجود ہے کہ دنیا کا قانون جذب و کشش یکا یک ایک پلٹی کھائے اور تمام سیارے موجودہ رفتار کے مقابلہ میں بالکل الٹ رفتار سے چلنا شروع کر دیں۔ طبیعیات اور ہیئت کے موجودہ قوانین کو کوئی بھی اٹل نہیں مانتا۔ ان قوانین میں تغیر واقع ہونے یا بالکل اس کے درہم برہم ہو

جانے کے امکانات کی موجودگی کا ہر کوئی قائل ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کا موجودہ قانون یکا یک بدل جائے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو۔

2.2 موسم سرما اور موسم گرما کی تبدیلی

دوسری حدیث جو منکرین حدیث کو خلاف عقل نظر آتی ہے وہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب مواقیت الصلاة میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا متن یوں ہے:

((عن أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال: إذا اشتد الحر فابردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم، فاشتكت النار إلى ربها فقالت: يا رب! أكل بعضي بعضاً فأذن لها بنفسين، نفس في الشتاء، ونفس في الصيف، وهو أشد ما تجدون من الحر، وهو أشد ما تجدون من الزمهرير)) (الصحيح للإمام البخاري، كتاب مواقیت الصلاة: باب إيراد بالظهر)

”ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب گرمی زوروں پر ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے (ٹھنڈے وقت) میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا: اے رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس کی جاڑے میں اور ایک سانس کی گرمی کے موسم میں اور وہ (گرمی کا سانس) اس سخت گرمی جیسا ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور وہ سردی کا سانس اس سخت سردی جیسا ہوتا ہے جو تم محسوس کرتے ہو۔“

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوئی ہے نیز سردی اور گرمی کے موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ موسموں کا تغیر زمین کی مداری گردش اور سورج کے قرب و بعد کی بنا پر ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بھی بنیادی بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود ایک عالم طبعیات کی حیثیت سے موسمی تغیرات کی وجہ بیان فرمانا نہیں ہے بلکہ آپ ایک نبی کی حیثیت سے گرمی کی تکلیف محسوس کرنے والوں کو جہنم کا تصور دلانا چاہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت صحرائے عرب کی گرمی کا جو حال ہوتا ہوگا باآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے ایسی گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے نکلنا واقعی بڑا شاق گزرتا ہوگا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز صحابہ کرامؓ پر شاق نہ تھی۔ اس پس منظر میں دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کا مقصود دوزخ سے ڈرانا اور ان کاموں سے روکنا تھا جو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد قرآن کریم کے اس ارشاد سے ملتا جلتا ہے جو غزوہ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کے لیے جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر نکلنے سے جی چرا رہے تھے فرمایا گیا تھا:

﴿قَالُوا لَا تَنْفَرُوا فِي الْحَرِّ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدَّ حَرًّا﴾ (التوبة: ۸۱)

جس طرح قرآن دنیا کی گرمی کا جہنم کی گرمی سے مقابلہ اس لیے کر رہا ہے کہ پس منظر میں وہ لوگ ہیں جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر جانے سے ہچکچا رہے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی دنیا کی شدید گرمی اور شدید سردی کو دوزخ کی محض دو پھونکوں کے برابر اس لیے بتا رہے ہیں کہ پس منظر میں وہ لوگ موجود ہیں جو جاڑے میں صبح کی اور گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے گھروں سے نکلنا شاق سمجھ رہے ہیں۔ ((فَان شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فِیْجِ جَهَنَّمَ)) کہنے سے نبی کریم ﷺ کی مراد لازماً یہی نہیں ہے کہ دنیا میں گرمی جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ جہنم کی پھونک کی قسم یا جنس سے ہے اس لیے کہ عربی زبان میں لفظ ”من“ بیان جنس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کے موسموں کے بارے میں آپ ﷺ کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ یہ دونوں موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دو سانسوں کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک سانس گرمی کے موسم میں اور یہ جو تم گرمی سردی محسوس کرتے ہو اس کو دوزخ کے انہی دو سانسوں پر قیاس کر لو۔ غرض جس شخص نے بھی قرآن اور سیرت نبوی ﷺ میں کچھ بھی غور کیا ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث سن کر بلا تامل کہہ اٹھے گا کہ اس میں آپ ﷺ نے طبعیات کے کسی مسئلہ کو نہیں بلکہ جہنم کی شدت گرمی کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔

2.3 گرگٹ کی پھونکیں

ایک اور حدیث جس کا مضمون منکرین حدیث کو خلاف عقل نظر آتا ہے۔ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل

روایت ہے:

((عن أم شريك، أن رسول الله ﷺ أمر بقتل الوزغ، وقال: كان ينفخ على إبراهيم عليه السلام)). (الصحيح للإمام البخاري: كتاب الانبياء: باب قول الله تعالى: ﴿وَإِتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾)
”حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم پر آگ پھونکتا تھا۔“

اس حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کو عقلی مشکل یہ پیش آئی کہ آخر ایک گرگٹ کی پھونکوں میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی اور پھر ایک گرگٹ کے بدلے میں گرگٹوں کی ساری نسل کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

منکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر ان احادیث پر بھی نظر ڈال لیتے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وزغ یعنی گرگٹ کو فوسق یعنی موذی جانوروں میں سے قرار دیا ہے تو ان کو مذکورہ بالا حدیث میں کوئی عقلی استحالہ پیش نہ آتا اور بات بخوبی سمجھ میں آ جاتی۔

دراصل نبی کریم ﷺ نے چند جانوروں کو فواسق (موذی) قرار دے کر یہ فرمایا تھا کہ انہیں حرم میں اور حالت احرام میں بھی مار دینے کی اجازت ہے۔ ان میں بچھو، باؤلا کتا اور چوہا وغیرہ شامل ہیں۔ ادھر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گرگٹ کو بھی موذی قرار دیا تھا۔ اب اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم میں غور کیجئے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ گرگٹ کی پوری نسل کو اس لیے مار ڈالا جائے کہ اس کے ایک فرد نے حضرت ابراہیم پر آگ بھڑکائی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک موذی جانور ہے اور اس کو دوسرے موذی جانوروں کی طرح انسان سے دشمنی ہے۔ چنانچہ اس کی انسان دشمنی کا

اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سارے جانوروں میں سے یہی ایک جانور تھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔ رہی یہ بات کہ گرگٹ کی پھونک میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی تو حدیث میں یہ کہا ہی کب گیا ہے کہ وہ آگ گرگٹ کی پھونکوں سے بھڑک اٹھی تھی۔ حدیث میں تو صرف گرگٹ کی انسان دشمنی کی مثال دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی یہ دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ اگرچہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ تھا لیکن جانور نے اپنی انسان دشمنی کے اظہار میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

2.4 احادیث نبوی ﷺ اور نامناسب مضامین

منکرین حدیث کا ایک اعتراض ان احادیث کے بارے میں ہے جو بقول ان کے نامناسب مضامین پر مشتمل ہیں ان کا کہنا ہے کہ بعض احادیث تو ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو اخلاقی لحاظ سے معیوب خیال کئے جاتے ہیں جبکہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے درمیان خالصتاً ازدواجی تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اکثر و بیشتر خود ازواج مطہرات کی زبانی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کی زندگی کے ایسے معاملات بھی لوگوں کو بتادیں اور بتانے میں کوئی شرم محسوس نہ کریں جن کو عام طور پر میاں بیوی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی دوسرے کو اس پر مطلع کرنا کوئی گوارا کرتا ہے۔

منکرین حدیث کا یہ اعتراض ان کی کج فہمی، کٹ جتنی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے تاہم اتمام حجت کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جو اس ضمن میں معترضین کی تختہ مشق بنی ہیں ان میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کر کے یہ دکھایا جائے کہ اس قسم کی تمام احادیث دراصل ان مسائل پر مشتمل ہیں جو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا انسان کے علم میں آناس کی اپنی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے از بس ضروری ہے۔ اس سلسلہ کی جتنی احادیث منکرین حدیث کی جانب سے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان کو راویوں کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ احادیث جو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے مروی ہیں۔ دوسرے وہ احادیث جو ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر صحابہ و صحابیات سے

منقول ہیں۔ یہاں ان دونوں قسموں میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ منکرین حدیث کی سوچ کس قدر مخفی اثرات کی حامل ہے۔

2.5 ازواج مطہرات کی مرویات

۱۔ ((عن عائشة أن النبي ﷺ قبل بعض نسائه، ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ)). (السنن للإمام الترمذی: الطهارة، باب ترک الوضوء من المقلبة)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں کیا۔“

۲۔ ((حدثني ابو بكر بن حفص، قال: سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا و أخو عائشة على عائشة، فسألها أخوه، عن غسل رسول الله ﷺ، فدعت بآناء نحو من صاع، فاغتسلت، و افاضت على رأسها وبيننا حجاب)) (الصحيح للإمام البخاری: الغسل، باب بالصاع ونحوه)

”ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہ کے بھائی حضرت عائشہ کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے تقریباً ایک صاع پانی منگایا۔ پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔“

۳۔ عن أم سلمة، قالت: جاء ت أم سليم إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله! إن الله عز وجل لا يستحيي من الحق، فهل على

المرأة من غسل إذا احتلمت، فقال رسول الله ﷺ: نعم، إذا رأت الماء، فقالت أم سلمة: يا رسول الله! وتحتلم المرأة؟ فقال: تربت يداك، فبم يشبهها ولدها)) (الصحيح للإمام البخاری: الطهارة، باب وجوب الغسل على المرأة)

”حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ام سلیمؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو!۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں جبکہ وہ پانی (مٹی) دیکھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! بالکل ہوتا ہے۔ احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ عورت کے مشابہہ کیونکر ہوتا ہے۔“

۴- عن عائشة، قالت: كنت اغتسل أنا والنبي ﷺ من إناء واحد كلانا جنب، وكان يأمرني، فأتزر، فيبأشروني، وأنا حائض، وكان يخرج رأسه إلىّ وهو معتكف فأغسله وأنا حائض)). (الصحيح للإمام البخاری: كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض)

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن سے نہاتے تھے اور ہم دونوں حالت جنابت میں ہوتے تھے۔ اور آپ ﷺ مجھے حالت حیض میں ازار اچھی طرح باندھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس کے بعد ہم بستر میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ اور آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر (مسجد سے باہر) میرے حجرہ کی طرف نکال دیتے تھے اور میں بحالت حیض آپ کا سر دھوتی تھی۔“

۵۔ ((عن عائشة، قالت: كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله، النبي ﷺ فيضع فاه على موضع فيّ فيشرب، واتعرق بالعرق وأنا حائض، ثم أناوله النبي ﷺ فيضع فاه على موضع فيّ)).
(الصحيح للإمام مسلم: كتاب الطهارة، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها)

”حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں (برتن سے) پانی پیتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کی جانب بڑھا دیتی۔ آپ ﷺ اسی جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھ کر پانی پیا ہوتا تھا حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی تھی۔ اور اسی طرح میں حیض کی حالت میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کو دے دیتی تھی اور آپ ﷺ اس جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا۔“

یہ احادیث نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حدیث میں کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جو یا تو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتا ہے یا اس کا تعلق جسمانی طہارت و نفاست سے ہے۔ آئیے ان احادیث کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کیسے کیسے اہم مسائل کا حل بیان ہوا ہے۔

2.6 بوسہ ناقض وضو نہیں

پہلی حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ کے ایک عمل کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا بحالت وضو بوسہ لیا اور اس کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی اطلاع دینے سے حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ بوسہ بجائے خود وضو توڑنے والی چیز نہیں ہے۔ دراصل بعض لوگ محض بوسہ لینے کو ناقض وضو سمجھنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے ار وضو ختم ہوتا ہے تو کم از کم طہارت میں فرق ضرور آ جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو ان کا شک دور کرنے کے

یہ اس عمل نبوی ﷺ کی خبر دینا پڑی تاکہ ثابت ہو جائے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے خود بوسہ لینے کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے اس لیے بوسہ ناقض وضو نہیں ہے۔

2.7 غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہؓ ہی سے متعلق ہے اس میں ذکر ہے کہ غسل کے متعلق استفسار پر حضرت عائشہؓ نے پانی منگوا کر اور پردہ لٹکا کر حضرت ابوسلمہ اور اپنے بھائی کی موجودگی میں غسل فرمایا۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہؓ حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھانجے تھے۔ جنہیں حضرت ام کلثوم بنت ابوبکر صدیقؓ نے دودھ پلایا تھا اس لحاظ سے اس حدیث میں مذکورہ دونوں شخص جن کے سامنے حضرت عائشہؓ نے پردہ لٹکا کر غسل فرمایا آپ کے محرم ہی تھے۔ ان میں سے غیر محرم کوئی نہ تھا۔

مکرین حدیث حقیقت حال سے ناواقف لوگوں کے سامنے اس حدیث پر تبصرہ کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ کوئی غیر شخص تھے۔ اس کے علاوہ پھر ایک زیادتی یہ کرتے ہیں کہ روایت میں تو صرف ”حجاب“ یعنی پردے کا ذکر ہے مگر ان لوگوں کے تبصرے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ گویا پردہ باریک تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر پردہ باریک نہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ نہایت ہوشیاری سے نظر نہ آ سکتیں۔ اور اس طرح غسل کے عمل کا جو مظاہرہ کرنا مقصود تھا وہ پورا نہ ہوتا۔ حالانکہ اگر انہیں اس مسئلہ کا علم ہوتا جو اس وقت درپیش تھا اور جس کی تحقیق کے لیے یہ دونوں حضرات اپنی خالہ اور بہن کے پاس گئے تھے تو انہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ پردہ باریک ہونا چاہئے تھا۔ دراصل صحابہ کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہو سکتا ہے۔ بعض صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع بھر پانی سے غسل کر لیتے تھے جبکہ اتنے پانی کو لوگ غسل کے لیے ناکافی سمجھتے تھے۔ غلط فہمی کی بنیاد دراصل یہ تھی کہ وہ غسل جنابت اور غسل بغرض صفائی بدن کا فرق نہیں سمجھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں سوال کرنے والوں کو مسئلہ کی نوعیت سمجھانے کے لیے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈالا۔ پھر ایک صاع پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا۔ اس طریقہ سے سوال کرنے والوں کو حضرت عائشہؓ دو باتیں سمجھانا چاہتی تھیں: ایک یہ کہ غسل جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے صاع بھر پانی کفایت کرتا ہے۔

2.8 عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم

تیسری حدیث حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ یہ حدیث خواتین کو ایک اہم شرعی حکم سے واقفیت مہیا کرتی ہے۔ مسئلہ جس سے ایک عرب خاتون کو سابقہ پیش آگیا تھا یہ تھا کہ اگر ایک خاتون اسی طرح کا خواب دیکھے جیسا عام طور پر بالغ مرد دیکھا کرتے ہیں تو وہ کیا کرے؟ اسے پاک ہونے کے لیے مردوں کی طرح غسل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟..... چونکہ یہ صورت خواتین کو بہت کم پیش آتی ہے اس لیے خواتین اس کے شرعی حکم سے ناواقف تھیں۔ چنانچہ وہ خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ بتا کر کہ عورت کو بھی مرد ہی کی طرح غسل کرنا چاہئے نہ صرف ان کو بلکہ تمام خواتین کو ایک ضروری تعلیم دے دی۔ اب بتایا جائے کہ اس میں کون سی بات اخلاقی لحاظ سے معیوب تھی۔ کیا اس عرب خاتون کا مسئلہ پوچھنا کوئی عیب کی بات تھی؟!!..... کیا انہیں مسئلہ پوچھنے کے بجائے شرم کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کی اپنی سمجھ میں آتا وہی کر لینا چاہئے تھا؟!!..... معلوم نہیں معترضین کو اس میں کون سی بات غیر اخلاقی نظر آتی ہے۔

2.9 جنابت اور حیض کے بارے

میں قدیم توہمات کا ازالہ

چوتھی اور پانچویں احادیث میں جو مضمون حضرت عائشہؓ کی زبانی بیان ہوا ہے اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا جاننا ضروری ہے۔ جو ان احادیث کو روایت کرتے وقت حضرت عائشہؓ کے پیش نظر تھا۔ دراصل جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے ناپاک ہونے کا تصور شریعت محمدیہ ﷺ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرح قدیم شریعتوں میں بھی تھا۔ لیکن قدیم شریعتوں میں اس قدر بڑھا دیا تھا کہ وہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے وجود ہی کو ناپاک خیال کرنے لگے تھے۔ ان کے زیر اثر اہل حجاز میں بھی یہ تصور رحدِ مبالغہ کو پہنچ گیا تھا خصوصاً حائضہ عورت کے ساتھ تو رہنا سہنا بھی گناہ خیال کیا جانے لگا تھا چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو یہودی اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الطہارۃ، باب الحيض)۔

نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بتایا کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ میل جول، رہن سہن، کھانا پینا غرض ہر قسم کی معاشرت حائضہ عورت کے ساتھ اسی طرح رہتی ہے جیسی اس کے پاک ہونے کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اس سلسلہ میں بنیادی غلط فہمی رفع ہو گئی تھی تاہم قدیم توہمات و تعصبات کے زیر اثر ایک عرصہ تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کا وجود کچھ نہ کچھ گندار ہوتا ہی ہے۔ اس لیے اس حالت میں اس کا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے وہ بھی کم از کم مکروہ تو ضرور ہو جاتی ہوگی۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں زیر بحث دونوں حدیث اور اسی قسم کی دوسری احادیث روایت ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا مبالغہ آمیز تصورات کو اعتدال پر لانے کے لیے ازواج مطہرات کو یہ بتانا پڑا کہ نبی کریم ﷺ خود اس حالت میں کوئی اجتناب نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حائضہ یا جنبی عورت کے ہاتھ لگانے سے جب پانی جیسی سیال اور تر چیز گندی نہیں ہوتی تھی تو کسی برتن یا کپڑے وغیرہ کے گندے ہو جانے کا تو سوال ہی کیا۔ بلکہ پانچویں حدیث میں تو یہ بتایا گیا کہ حائضہ عورت کا ہاتھ تو ہاتھ ہے، منہ بھی لگ جائے تو کوئی چیز گندی نہیں ہوتی۔ نیز اس قسم کی احادیث میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حائضہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر صرف مباشرت کا مخصوص فعل نہیں کر سکتا باقی ہر قسم کا میل جول جائز ہے۔ اب ذرا سوچئے!..... اگر ازواج مطہرات نے نبی کریم ﷺ کے ان افعال پر ہمیں مطلع نہ کیا ہوتا تو قدیم تعصبات اور توہمات کے زیر اثر ہمیں اپنی عائلی زندگی میں کیسی کیسی مشکلات سے سابقہ پیش آتا۔

③ خلافِ علم و تجربہ روایات

مکرمین حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں بعض روایات ایسے دعاوی پر مشتمل ہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ظاہر ہے نبی کے دعاوی کبھی غلط نہیں ہوتے۔ بنا بریں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ان تمام دعاوی کی نسبت غلط ہے مکرمین حدیث اگر اپنی سوچ کا رخ درست کر لیں تو خود اس بات کا اقرار کرتے نظر آئیں گے کہ کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جو انسانی علم و تجربہ کے خلاف ہو۔ ان کی جانب سے جتنی بھی روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں اگر ذرا بھی بنظر غور ان کا جائزہ لیا جائے تو کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں رہتی جس پر خلافِ علم و تجربہ ہونے کا اعتراض صادق آسکے۔ مثال کے طور پر ان کی طرف سے پیش کی جانے والی مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ کیجئے۔

3.1 سو سال بعد دنیا کا خاتمہ

اس روایت میں ذکر ہے کہ سو سال کے بعد زمین پر کوئی جاندار زندہ نہیں رہے گا۔ یہ روایت دراصل اس حدیث کا ایک جزو ہے جس کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کتاب العلم میں نقل کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

((قال: صلى بنا النبي ﷺ العشاء في آخر حياته، فلما سلم، قام، فقال: أرايتم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد)). (الصحيح للإمام البخاري: كتاب العلم، باب السمر في العلم)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اخیر عمر میں ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اس رات کو دیکھا (اسے یاد رکھنا)۔ اب سے سو برس کے بعد جتنے لوگ اس

وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی بھی (زندہ) نہیں رہے گا۔“

منکرین حدیث نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا کہ دنیا سو سال کے بعد ختم ہو جائے گی اور پھر اسی بنیاد پر اسے موضوع ٹھہرایا ہے کہ یہ تاریخی حقائق اور حس و مشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہاں منکرین حدیث سے پوچھنا چاہئے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الصلاة میں بھی لیا ہے۔ کیا وجہ ہے اس کو اختیار کرنے کی بجائے منکرین حدیث کی نظر انتخاب اسی کتاب العلم والی روایت پر کیوں پڑی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کتاب الصلاة والی روایت انہوں نے صرف اس لیے نہیں لی کہ اس میں ان کے اعتراض کا جواب موجود تھا۔ اس روایت میں چونکہ ”اليوم“ کا لفظ اس ارشاد نبوی ﷺ کا صحیح مفہوم متعین کر دیتا تھا جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ اس لیے منکرین حدیث کا فائدہ اسی میں تھا کہ اس روایت سے صرف نظر کر لیا جائے۔

دراصل نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت جبکہ میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں دنیا میں جتنے لوگ ہیں سو سال کے اندر اندر سب مرجائیں گے۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سو سال کے بعد دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ کتاب العلم والی روایت میں بھی لیتکم ہذہ کے الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ تاہم کتاب الصلاة والی روایت تو اس مفہوم کی تعین میں بالکل ہی صریح ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((فقال: أريتكم لیتکم ہذہ، فإن رأس مائة سنة منها، لا یبقی

متن هو اليوم علی ظهر الأرض أحد))۔ (الصحيح للإمام

البخاری: کتاب الصلاة، باب ذکر العشاء والعمه)

اس ارشاد سے نبی کریم ﷺ کا مقصود اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہاری عمریں پہلی امتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے عبادت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ نیز اس کے ساتھ ہی ان الفاظ میں معجزانہ طور پر ایک پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ پوری ایک صدی گزرنے پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری بھی ہوئی۔ صحابہؓ میں سے جس کی موت سب کے بعد واقع ہوئی وہ حضرت ابو

طفیل عامر بن وائلہؓ تھے۔ جنہوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس طرح اس ارشاد کے دن سے لے کر آخر صحابی حضرت ابو طفیل کی وفات تک پورے سو سال بنتے ہیں۔

3.2 عجوہ کھجور کی تاثیر

ایک اور حدیث جسے منکرین حدیث اپنے موقف کے استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الطب میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا متن یہ ہے:

((من اصطبح كل يوم تمرات عجووة لم يضره سم ولا سحر
ذلک اليوم إلى الليل وقال غيره سبع مرات)). (الصحيح للإمام
البخاری: کتاب الطب، باب الدواء بالعجووة)

”جس نے ہر روز علی الصبح عجوہ نامی کھجوریں کھائیں اس پر اس رات تک زہر اور
جادو اثر انداز نہ ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں سات کھجوروں (کے الفاظ) ہیں۔“

منکرین حدیث کو عجوہ نامی کھجور کی اس تاثیر سے انکار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طب جدید نے اس مخصوص
کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہو اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ
یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

”عجوہ“ نامی کھجور کے بارے میں طب جدید کیا رائے رکھتا ہے کیا نہیں۔ اس سے پہلے یہ بات قابل غور
ہے کہ کیا طب جدید نے دنیا کے تمام ماکولات و مشروبات، نباتات اور میوہ جات کی خاصیات کا احاطہ کر لیا ہے یا
دوسری صورت میں طب جدید نے کہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ”عجوہ“ کی تمام تاثیرات اور تمام خاصیات
معلوم کر لی ہیں۔ اگر ایسا کوئی دعویٰ طب کی دنیا میں موجود نہیں تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عجوہ میں فلاں تاثیر
سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر عجوہ میں ابھی تک جادو اور زہر کے لیے مفید خواص کا سراغ نہیں لگایا جاسکا تو
کیا یہ ممکن نہیں کہ مستقبل میں جب اس کھجور پر باقاعدہ طبی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے خواص کا پتہ چلے جو
مفید زہر یا مفید سحر ہوں۔ علاوہ ازیں تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجئے کہ طب جدید نے عجوہ نامی کھجور پر پوری طبی

تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں مذکورہ تاثیرات میں سے کوئی تاثیر موجود نہیں ہے۔ تو اس کے بعد یہ امکان پھر بھی باقی رہے گا کہ آئندہ طب کا علم مزید ترقی کرے اور تحلیل و تجزیہ کا کوئی ایسا نیا طریقہ دریافت ہو جائے جس کی مدد سے عجمہ کی کچھ مزید تاثیرات و خاصیات کا انکشاف ہو۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ طب کا علم اپنی آخری حد تک پہنچ گیا ہے اور اب اس پر مزید کسی اضافے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تو تھی ایک اصولی بات، رہا عجمہ کے بارے میں طب جدید کی رائے کا معاملہ، تو یہ کہنا سرے سے ہی غلط ہے کہ طب جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ طب جدید میں یہ امر ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ عجمہ غذا بخش اور ملین معده ہوتی ہے۔ یہ کھجور جسم میں حرارت کے ساتھ ساتھ فرحت اور نشاط پیدا کرتی ہے۔ نتیجہً اس کو اگر نہار منہ کھانا معمول بنالیا جائے تو جس مادے سے معده میں کیڑے بنتے ہیں وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اندرونی امراض کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ انتڑیوں میں بدبو اور کیڑوں کا پیدا ہونا ہی ہے۔ جب یہ معاملہ بڑھ جاتا ہے تو جسم میں زہر پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ بنا بریں حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ عجمہ زہریلے اثرات کو ختم کر دیتی ہے معلوم ہوا کہ بالکل درست ہے۔

اسی طرح عجمہ سے جادو کے اثرات کا زائل ہو جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں جو بعید از عقل و قیاس ہو۔ اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ جادو ایک نفسیاتی مرض ہے۔ طب جدید نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ تخیلات و توہمات بعض امراض میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تو نفسیاتی مرض ہونے کی بنا پر ظاہر ہے جادو کا علاج بھی نفسیاتی ہی ہونا چاہئے۔ اب ذرا تجزیہ کیجئے کہ جب ایک سحر زدہ شخص عجمہ کے ان پہلوؤں پر غور کرے گا کہ یہ جسم انسانی کو حرارت بخشتی ہے اور فروغ و نشاط بہم پہنچاتی ہے۔ بدن کو تقویت دیتی ہے۔ کیڑوں کو مار ڈالتی ہے اور فضلات کے تعفن کو دور کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب وہ اس حقیقت میں غور کرے گا کہ عجمہ کھجور کو اللہ کے رسول ﷺ نے جس کی بات ہمیشہ قطعی اور حتمی ہوتی ہے جادو کے مرض کے لیے مفید بتایا ہے تو نفسیاتی طور پر اس کے اندر قوت مدافعت بڑھے گی جو جادو کے ازالہ میں مؤثر ہوگی۔

3.3 کھمب کی خاصیت

طب ہی کی بنیاد پر منکرین حدیث نے اس حدیث کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں ذکر ہے کہ کھمب (جس کو سانپ کی چھتری بھی کہا جاتا ہے اور جو برسات کے زمانے میں عموماً کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر از خود آگ آتی ہے) کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے:

((الكُمَاةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ)). (الصحيح للإمام

البخاری: كتاب الطهارة، باب المن شفاء للعين)

”کھمب (سانپ کی چھتری) ترجمین کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔“

اس حدیث کے بارے میں بھی اول تو اصولی بات یہی ہے کہ آج اگر انسان کی تحقیق میں کھمب کی یہ تاثیر نہیں آئی جو مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوئی ہے تو اس کا امکان ختم نہیں ہوتا کہ کل انسانی تحقیق میں اس تاثیر کا وجود ثابت ہو جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث ایک طرف تو اخبارِ آحاد کے پورے ذخیرہ کو صرف اس بنیاد پر بے کار اور ناقابلِ اعتماد ٹھہراتے ہیں کہ ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے جو کہ فی الحقیقت یقین ہی کی ایک قسم ہے۔ دوسری طرف محض اندازوں اور تخمینوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کو احادیث نبوی ﷺ کے صحیح و غیر صحیح ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ کسی چیز کی کوئی خاصیت جو اطباء بیان کرتے ہیں وہ سب ان کے اندازے اور تخمینے ہی تو ہوتے ہیں۔ ان اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو جو جوی و برہان پر مبنی ہونے کی وجہ سے یقیناً قطعی اور حتمی ہیں مشکوک اور غلط قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ آج اگر ایک حدیث اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ وہ طب کی تحقیق کے خلاف ہے تو کل اگر طب کی تحقیق اس کے حق میں ہوگئی تو یقیناً وہ قابلِ قبول بن جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ طبیب کی بات تو قابلِ قبول ہے جو ایک عام انسان سے زیادہ کچھ نہیں مگر نبی کریم ﷺ کی بات قابلِ قبول نہیں ہے جو معترضین کے نزدیک بھی اللہ کے رسول ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کھمب میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی جو حدیث میں بیان ہوئی ہے اس لیے کہ ابوسہیل مسیحی اور بوعلی سینا جیسے مسلم اور مشہور اطباء کی تحقیق تو یہ ہے کہ کھمب کا پانی بصارت کو تیز کر دیتا ہے۔ نیز اگر اس کو سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے ظلمتِ بصر دور ہوتی ہے اور دکھتی آنکھ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن قیم نے ”زاد المعاد“ میں ان دونوں اطباء کی اس تحقیق کو زیر بحث حدیث کی صداقت پر گفتگو کرتے ہوئی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے مشہور طبیب غافقی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی مفردات میں لکھا ہے کہ اگر کھمب کے پانی کو مشہور دوا اشد کے پانی میں گوندھ کر سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے آنکھ کی پلکوں کو تقویت پہنچتی ہے اور قوتِ بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (زاد المعاد لابن قیم الجوزیہ: ج ۲، ص ۱۸۱)

3.4 باہم متعارض روایات

منکرین حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اکثر صحیح احادیث باہم متعارض ہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں۔ اس لیے احادیث بھی باہم متعارض ہونے کی بناء پر ساقط الاعتبار قرار پائیں۔

یہ اعتراض دراصل معترضین کی کم علمی اور کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ منکرین حدیث کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ کتب حدیث کا تقابلی مطالعہ انہیں حاصل نہیں۔ وہ احادیث کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں اپنے محدود مطالعہ کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کبھی نہ کہتے کہ اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث کے پورے ذخیرہ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ احادیث کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔ مثلاً احادیث صفات و فضائل میں کوئی تعارض نہیں۔ احادیث اخلاق و رفاق میں بھی کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔ اسی طرح احادیث معجزات تعارض سے پاک ہیں۔ نیز احوال جنت و جہنم کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ننانوے فی صد احادیث ایسی ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ لے دے کہ وہ احادیث رہ جاتی ہیں جو یا تو بعض واقعات پر مشتمل ہیں اور یا پھر ان کا تعلق احکام سے ہے۔

جہاں تک احادیث و واقعات کا تعلق ہے تو ان میں اگرچہ ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ضرور

ملتی ہے جو باہم متعارض تو نہیں البتہ باہم مختلف دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان کا باہمی تعارض و اختلاف صرف ظاہر نظر میں ہی محسوس ہوتا ہے۔ غور و فکر کے بعد اور احادیث نبوی ﷺ کے تقابلی مطالعہ کے بعد اکثر و بیشتر رفع ہو جاتا ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ یا تو مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہوتا ہے جو بظاہر باہم متعارض و مختلف نظر آنے لگتا ہے۔ حالانکہ معانی و مفہوم کے لحاظ سے ان کے درمیان کوئی تعارض و اختلاف نہیں ہوتا۔ یا پھر مختلف راویوں نے ایک ہی واقعہ کے مختلف اجزاء بیان کئے ہوتے ہیں۔ ناواقف سمجھتا ہے کہ ان کے بیانوں میں اختلاف ہے۔ جبکہ احادیث کے ذخیرے سے واقف اس واقعہ کے تمام اجزاء کو یکجا کر کے ان کے باہمی تطابق کو پالیتا ہے۔

یہی حال احادیث احکام کا ہے جو احادیث باہم متعارض نظر آتی ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ غیر متعارض احادیث کی نسبت وہ شاید ایک فیصد بھی نہیں۔ ان میں سے بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور تحقیق و جستجو کی جائے تو تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ ان احادیث کے ساتھ بھی صورت حال یہ ہے کہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہوتا ہے اور جس راوی نے جو طریقہ مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا یا پھر ہوتا یہ ہے کہ احادیث میں باہم تقدم و تاخر زمانی موجود ہوتا ہے جن لوگوں کو علوم حدیث پر عبور حاصل ہوتا ہے وہ اس تقدم و تاخر زمانی کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر پہلی حدیث کو ”منسوخ“ اور بعد والی کو ”ناسخ“ قرار دیتے ہیں۔

احادیث احکام کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ بہت سے اعمال و افعال کی تشریح و دفعتاً نہیں ہوتی بلکہ بتدریج ہوتی ہے۔ مثلاً نماز ابتدا میں دو رکعت فرض ہوئی۔ بعد میں رکعات کی تعداد چار ہو گئی۔ یا مثلاً ابتداء اسلام میں صرف دو ہی وقت صبح اور عصر کی نماز فرض تھی بعد میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو احکام پر مشتمل احادیث کے معاملے میں اس تدریج کے عمل کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس تدریج کے عمل سے پیدا ہونے والے اختلاف کو تعارض یا تناقض کا درجہ دینا غلط ہوگا۔

غرض ایسی احادیث جن کا باہمی تعارض و اختلاف رفع کرنا مشکل ہو تعداد میں اتنی کم ہیں کہ ان کو غیر متعارض و غیر مختلف احادیث سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کے عدد کو ہزار کے عدد سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ

ہے کہ اس قدر اقل قلیل احادیث متعارضہ کی بنیاد پر پورے ذخیرہ حدیث کو غیر معتبر قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے!!؟..... احادیث نبویہ کسی ایک ناقابل تقسیم کل کا نام تو ہے نہیں کہ اس کا ایک جزء ساقط ہوا تو کل کے کل کا ساقط ہونا لازم آ گیا۔ ہر حدیث اپنے اپنے مقام پر اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اور ہر ایک اپنی جداگانہ سند کے ساتھ روایت ہوتی ہے۔ بنا بریں دو چار روایات کیا دو چار سو روایات بھی ساقط ہو جائیں تو بقیہ ہزاروں روایات کا سقوط لازم نہیں آ سکتا۔ اول تو ایسی روایات کے بارے میں جن کا باہمی تعارض و اختلاف رفع کرنا مشکل ہو درست اور صحیح طریقہ عمل یہ ہے کہ راجح اور احوط پر عمل کیا جائے۔ لیکن اگر ترک ہی کرنا ہوں تو ظاہر ہے صرف انہی روایات کو ترک کیا جائے گا جو باہم متعارض ہوں گی ان کی وجہ سے غیر متعارض روایات کو ترک کرنے والا نامعقول ہی کہلائے گا۔

یہاں منکرین حدیث کی طرف سے پیش کئے جانے والے چند بنیادی اعتراضات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ اس یونٹ کو پورے غور و خوض اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔ اس سے آپ کو ان کی بنیادی فکر اور اہداف و اغراض کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب آپ منکرین حدیث کا لٹریچر براہ راست مطالعہ کریں گے تو امید ہے کہ آپ کو اس کی خدو خال سمجھنے میں دقت محسوس نہیں ہوگی۔

خود آزمائی ②

(۱) سورج کی سجدہ ریزی سے متعلق حدیث پر منکرین حدیث کو کیا اعتراض ہے؟ اس اعتراض کا جواب دیجئے۔

(۲) موسم سرما اور گرما کی تبدیلی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ منکرین حدیث اس روایت کو ماننے سے کس بنیاد پر انکار کر رہے ہیں؟

(۳) احادیث نبوی ﷺ میں نامناسب مضامین کے حوالہ سے منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لیجئے۔

(۴) ازواج مطہرات کی روایات پر منکرین حدیث کو جو اشکال ہے اس کو رفع کیجئے۔

(۵) خلاف علم و تجربہ روایات کے بارے میں منکرین حدیث کا موقف پیش کیجئے اور اس کا جواب دیجئے۔



یونٹ نمبر 18

پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی



فہرست

575	یونٹ کا تعارف
576	یونٹ کے اغراض و مقاصد
577	① پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ
577	1.1 استعمار کی منصوبہ بندی کا رد عمل
579	1.2 تقسیم ہند کے اثرات
581	1.3 جامعۃ العلوم اسلامیہ
581	1.4 دارالعلوم کراچی
582	1.5 جامعہ فاروقیہ
583	1.6 جامعہ حنفیہ
584	1.7 دارالعلوم امجدیہ
584	1.8 جامعہ ابوبکر
585	1.9 مظہر العلوم
585	1.10 دارالہدیٰ خیر پور
585	1.11 انورار العلوم
586	1.12 خیر المدارس
587	1.13 قاسم العلوم
588	1.14 جامعہ اشرفیہ
591	1.15 نصرۃ العلوم

- 591 1.16 جامعہ اداویہ
- 592 1.17 دارالعلوم حقانیہ
- 593 1.18 دارالعلوم تعلیم القرآن
- 593 1.19 جامعہ رضویہ ضیاء العلوم
- 594 1.20 جامعہ سلفیہ
- 594 1.21 جامعہ فریدیہ
- 595 1.22 جامعہ محمدیہ
- 595 1.23 جامعہ اسلامیہ
- 595 1.24 جامعہ العلوم الشرعیہ
- 596 1.25 جامعہ الاسلامیہ عالمیہ
- 596 1.26 ادارہ تحقیقات اسلامی
- 597 1.27 شعبہ حدیث و سیرت

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس وقت آپ جس یونٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا عنوان 'پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ' ہے۔ اس سے پہلے آپ برصغیر میں علم حدیث کے حوالے سے قدرے تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اور یہ دیکھ چکے ہیں کہ برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کس طرح ہوئی اور کن کن علماء اور اداروں کے ذریعہ سے ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد صورتحال ایسی ہوئی کہ جو دینی مراکز متحدہ ہندوستان میں علماء نے قائم کئے تھے وہ بھارت کے حصہ میں آئے اور پاکستان کے حصہ میں ایک بھی دینی مدرسہ نہیں آیا۔ قیام پاکستان کے بعد جو علماء ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے انہیں یہاں کوئی ایسی فکر نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان بن جانے کے بعد اب علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کا کام خود ریاست کرے گی۔ کیونکہ یہ ریاست بنیادی طور پر نظریاتی ریاست ہے اور یہ اسلامی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہے۔ لیکن جب اس نظریاتی ریاست کے اہل اقتدار نے علوم دینیہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو استعمار نے کیا تھا تو علماء کو پھر اپنے تراث کی حفاظت کے لیے میدان میں آنا پڑا۔ ان علماء نے اپنی گنجائش کے مطابق جدوجہد کی۔ ان کی کوشش اور کاوش کے نتیجے میں پاکستان میں کئی ادارے قائم ہو گئے۔ ان اداروں میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔ شروع شروع میں ان اداروں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارے مضبوط ہو گئے۔ اس یونٹ میں ان اداروں کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے حدیث کی ترویج کے لیے بنیادی اور اساسی کام کیا۔ کئی ادارے ایسے ہوں گے جن کا تذکرہ رہ گیا ہو گا۔ لیکن یونٹ میں چونکہ اتنی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے اختصار اور اجمال کے ساتھ اہم مراکز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس یونٹ کے مطالعہ سے آپ کو بنیادی معلومات مل جائیں گی۔ اگر آپ مزید مطالعہ کرنا چاہیں تو ان اہم اداروں کے بانی حضرات کے تذکروں کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس یونٹ کا انہماک کے ساتھ مطالعہ کریں۔ امید ہے کہ آپ اسے دلچسپ پائیں گے۔

یونٹ کے اغراض و مقاصد

- اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- ⇐ تقسیم ہند سے پہلے علم حدیث کے اہم مراکز پر روشنی ڈال سکیں۔
 - ⇐ تقسیم ہند کے بعد جو مدارس اور جامعات قائم ہوئے ان کا تعارف کرا سکیں۔
 - ⇐ علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کے کردار پر بحث کر سکیں۔
 - ⇐ جدید جامعات کے کردار اور تحقیق کے بارے میں تجزیاتی نوٹ لکھ سکیں۔
 - ⇐ پاکستان میں علم حدیث کی اشاعت و ترویج کے لیے موجودہ حالات میں اپنی تجاویز پیش کر سکیں۔

① پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ

1.1 استعمار کی منصوبہ بندی کا رد عمل

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب برصغیر پر استعمار کا باقاعدہ قبضہ ہوا اور استعمار نے مختلف اسباب و عوامل اور تجزیات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا کہ برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کو ہر پہلو اور ہر جانب سے زیر کر دیا جائے، ان کی ظاہری قوت کے ساتھ ساتھ ان کی فکری اور باطنی قوت کو بھی پارہ پارہ کر دیا جائے، تو ان حالات میں اس وقت کے علماء نے استعمار کی اس سازش اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے علمی اور فکری اداروں کے قیام کی طرف توجہ دی۔ حکومت وقت نے جو سب سے مؤثر اور بنیادی وار کیا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے نصاب تعلیم کو ناقابل قبول قبول قرار دیا۔ عربی اور فارسی زبانوں کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے انگریزی زبان کو رائج کر دیا۔ سرکاری اداروں کے دروازے ان لوگوں کے لیے کھول دیے جو انگریزی جانتے تھے اور ان لوگوں کے لیے بند کر دیے جو عربی، فارسی اور اردو زبان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر دو قسم کے مصلحین نمایاں ہو گئے۔ ایک طبقہ ان حضرات کا تھا جو مسلمانوں کو انگریزی نصاب تعلیم پڑھنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ اس طبقہ کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان جدید نصاب پڑھ کر سرکاری ملازمتوں میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ اور اس طرح معاشی اور معاشرتی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن بہتر بناسکیں۔ اس طبقہ کے سرخیل سرسید احمد خان تھے جنہوں نے علی گڑھ میں جدید خطوط پر ایک کانٹ قائم کیا۔ دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا جن کا مدعا یہ تھا کہ مسلمان اپنی روایات، ثقافت، تشخص اور علوم و فنون کے ساتھ منسلک رہیں۔ اگر جدید نصاب تعلیم کے ظاہری اور عارضی مفادات کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے علوم و فنون کو نظر انداز کر دیا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سار اور شامت جائے گا اور آنے والی نسلوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوگا کہ ان کے آباء و اجداد مسلمان تھے، ہندو تھے یا کچھ اور تھے۔ ان علماء کے سامنے اندلس کی ان نسلوں کی مثال تھی جن کے آباء و اجداد نے سات سو سال اندلس میں حکومت کی اور جنہوں نے قرطبہ، غرناطہ، شاطبہ، اور اشبیلہ کے کتب

علماء کو علوم دینیہ کی لاکھوں تالیفات و تصنیفات سے بھر دیا۔ لیکن اب ان نسلوں کو عربی زبان کی ”ا“ اور ”ب“ تک نہیں آتی۔ علماء کے اس طبقہ نے نجی طور پر عوام کے تعاون سے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے ”دارالعلوم“ قائم کیے۔ ان اداروں نے ایسے افراد پیدا کئے جنہوں نے بغیر کسی لالچ اور بغیر مفاد کے علوم اسلامیہ کی ترویج کے لئے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور پوری دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے اسلاف کے علوم و فنون کو آگے منتقل کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر میں ان علماء کی جدوجہد کی وجہ سے چھوٹے بڑے سینکڑوں مراکز قائم ہوئے۔ ان میں جن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ امینیہ دہلی کے مدارس ہیں۔ فتح اللہ الظاکی اپنی کتاب ”الہند کما رأیتھا“ میں لکھتے ہیں:

”وفی بلاد الہند عدد کبیر من الکلیات العلمیة، مثل کلیة دیوبند“ وہی اکبر کلیة لتدریس اللغة العربیة فی وسط الہند، وکلیة کلکوتا، وکلیة العثمانیة فی حیدر آباد دکن، وکلیة لکنؤ، وکلیة الاسلامیة فی دہلی، وکلیة علیکرہ۔“

”ہندوستان میں تعلیمی اداروں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ یہاں دارالعلوم دیوبند ہے جو علوم عربیہ اور دینیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسی طرح کلکتہ میں ایک کالج ہے۔ حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ ہے، لکھنؤ میں ایک کالج ہے اور دہلی میں بھی ایک اسلامی علوم کا مرکز ہے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایک کالج قائم ہے۔“

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ سال بعد ۱۸۷۲ء میں صوبہ یوپی میں بریلی کے مقام پر ’مصابح التہذیب‘ کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہوا جو ’مصابح العلوم‘ کے نام سے مشہور ہوا تھا۔

ان اداروں میں عام طور پر وہ نصاب جو درس نظامی کہلاتا ہے رائج اور متداول رہا۔ درس نظامی میں آخری دو سالوں میں حدیث کے بنیادی مصادر کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اور خاص کر ’صحاح ستہ‘ پڑھائی جاتی ہیں۔ جو

طالب علم درس نظامی کا نصاب شروع سے آخر تک اہتمام کے ساتھ پڑھ لیتا ہے اسے باقی علوم و فنون کے علاوہ حدیث کا اچھا خاصہ ذخیرہ مل جاتا ہے۔ دینی مدارس میں وہ اساتذہ جو حدیث پڑھاتے ہیں انہیں باقی اساتذہ کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو استاد ’صحیح البخاری‘ اور ’جامع الترمذی‘ پڑھاتا ہے وہ ’شیخ الحدیث‘ کہلاتا ہے۔

1.2 تقسیم ہند کے اثرات

برصغیر کے دینی مدارس میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور دو ایسے مراکز ہیں جن میں حدیث اور علوم الحدیث پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اطراف و اکناف کے طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے ان دو مراکز کا رخ کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں افغانستان، ترکستان، انڈونیشیا، ملائیشیا، مصر، الجزائر، شام، افریقہ اور دنیا بھر کے ممالک سے ہر سال ہزاروں طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ ان دونوں مراکز کے قیام کی وجہ سے برصغیر کے طلبہ نے حجاز جانا چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ حجاز کے طلبہ خود یہاں سے مستفید ہونے کے لیے آتے تھے۔ جب تک ہندوستان متحد رہا تب تک یہ مراکز پوری آب و تاب سے کام کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند عمل میں آئی تو یہ سارے مراکز ہندوستان کے حصہ میں آئے۔ اور پاکستان کے موجودہ خطہ میں کوئی قابل ذکر مدرسہ نہیں تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے قیام کے بعد حکومت ایسا نصاب تعلیم وضع کرتی جو یہاں کے مسلمانوں کی ظاہری اور باطنی ضروریات کو پورا کرتی۔ لیکن تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی صورت حال وہی ہوئی جو ایک سو سال پہلے ہندوستان کی تھی۔ یہاں بھی انگریزی نصاب تعلیم کو فوقیت دی گئی اور علوم اسلامیہ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ عربی، فارسی اور اردو کو انگریزی کے مقابلہ میں کمتر قرار دیا گیا۔ قومی زبان اردو قرار دی گئی لیکن سرکاری زبان انگریزی ہے۔ اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ امیدوار کسی جدید یونیورسٹی سے گریجویٹ ہو۔ اس صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد علما نے پھر اپنی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے نجی مراکز قائم کرنا شروع کر دیے۔ اس ضمن میں پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں علوم اسلامیہ کے ادارے قائم کر دیئے گئے۔

کراچی میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے دارالعلوم قائم کیا۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ قائم کیا۔ مولانا منتخب الحق قادری اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے دارالعلوم امجدیہ قائم ہوا۔ نڈوالہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے ملتان میں خیر المدارس تعمیر کرایا۔ مولانا سعید احمد کاکظمی نے انوار العلوم کے نام سے ملتان میں مدرسہ قائم کیا۔ میڑھی (سندھ) میں دارالہدی کے نام سے ایک بہت بڑا مرکز نمایاں ہوا۔ مولانا عبدالحق نے اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ اوکاڑہ میں مولانا لکھوی نے جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ ان دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے مطابق صرف ان طلبہ کو سند دی جاتی ہے جنہوں نے دورہ حدیث کا امتحان پاس کر لیا ہو۔ شروع شروع میں ہر مدرسہ کا اپنا داخلی امتحان ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں مختلف مکتب ہائے فکر کے مدارس نے اپنی اپنی تنظیم قائم کی۔ اور اس تنظیم کے تحت اجتماعی امتحانات کا انعقاد شروع ہوا۔ اب الحمد للہ پاکستان میں دینی مدارس کا ایک مربوط نیٹ ورک ہے جو علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ابتدائی تین دہائیوں تک یہاں کے دینی مدارس میں حدیث اور علوم حدیث کی خدمت وہ علماء اور شیوخ کرتے رہے جنہوں نے تقسیم ہند سے پہلے دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ڈابھیل، اور مظاہر العلوم سہارنپور کے شیوخ الحدیث سے استفادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اسلوب اور انداز تدریس وہی رہا جو تقسیم ہند سے پہلے کے شیوخ کا تھا بعد میں رفتہ رفتہ وہ اساتذہ حدیث کی مسند پر آ گئے جنہوں نے تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں قائم دینی جامعات کے شیوخ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے اساتذہ بھی جامعات میں آ گئے جنہوں نے بین الاقوامی جامعات مثلاً جامعۃ الازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ ان شیوخ نے جدید اسلوب اور انداز تدریس کے ذریعہ اپنے تلامذہ کو مستفید کیا۔ مثلاً پیر کرم شاہ الازہری نے اپنے جامعہ میں درس نظامی کے نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں مفید تراجم کیے۔ اور حدیث کی ان تالیفات کو بھی متعارف کروایا جو پہلے غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے متداول نہیں تھیں۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی میں جامعہ کے ساتھ ساتھ ادارہ تحقیق و تالیف بھی قائم کیا۔ اور اس ادارہ کی لائبریری میں ہر علم و فن کی اہمات الکتاب جمع کیں۔ اور سینئر طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ انصافی کتب کے علاوہ مختلف فنون کے مصادر و مراجع کا بھی مطالعہ کریں۔ اس کے

علاوہ انہوں نے ایک باقاعدہ سکیم کے تحت ہر سال جامعہ کے پوزیشن ہولڈرز طلبہ اور اساتذہ کو ترتیب کے ساتھ باہر کی جامعات میں بھیجنا شروع کیا اور جامعہ کے اندر ابتدائی درجات کے طلبہ کو عربی زبان سکھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کئے۔

1.3 جامعۃ العلوم الاسلامیہ

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کا علمی معیار باقی تمام جامعات کے مقابلہ میں اعلیٰ رہا اور خاص کردورہ حدیث کے طلبہ نے جوق در جوق اس میں داخلہ لینا شروع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں اس ادارہ کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ خود علامہ بنوریؒ نے جامع الترمذی کی شرح 'معارف السنن' کے نام سے مرتب کی جو اس وقت بین الاقوامی جامعات میں مصدر و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے 'سنن ابن ماجہ' پر کام کیا۔ ان کے اس کام کی وجہ سے سنن ابن ماجہ کی طرف طلبہ اور اساتذہ نے بھرپور توجہ دی اور اس کے مطالعہ میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ڈاکٹر عبدالحکیم چشتی نے مسند ابوعوانہ پر بہت جامع، وقیع اور مفید مقدمہ لکھا اور اس کا اردو ترجمہ کیا۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب قابل استفادہ ہو گئی۔ آپ نے حدیث کی مشہور کتاب 'مشارك الانوار' کو مرتب کیا اور اس کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے بھی جامع الترمذی پر بہت مفید اور معلوماتی کام کیا۔ مفتی نظام الدین شامزئی نے تراجم بخاری اور مقدمہ صحیح مسلم پر تعلیق و تحقیق کی۔ ادارہ تحقیق و تالیف کے محققین اور اساتذہ کی زیر نگرانی علمی مقالات لکھوانے کا بھی سلسلہ رہا۔ وہ طلبہ جو دورہ حدیث کے بعد تخصص فی الحدیث میں داخلہ لیتے ہیں انہیں حدیث اور علوم الحدیث سے متعلق علمی مقالہ لکھنا پڑتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کی علمی مصروفیات بڑھانے کے لیے جامعہ سے ایک علمی مجلہ ماہنامہ 'بینات' کے نام سے شروع کرایا گیا۔ اس مجلہ میں چھپنے والے مقالات اس معیار کے ہوتے ہیں کہ پاکستان کی جدید جامعات میں انہیں قبول کیا جاتا ہے۔

1.4 دارالعلوم کراچی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی طرح کراچی میں 'دارالعلوم کراچی' بھی ایک بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ اس مرکز

کے بانی مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ہیں۔ مفتی صاحب جب تک حیات رہے ان کی زندگی کا ہر لمحہ علمی مشاغل ہی میں صرف ہوتا رہا۔ آپ کا رجحان اور میلان اگرچہ فقہ کی طرف تھا لیکن آپ حدیث کے بہت ماہر شیخ تھے۔ صحیح بخاری اور جامع الترمذی دونوں کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے۔ آپ نے دارالعلوم میں شعبہ تصنیف و تالیف قائم کیا اور ماہنامہ 'البلاغ' کے نام سے علمی مجلہ جاری کیا۔ مفتی محمد شفیع کے پاس علامہ انور شاہ کشمیری کے وہ سارے علمی ذخائر موجود تھے جن کا تعلق فقہ اور حدیث سے تھا۔ آپ کے درس حدیث سے یوں لگتا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیری کا درس ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے دارالعلوم کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ ان حضرات نے دارالعلوم کو بالکل جدید انداز میں استوار کر لیا۔ نصاب میں بہت مفید ترامیم کیں۔ جدید علوم کو بھی متعارف کرایا۔ اور ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی جس کے لیے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی۔ اس لائبریری میں ہر علم و فن کی امہات الکتاب دستیاب ہیں۔ شروح، حواشی اور ضمنی و ذیلی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دونوں بالترتیب اس دارالعلوم کے ذمہ دار ہیں۔ اس وقت پاکستان میں جن علماء کی معلومات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جنہیں علمی حلقوں میں وقعت و اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک مولانا تقی عثمانی ہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے 'درس ترمذی' کے نام سے اردو میں اپنے درس حدیث کو مرتب کرایا۔ یہ ایک بہت مفید اور علمی کام ہے جس کی وجہ سے جامع ترمذی کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس 'درس ترمذی' کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا تقی عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے اس مجال میں کتنا نوازا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے صحیح مسلم کی شرح 'فتح الملبہم' کی تکمیل کی۔ یہ شرح مولانا شبیر احمد عثمانی نے شروع کی تھی لیکن مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اس شرح کا مقدمہ بہت مفید اور پراثر معلومات ہے۔

1.5 جامعہ فاروقیہ

مولانا سلیم اللہ خان صاحب، جو شروع میں دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے بعد میں انہوں نے جامعہ فاروقیہ کے نام سے اپنا الگ مرکز قائم کیا اس مرکز کے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کے طلبہ نے جوق

درجہ جو قیہاں کارخ کر لیا۔ ابتدائی درجات طلبہ جہاں بھی پڑھتے لیکن آخری دو درجات پڑھنے کے لیے جامعہ فاروقیہ کا انتخاب کرتے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جس طالب علم نے ان سے مشکوٰۃ پڑھ لی اس کے لیے صحاح ستہ کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ایران میں آپ کے تلامذہ کا ایک مضبوط نیٹ ورک ہے جو وہاں علمی اور فکری کام کر رہے ہیں۔ حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے مولانا کی خدمات آنے والی نسلیں نہیں بھلا سکیں گی۔ مولانا کے دروس اب مطبوعہ شکل میں بھی آگئی ہیں۔ جو حدیث کے طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں۔

1.6 جامعہ حنفیہ

کراچی شہر میں مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ نے بھی جامعہ حنفیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ میں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی لیکن تعلیم و تدریس کا کام یہاں ضمنی تھا۔ مولانا کا اصل ہدف یہ تھا کہ ایک ایسی لائبریری قائم کی جائے جس میں ہر علم و فن سے متعلق کتابیں ہوں اور خاص کر وہ کتابیں جو مصر، حجاز، بیروت اور دمشق میں محقق ہو کر شائع ہو رہی ہیں۔ مولانا کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ دینی مدارس کے طلبہ محض نصاب کی کتابیں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ بہت کم مطالعہ کرتے ہیں حالانکہ دینی مدارس کے طلبہ کو نصاب کے علاوہ متعلقہ کتب کو پڑھنا چاہئے۔ آپ فرماتے تھے کہ محض صحیح بخاری پڑھنے سے صحیح بخاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے لیے عمدۃ القاری کو بھی پڑھنا چاہئے۔ اس منصوبہ کا آغاز آپ نے پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تجویز پر کیا تھا۔ لیکن مولانا چونکہ بنیادی طور پر خطیب تھے اس لیے ان کا بیشتر وقت سفر میں گزرتا تھا۔ اس منصوبہ کا آغاز تو آپ نے کر لیا لیکن اس کے لیے جتنی توجہ اور انہماک کی ضرورت تھی وہ آپ کے پاس نہیں تھی۔ اگر یہ منصوبہ مولانا کی زندگی میں معقول حد تک چل جاتا تو بعد میں پیش رفت بھی ہو جاتی لیکن ہوا یہ کہ ابتدائی مراحل میں رک گیا۔

1.7 دارالعلوم امجدیہ

حدیث کی ترویج و اشاعت میں دارالعلوم امجدیہ روایتی انداز میں چل رہا ہے۔ کوئی ایسی قابل ذکر لائبریری یہاں قائم نہیں ہو سکی۔ تصنیف و تالیف اور تحقیق کا شعبہ بھی یہاں نہیں ہے۔ دورہ حدیث میں طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے اور ہر سال سالانہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوتا ہے۔

1.8 جامعہ ابو بکر

کراچی میں جب جامعہ ابو بکر کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تو بہت سارے طلبہ نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جامعہ کا ظاہری معیار بہت عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ عمارت بہت خوبصورت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ نصاب بالکل جدید تھا۔ عربی پڑھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کئے گئے تھے۔ جامعہ کے اندر عربی زبان بولی جاتی تھی۔ ترتیب اور نظم و نسق میں بہت کشش تھی۔ جامعہ ابو بکر شروع میں بہت منظم اور مرتب انداز میں چلا۔ اس جامعہ میں جو نصاب رائج کیا گیا وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے مطابق تھا۔ پڑھانے والوں میں بھی اکثریت ان اساتذہ کی تھی جو باہر کی جامعات سے فارغ التحصیل تھے۔ اس ادارہ میں لائبریری بھی معقول تھی اور طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ لائبریری سے استفادہ کریں۔ اس نظم و نسق کی وجہ سے ادارہ کے فارغ التحصیل طلبہ باقی جامعات کے مقابلہ میں زیادہ پر اعتماد ہوتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بھی یہاں کے ماحول میں رنگتا چلا گیا اور وہ سنجیدگی، توجہ اور انہماک جو اس جامعہ کا خاصہ تھی رفتہ رفتہ اس میں کمی آتی گئی۔ بہر حال اس ادارہ کا وجود دینی جامعات کے سلسلہ میں ایک بہت قیمتی اور مفید اضافہ ہے۔ اور اس جامعہ کی خدمات حدیث اور علوم حدیث کی ترویج و اشاعت کے میدان میں قابل ذکر ہیں۔

1.9 مظہر العلوم

کراچی میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں مدرسہ مظہر العلوم (شاہ ولی اللہ روڈ نزد لی مارکیٹ) نے بھی بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ مدرسہ اپنے عروج کے دور میں دیوبند ثانی کہلاتا تھا۔ اس کے بانی مولانا محمد صادق جہاں صاحب علم و فضل اور حامل قرطاس و قلم تھے وہاں صاحب سیف و سنان بھی تھے۔ اس مدرسہ میں زیادہ تر اندرون سندھ اور بلوچستان کے طلبہ آتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔ مولانا محمد صادق کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیلؒ اس ادارہ کے مہتمم رہے۔ مولانا اسماعیل کے دور میں بھی مدرسہ میں طلبہ کی تعداد معقول ہوتی تھی اور نظم و نسق مناسب تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور مولانا اسماعیلؒ کے انتقال کے بعد اس ادارہ کی حالت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ اس مدرسہ میں بڑے بڑے شیوخ الحدیث رہے۔ دورہ حدیث کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ مدرسہ اتنا معیاری تھا کہ حکومت نے اس کی سند کو وفاق المدارس کے علاوہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس مرکز سے ہزاروں طلبہ نے دورہ حدیث کیا اور اسناد حاصل کیں۔

1.10 دار الہدیٰ

مظہر العلوم کی طرح اندرون سندھ میں جس دینی مدرسہ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ 'دار الہدیٰ' ہے۔ یہ مدرسہ نیزہی خیر پور میں واقع ہے۔ اس مدرسہ کو بھی اپنے عروج و کمال کے دنوں میں دارالعلوم دیوبند سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ دارالہدیٰ نے اندرون سندھ اور بلوچستان کے طلبہ کو مستفید کیا۔ یہاں باقاعدہ دورہ حدیث ہوتا ہے۔ دارالافتاء بھی قائم ہے۔ طلبہ کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ حدیث کی اشاعت میں اس مدرسہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

1.11 انوار العلوم

ملتان میں مولانا سعید احمد کاظمیؒ نے انوار العلوم کے نام سے جو مدرسہ قائم کیا وہ خالصتاً روایتی انداز کا

مدرسہ تھا۔ مولانا کاظمی چونکہ معقولات کی طرف بھی میلان رکھتے تھے اس لیے انہوں نے درس نظامی کے نصاب کو جوں کا توں رکھا۔ اور اس میں وہ تمام فنون برقرار رکھیں جو دیگر جامعات میں تخفیف کا شکار ہو گئی تھیں۔ مولانا کاظمی اپنے دور کے بہت بڑے عالم، مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ ان کی شخصیت اور علمیت کی وجہ سے اس مدرسہ نے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادوں مولانا مظہر سعید کاظمی اور مولانا حامد سعید کاظمی نے اس ادارے کا نظم و نسق سنبھالا اور اسے جدید خطوط پر استوار کیا۔ ملتان میں علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں اس مدرسہ کا بہت اہم کردار ہے۔

1.12 خیر المدارس

ملتان ہی میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے بھی 'خیر المدارس' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ نے یہ مدرسہ ۱۹۳۱ء میں جالندھر کے مقام پر قائم کیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب آپ نے ہجرت کی تو مدرسہ بھی آپ کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ خیر المدارس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ اس مدرسہ سے جو بھی طالب علم فارغ التحصیل ہوا وہ اپنے علم و فضل اور عمل کے ذریعہ پہچانا گیا۔ مولانا خیر محمد ذاتی طور پر نمونہ اسلاف تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انتہائی سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اور بہت معمولی غذا تناول فرماتے تھے۔ عوام میں گھل مل کر رہتے تھے اور یہ تاثر بالکل نہیں دیتے تھے کہ وہ کوئی بڑی اور بھاری بھر کم شخصیت ہیں۔ مولانا خیر محمد جالندھری کے خلوص اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ اب تک رواں دواں ہے اور اپنا علمی سفر طے کر رہا ہے۔ مولانا اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جن میں سے اکثر درس و تدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ یہ ادارہ اب مولانا جالندھری کے پوتے قاری محمد حنیف جالندھری کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ ادارہ سے ایک ماہنامہ 'الخیر' کے نام سے بھی نکل رہا ہے۔ لائبریری کا معقول انتظام ہے۔ دارالافتاء بھی ہے۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے صحیح بخاری پر ایک مختصر شرح تالیف کی۔

1.13 قاسم العلوم

ملتان میں ایک اور مرکز ’قاسم العلوم‘ کے نام سے قائم ہے۔ اس مرکز کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب مولانا مفتی محمودؒ نے شیخ الحدیث کی حیثیت سے یہاں تدریس کا کام شروع کیا۔ مولانا مفتی محمود جہاں سیاسی قائد، عوامی خطیب، اور ہمہ وقت مصروف رہتا تھا وہاں اپنے دور کے ممتاز محدث اور فقیہ تھے۔ مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ان کی سیاسی بصیرت حدیث اور فقہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر ہے اور مقبولیت تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے۔ مفتی صاحب جہاں بہت بڑے عالم، فاضل اور یگانہ روزگار شخصیت تھے وہاں انتہائی متقی، عابد، متواضع اور زاہد تھے۔ نماز پڑھتے وقت ان کی کیفیت دیکھنے والی ہوتی تھی۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے اس کیفیت کو باقاعدہ محسوس کرتے تھے۔ مفتی صاحب حدیث کا درس بہت اہتمام اور انسہاک کے ساتھ دیتے تھے۔ آپ جب مسند پر بیٹھ جاتے تو ادب کی وجہ سے شروع سے آخر تک ایک ہی کیفیت میں بیٹھے رہتے۔ اپنی عام گفتگو میں آپ ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے تھے لیکن حدیث کا درس اتنے سکون کے ساتھ دیتے تھے کہ ہاتھوں کو بالکل بھی حرکت نہیں دیتے تھے۔ دو دو گھنٹے تک ایک ہی حالت میں بیٹھے رہتے اور تسلسل کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ مفتی صاحب ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا کرتے تھے۔ زندہ مثالوں کے ساتھ روایات کی وضاحت کرتے تھے۔ سائنسی ایجادات اور جدید معلومات و اکتشافات کا تذکرہ بھی دورانِ درس کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحب چونکہ رقیق القلب تھے اس لیے حدیث پڑھاتے وقت ان پر جذباتی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا اس لیے رواۃ حدیث کے تراجم زیادہ تر آپ کو اُزبر تھے۔

مذہبِ اربعہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے اقوال اور مواقف بھی آپ کو یاد رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ فقہاء اور محدثین سب کے سب قابلِ احترام ہیں اور ہمیں ان سب کو ایک جیسا احترام دینا چاہئے۔ آج جو شخص پہلی، دوسری، اور تیسری صدی ہجری کے فقہاء اور محدثین کے مراتب پر بحث کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ ان سب حضرات کا تعلق خیر القرون سے ہے۔ سب ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ مفتی صاحب کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ نے وفاق المدارس کو باقاعدہ منظم کیا اور حکومتِ وقت سے اس کی ڈگری کو ایم اے (علوم

اسلامیہ) کے برابر قرار دلوایا۔ مفتی صاحب کے دروس غیر مطبوعہ شکل میں ان کے شاگردوں کے پاس محفوظ ہیں۔ لیکن مطبوعہ شکل میں اب تک یہ کام سامنے نہیں آیا۔

1.14 جامعہ اشرفیہ

لاہور میں جس مرکز کی وجہ سے علم حدیث کی ترویج و اشاعت ہوئی وہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن امرتسری ہیں۔ اس جامعہ کو دو اساتذہ کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور دوسرے مولانا رسول خان ہزاروی کی وجہ سے۔ یہ دونوں حضرات جامعہ اشرفیہ میں آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہ چکے تھے اور علمی حلقوں میں مقبولیت اور شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مولانا رسول خان علوم و فنون میں مہارت کی وجہ سے 'شیخ الکل فی الکل' کہلاتے تھے۔ پاکستان میں جتنے بڑے بڑے علماء آئے ان میں سے بیشتر آپ کے شاگرد تھے۔ آپ سے حدیث پڑھنا اور سند حاصل کرنا باعث سعادت سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رسول خان کے ہوتے ہوئے حدیث کے طلبہ کسی اور ادارہ کا بہت کم رخ کرتے تھے۔ مولانا رسول خان اپنے دور کے ممتاز محدث تھے۔ آپ کا حافظہ غضب کا تھا۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ اس صدی کے نہیں بلکہ پہلی یا دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اسناد اور متون دونوں آپ کو از بر تھیں۔ بلکہ بیشتر مصادر حدیث کے حواشی اور شروح بھی آپ کو یاد تھیں۔ آپ نے اپنے جن شیوخ سے استفادہ کیا ان شیوخ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و کلمات پوری ترتیب کے ساتھ آپ کو یاد تھے۔ آپ اس دور میں 'آیۃ من آیات اللہ' تھے۔ آپ کے اوپر طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ ہر وقت تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ ٹائم ٹیبل کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ طلبہ کے ہجوم کی وجہ سے آپ کو خلوت اور تنہائی کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تصنیف و تالیف کا کام بالکل نہیں کر سکے۔ آپ کے طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کی ترویج و اشاعت میں آپ کا بہت اہم اور بنیادی کردار ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے دارالعلوم دیوبند کے کبار شیوخ سے استفادہ کیا۔ مفتی عزیز الرحمن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد مدنی، اور مولانا سید انور شاہ کشمیری آپ کے شیوخ ہیں۔ مولانا کاندھلوی اپنے

دور کے بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کا تعلق تفسیر، حدیث، سیرت اور کلام سے رہا۔ لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت حدیث کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ مولانا کاندھلوی جہاں ماہر اور تجربہ کار مدرس تھے وہاں بہت اعلیٰ درجہ کے ادیب اور مصنف بھی تھے۔ آپ نے زندگی بھر تدوین اور تصنیف و تالیف کا کام ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ تفسیر میں آپ نے 'معارف القرآن' کے نام سے بہت اہم تفسیر مرتب کی۔ سیرت میں 'سیرۃ المصطفیٰ' کے نام سے کتاب لکھی۔ حدیث میں آپ نے 'تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری'، 'التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح'، 'مقدمۃ الحدیث'، 'منہ المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث' اور 'حجیت حدیث' پانچ اہم تالیفات کیں۔

تحفۃ القاری کے مقدمہ میں مولانا کاندھلوی اس کتاب کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فیہ حل ابوابہ و تراجمہ، و شرح مشکلاتہ، و ایضاح مغلقاتہ، لا

شرح الكتاب بتمامہ، ولا حل جميع الفاظہ و عباراتہ“.

”اس کتاب میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب کا حل ہے۔ اس کے مشکل

مقامات کی شرح ہے اور وضاحت طلب مقامات کی وضاحت ہے اس کتاب

میں پوری صحیح بخاری کی شرح نہیں اور نہ پوری کتاب کے الفاظ و نصوص کا تجزیہ

ہے۔“

مولانا کاندھلوی کا طرز اس کتاب میں یہ ہے کہ سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب کے عنوان کی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے کوئی آیت یا حدیث نقل کر لی ہو تو اس آیت اور حدیث کی تشریح بیان کرنے کے بعد اس آیت کو یا حدیث کو ترجمۃ الباب کا حصہ بنانے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

’التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح‘ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ مشکوٰۃ المصابیح کی عربی شرح ہے۔

مولانا کاندھلوی نے اس کتاب کی ترتیب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس کی زبان سلیس، عام فہم اور تراکیب آسان ہوں۔ تاکہ اساتذہ اور طلبہ دونوں اس سے مستفید ہو سکیں۔

مولانا کاندھلوی نے اصول حدیث میں 'مقدمۃ الحدیث' کے نام سے ایک تالیف کی۔ یہ تالیف آپ کی حیات میں نہیں چھپ سکی۔ یہ مخطوط محفوظ رہا تا آنکہ حال ہی میں ڈاکٹر تاج الدین الازہری نے اس پر تعلیق و تحقیق کی اور پنجاب یونیورسٹی سے اس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی۔

جامعہ اشرفیہ میں جب تک یہ دونوں حضرات حدیث پڑھاتے رہے حدیث کے طلبہ اطراف و اکناف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث رہے۔ مولانا مالک کاندھلوی اپنے والد کی طرح جاذب نظر اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ علم و فضل کے آثار آپ کے چہرہ پر نظر آتے تھے۔ آپ کی زبان اتنی شستہ، رواں اور خوبصورت تھی کہ سامعین گھنٹوں تک آپ کو سننا چاہتے تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ آیات اور روایات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کو ازبر تھا۔ آپ نے زندگی بھر تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ آپ نے اپنے والد کی تفسیر معارف القرآن کا مکملہ دو جلدوں میں لکھا۔ اس کے علاوہ اصول تفسیر پر ایک کتاب لکھی۔ ہدایہ کار دو میں ترجمہ کیا۔ زندگی کا طویل عرصہ حدیث کی تدریس میں گزارا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو کہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی کے علاوہ جامعہ اشرفیہ میں مولانا موسیٰ خان صاحب کی شخصیت بھی حدیث کی اشاعت کے حوالہ سے قابل ذکر ہے۔ مولانا موسیٰ خان علوم و فنون کے جامع تھے۔ آپ معقولات اور منقولات دونوں کے شیخ تھے۔ تصوف سے بھی بہت گہرا تعلق تھا۔ آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی پر آپ نے بہت سارا مواد جمع کیا۔ آپ کا میلان چونکہ عربی کی طرف تھا اس لیے جو کچھ لکھا عربی میں لکھا۔ مولانا موسیٰ خان حدیث کے طلبہ کے حلقوں میں بہت مقبول تھے۔ آپ اپنے طلبہ کے ساتھ بہت شفقت اور پیار سے پیش آتے تھے۔ تدریس کے سلسلہ میں ٹائم ٹیبل کے پابند نہ تھے۔ مغرب سے لیکر رات کو جب تک چاہتے پڑھاتے رہتے تھے۔ دن کی تدریس اس کے علاوہ تھی۔

1.15 نصرۃ العلوم

حدیث اور علوم الحدیث کی اشاعت و ترویج کے ضمن میں ایک اہم نام مولانا سرفراز خان صفدر کا بھی ہے۔ مولانا سرفراز خان صاحب اس دور میں گزرے ہوئے قافلے کے پچھڑے ہوئے مسافر ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں ایسی جاذبیت ہے کہ ان سے ملنے والا شخص بہت دیر تک ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ مولانا کا حافظہ اس عمر میں بھی اتنا قوی ہے کہ متون اور اسناد کی بہت بڑی تعداد انہیں از بر ہے۔ اس وقت مولانا ہی کی شخصیت ہے جنہیں علم رجال کے مجال میں بہت مہارت حاصل ہے۔ مولانا سرفراز خان صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔ آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عرب کے علماء آپ کی تحقیق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ تصنیف و تالیف میں آپ کا انداز بالکل تحقیقی اور علمی ہے۔ آپ مکمل حوالہ جات دیتے ہیں۔ حواشی اور تعلیقات کے ذریعہ اپنے قاری کو مزید معلومات بھی دیتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ’الکلام الحادوی علی الطحاوی‘، ’شوق حدیث‘ اور ’انکار حدیث کے نتائج‘ آپ کی اہم تالیفات ہیں۔

1.16 جامعہ امدادیہ

حدیث اور علوم حدیث کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں مولانا محمد نذیر صاحب کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا نے فیصل آباد میں جامعہ امدادیہ کے نام سے جو مرکز قائم کیا تو ابتداً دورہ حدیث سے کی۔ آپ نے یہ مرکز جدید خطوط پر استوار کیا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز چونکہ بہت دلچسپ اور عمدہ ہے اس لیے حدیث کے طلبہ نے اس جامعہ کی طرف رخ کیا۔ مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ مشکوٰۃ المصابیح پر آپ کی شرح بہت مفید اور معلوماتی ہے۔

1.18 دارالعلوم تعلیم القرآن

راولپنڈی ڈویژن میں جس مرکز نے حدیث اور علوم الحدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے بنیادی خدمات انجام دیں وہ دارالعلوم تعلیم القرآن کے نام سے مشہور ہے۔ اس مرکز کے بانی مولانا غلام اللہ خان تھے۔ مولانا غلام اللہ خان نے شہر کے وسط میں اپنا مرکز قائم کیا۔ مولانا کا موقف یہ تھا کہ عوام کو کتاب و سنت کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے تاکہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے غلط رسوم و رواج اور توہمات کا خاتمہ ہو سکے۔ اپنے اس موقف اور تجزیہ کی بنیاد پر آپ نے درس قرآن اور درس حدیث پر خاص توجہ دی۔ آپ نے ملک کے مختلف اطراف سے ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کو جمع کیا۔ خود حدیث کے بنیادی مصادر کی تدریس کرتے تھے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن بنیادی طور پر ایک روایتی مدرسہ رہا۔ یہاں نہ تو کوئی معقول قسم کی لائبریری قائم ہوئی نہ تصنیف و تالیف اور تحقیق کا شعبہ سامنے آیا۔ یہاں طلبہ نصابی کتب تک محدود رہتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیوں کا سلسلہ یہاں نہیں ہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد قاضی احسان الحق مدرسہ کے مہتمم رہے اور ان کے بعد مولانا اشرف علی صاحب مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ مولانا غلام اللہ خان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اس مرکز نے پوٹھوہار کے علاقہ میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی اشاعت میں بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

1.19 جامعہ رضویہ ضیاء العلوم

راولپنڈی میں ایک اور مرکز جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے نام سے قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مہتمم مولانا محی الدین شاہ صاحب تھے۔ مولانا نے اس مدرسہ کو بہت خلوص اور توجہ کے ساتھ قائم کیا۔ ادارہ بہت منظم ہے۔ یہاں ایک معقول لائبریری ہے جس سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں۔ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ بیرون ملک بھی مختلف مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور دورہ حدیث کے طلبہ معقول تعداد میں ہوتے ہیں۔

1.20 جامعہ سلفیہ

جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام اسلام آباد میں 'الجامعۃ السلفیہ' قائم ہے۔ اس ادارہ کی تاسیس و تعمیر میں مولانا حبیب الرحمن بخاریؒ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جامعہ سلفیہ میں وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب کے مطابق علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں معقول لائبریری بھی ہے اور حدیث کے تجربہ کار اساتذہ بھی۔

1.21 جامعہ فریدیہ

اسلام آبادی میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ کے نام سے بھی ایک مدرسہ قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مؤسس حاجی اختر حسن صاحب بہت دور اندیش اور مخلص انسان تھے۔ حاجی صاحب نے اس ادارہ کو بالکل نئے خطوط اور جدید نصاب و منہاج کے مطابق قائم کیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ملک کے متمول اور بااثر طبقہ کے بچوں کو ایسا ماحول اور ایسی فضا فراہم کی جائے جس میں وہ علوم دینیہ کے حصول کے لیے آئیں۔ آپ کی اس سوچ اور فکر کو بعض متمول اور مخیر حضرات نے بہت سراہا اور انہوں نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ جامعہ فریدیہ ابتداء میں ایک روایتی مدرسہ تھا لیکن بعد میں اس کے لیے اسلام آباد کے خوبصورت ترین علاقہ ای سیون میں شایان شان عمارت تعمیر کی گئی۔ جامعہ فریدیہ کے لیے نیا نصاب مرتب کیا گیا۔ عربی زبان کی تدریس کے لیے عرب اساتذہ رکھے گئے۔ باقی علوم و فنون کے لیے بھی بہت ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کا تقرر کیا گیا لیکن ۱۹۸۵ء میں جب حاجی صاحب کا اسلام آباد سے کراچی تبادلہ ہو گیا تو مدرسہ کے انتظامی معاملات متاثر ہو گئے۔ اور بالآخر مولانا عبداللہ صاحبؒ نے مدرسہ کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مولانا صاحب نے مدرسہ کا انتظام و انصرام روایتی طرز پر استوار کر دیا اور وہ نصاب و منہاج جو حاجی اختر حسن صاحب نے تیار کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا۔ اگر حاجی صاحب کے وضع کردہ نظام کے مطابق یہ مرکز کامیاب ہو جاتا تو یہ علوم و فنون کا ایک امتیازی ادارہ ہوتا جہاں طلبہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر چار سال میں پڑھتے اور اس طرح ایسے طلبہ تیار ہوتے جو تفسیر، حدیث اور فقہ میں متخصص ہوتے۔ بہر حال جامعہ فریدیہ میں درس نظامی کا نصاب رائج ہوا۔

یہاں دورہ حدیث ہوتا ہے۔ ہم نصابی مطالعہ کا کوئی خاص انتظام نہیں۔ نہ ہی لائبریری سے استفادہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ شعبہ تحقیق و تالیف اور اس سے منسلک جس لائبریری کا منصوبہ اس جامعہ کے آغاز میں ڈیزائن کیا گیا تھا وہ بعد میں آنے والے احوال و ظروف کی نذر ہو گیا۔

1.22 جامعہ محمدیہ

اسلام آباد میں ایک اور ادارہ جامعہ محمدیہ کے نام سے بھی کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ کے بانی و مہتمم مولانا ظہور احمد علوی صاحب ہیں۔ مولانا علوی چونکہ حاجی اختر حسن صاحب کے دور میں جامعہ فریدیہ کے ناظم رہے اس لیے انہوں نے حاجی صاحب سے بہت کچھ سیکھا۔ جامعہ محمدیہ بنیادی طور پر روایتی مدرسہ ہے جہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دورہ حدیث بھی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو جدید اسلوب اور انداز میں تربیت بھی دی جاتی ہے۔ انگلش اور عربی زبان پر دوسرے مدارس کے مقابلہ میں یہاں زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ عام طور پر یہاں درجہ اولیٰ میں وہ طلبہ آتے ہیں جو میٹرک کر چکے ہوتے ہیں۔ اساتذہ بھی معیاری رکھے گئے ہیں۔ لائبریری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہاں طلبہ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہم نصابی مطالعہ کریں۔

1.23 جامعہ اسلامیہ

راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے بھی ایک مدرسہ کام کر رہا ہے۔ اس مدرسہ کے بانی قاری سعید الرحمن صاحب ہیں۔ قاری صاحب اپنے ہم عصر علماء میں ایک ممتاز علمی مقام رکھتے ہیں۔ اس مدرسہ میں دورہ حدیث ہوتا ہے۔ قاری صاحب خود حدیث پڑھاتے ہیں۔ دورہ حدیث کے طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے۔

1.24 جامعۃ العلوم الشرعیہ

راولپنڈی میں جامعۃ العلوم الشرعیۃ حدیث کے حوالہ سے ایک بہت معروف و مشہور مرکز رہا ہے اس

مدرسہ میں جب تک مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رہے حدیث کے طلبہ بڑی تعداد میں یہاں آتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز محدثین سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور زندگی بھر حدیث کی تدریس کی۔ آپ راوی پندی آنے سے پہلے قاسم العلوم فقیر والی (بہاولنگر) میں شیخ الحدیث تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کے متون اور حدیث سے متعلقہ فنون میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ حدیث کا مطالعہ آپ کا مشغلہ تھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا بیشتر حصہ آپ کو از بر تھا۔

1.25 جامعہ اسلامیہ عالمیہ

اسلام آباد میں ۱۹۸۰ء میں جب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی تو اس میں ایک فیکلٹی 'اصول الدین' کے نام سے رکھی گئی۔ اس فیکلٹی میں تفسیر و حدیث کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ تفسیر و حدیث کے اس شعبہ کے تحت بہت سارے طلبہ نے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں بہت عمدہ لائبریری ہے۔ طلبہ اس لائبریری سے خوب استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ادارہ میں چونکہ غیر ملکی طلبہ بھی ہوتے ہیں اور وہ بہت انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو دیکھا دیکھی یہاں کے مقامی طلبہ بھی مطالعہ کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

1.26 ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے قیام سے پہلے 'ادارہ تحقیقات اسلامی' میں بھی شعبہ تفسیر و حدیث کا کام کر رہا تھا۔ اس شعبہ سے متعلق سکالرز نے بہت وقیع اور مفید علمی کام کیا۔ ادارہ سے نکلنے والے علمی مجلات 'فکر و نظر'، 'الدراسات الاسلامیہ' اور "Islamic Studies" میں حدیث و سیرت کے حوالے سے اردو، عربی اور انگریزی میں کئی علمی مقالات چھپے۔ یہ تینوں مجلات اب تک باقاعدگی سے چھپتے ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری پاکستان کی لائبریریوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس لائبریری میں جہاں دیگر علوم و فنون کی کتابیں جمع کی گئی ہیں وہاں حدیث اور علوم حدیث کے تقریباً جملہ مصادر موجود ہیں۔ محققین، اساتذہ اور طلبہ کی بہت بڑی

تعداد اس لائبریری سے استفادہ کرتی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں جب 'دعوۃ الکیڈمی' کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس یونٹ کے تحت دعوتی نکتہ نگاہ سے تفسیر اور حدیث کے مراسلاتی کورسز شروع کئے گئے۔ کاتبِ حروف نے چوبیس یونٹوں پر مشتمل حدیث کا ایک کورس مرتب کیا۔ اس کورس کو الحمد للہ بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور ہر سال تین ساڑھے تین ہزار افراد اس میں رجسٹرڈ ہوتے رہے۔ اس کورس کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرہ کے عام افراد کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات سے روشناس کروایا جائے۔

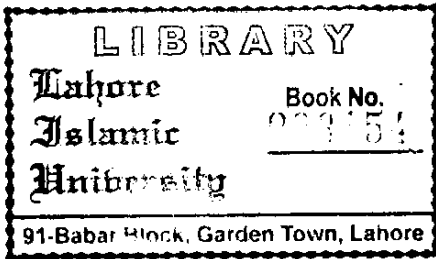
اس وقت پاکستان کے تمام جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے پروگرام چل رہے ہیں۔ ان پروگراموں کے تحت کئی طلبہ حدیث کے موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حدیث کے طلبہ کو حدیث کے بنیادی مصادر اور علوم الحدیث کے اساسی مآخذ کا مطالعہ کرایا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر طلبہ اپنے موضوع تک محدود رہتے ہیں۔ انہیں اس موضوع کے بارے میں تو معلومات ہوتی ہیں جس پر انہوں نے مقالہ لکھا ہوتا ہے لیکن موضوع کے علاوہ انہیں حدیث اور علوم الحدیث کے بارے میں بنیادی معلومات بھی نہیں ہوتیں۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ انہیں عربی آتی ہوتا کہ وہ براہِ راست مصادر حدیث کا مطالعہ کر سکیں۔

1.27 شعبہ حدیث و سیرت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کلیہ علوم اسلامیہ کے تحت حدیث و سیرت کا جو شعبہ قائم ہے۔ اس شعبہ کی کوشش یہ ہے کہ حدیث کے طلبہ کو عام فہم اور سلیس زبان و اسلوب میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں اور ان موضوعات پر مواد جمع کر کے طلبہ کو دیا جائے جن کا مطالعہ حدیث کے طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس شعبہ کے تحت اب تک الحمد للہ 'تخصّص فی الحدیث' کے چار کورسز تیار ہو چکے ہیں۔ جنہیں طلبہ اور اساتذہ نے سراہا ہے۔ مستقبل میں ایم فل کی سطح پر بھی کورسز تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔ یہاں ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کئی طلبہ حدیث و سیرت کے مختلف موضوعات پر مقالے لکھ رہے ہیں۔

پاکستان میں کئی علماء کرام اور سکالرز انفرادی طور پر علم حدیث کی اشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ حضرات زیادہ تر تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے اکثریت ان علماء کی ہے جو اس پونٹ میں مذکورہ دینی مدارس اور جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا انجام دیتے رہے ہیں۔ بہر حال پاکستان میں حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کا سہرا دینی مدارس اور جامعات کے سر پر ہے۔ ان اداروں سے ایسے علماء اور سکالرز پیدا ہو رہے ہیں جو اس سلسلہ کو آگے بڑھانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس سلسلہ کو تاقیام قیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین!

www.kitabosunnat.com



تَهْدِيَةُ التَّهْدِيَةِ

طبیقات امیر اسعد

الكامل

میزان الاعتدال

جامع بيان العلم

الإعلان بالتوبيخ

الاستيعاب في معرفة الأصحاب

الكامل

میرزا انور علی خان

تذكيرة

میں نے ان کے

الإعلان بالتوزيع

الإعلان بالتوزيع

الخصائص والمميزات

تذكرة الحفاظ

أَلَمْ يَجْعَلْنَا أُمَّةً فَتَنَّاكُمْ وَتَبَدَّلَ الْأَقْبَابُ وَأَنْتُمْ لَا تَوْتُونَ

مفتاح القیود

الاعلان بالتوزيع